

رُوداد اجتماع رامپور

جماعت اسلامی ہند

مرتبہ

شعبہ تنظیم جماعت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

کارروائی کل ہند اجتماع ع جماعت اسلامی ہند راپور

منعقدہ ۲۰ مئی ۱۹۵۴ء
دریافت ۲۱ مئی ۱۹۵۴ء

تفصیل ملک کے بعد جماعت کا نظمِ جدید جب سے قائم ہوا، رفقا کا یہم اصرار تھا اور خود جماعت کے مصالح متقاضی تھے کہ (کل ہند) اجتماع منعقد کیا جائے تاکہ جو رفقا ملک کے مختلف گوشوں میں بھرے ہوئے ہیں اور بدے ہوئے حالات میں نہ نہیں مسائل سے دوچار ہیں وہ ایک جگہ جمع ہوں اور ایک دوسرے سے تبادلہ خالات کے ذریعہ ان کے حالات اور طریق کا رو قریب سے سمجھنے کی کوشش کریں لیکن ملک کے عام صنادزدہ حالات، غیر مسلم طبقہ کی بدگانیوں اور مسلمانوں کی خوف زدگی نے اس طرح کے کسی اجتماع کا موقع نہیں دیا۔ اس لئے ضرورتوں اور دلی خواہشوں کے باوجود کوئی کل ہند اجتماع منعقد نہیں کیا جاسکا۔ البتہ یہ ضرورت تھوڑی بہت حلقة واری اجتماعات کے ذریعہ پوری کی جاتی رہی۔

پھر سال جب حالات کچھ سازگار ہوئے تو کل ہند اجتماع کی تیاری بھی شروع کردی گئی۔ لیکن جب تیاری تکمیل کے قریب تھی، یکایک مرکز کے قریبی اصلاح میں

فیادات شروع ہو گئے اور فیادات سے متاثر علاقوں کے اجڑے ہوتے خاندان را پسور منتقل ہونے لگے جن کی طرف جماعت نے توجہ کی، اس طرح باوجود مکمل تیاری کے کل ہند اجتماع کو ملتوی کرنا پڑا۔

لیکن مجلس شوریٰ منعقدہ ۱۹۵۸ء میں یہ مسئلہ پھر زیر عنور آیا، اس وقت تک فیادات کے اثرات بہت حد تک ختم ہو چکے تھے، رفقاً کے خطوط برابر آ رہے تھے اور جماعت کے مصالح بھی تقاضاً کر رہے تھے اس لیے مجلس شوریٰ میں طے کیا گیا کہ کل ہند اجتماع را پسور میں کیا جائے۔ جس میں جنوبی ہند کے صرف نمائندے مدعو کیے جائیں اور شمالی ہند کے رفقاً کو یہ سہولت دی گئی کہ علاوہ غدر شرعی کے اپنی دیگر قابلِ لحاظ معاشری اور غیر معاشری مشکلات کی بناء پر مستثنی قرار دئے جاسکیں۔

چنانچہ اس فیصلہ کے بعد اجتماع کے انعقاد کا اعلان کر دیا گیا۔ جس کے لئے جماعتی مصالح اور رفقاً کی سہولت کا لحاظ کرتے ہوئے ۲۰ اپریل ۱۹۵۸ء مطابق ۱۳ ار ۱۴۵ ارجمندی الائچہ کی تاریخیں مقرر کی گئیں، اجتماع گاہ کے لئے شہر را پسور میں سعادت یار خاں صاحب کی کوئی متصل تھانے پاکھڑ کو منتخب کیا گیا اور اجتماع کے ناظم محمد یوسف صاحب صدیقی ٹونک مقرر کیے گئے۔

اجماع سے ایک ماہ قبل بلے اشتہارات، ہینڈ بلز اور دعوت نامے چھپوئے گئے جو متصل علاقوں کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی جہاں جماعتیں یا حلقتی قائم تھے، تقسیم کیے گئے۔ تقسیم کے بعد یہ پہلا اجتماع ہورا تھا اس لئے قادری طور پر جماعتی حلقوں کے علاوہ دوسرے حلقوں میں بھی اس اجتماع کے ساتھ دل چسپی کا اظہار

کیا گیا لیکن سہیں افسوس ہے کہ بعض لوگوں نے ناواقفینت کی بنابر امن کی غرض کے لیے اس اجتماع کو غلط طور پر پیش کرنے کی کوشش کی، چنانچہ اسی زمانہ میں متعدد اخباروں میں یہ اطلاع شائع ہوئی گہ:

”رامپور میں جماعت اسلامی کا اجلاس ۲۰۲۲ء اپریل ۱۹۵۶ء کو رامپور، ۲۲ مارچ معلوم ہوا ہے کہ کل ہند جماعت اسلامی کا سالانہ اجلاس رامپور میں ۲۰۔۰۳۔۱۹۵۶ء تک منعقد ہو گا۔ جس میں نام ہندوستان سے جماعت اسلامی کے لیڈر شریک ہوں گے اور آئندہ کے لیے لائچ عمل طے کیا جائے گا۔ اس اجلاس میں نشرت کرنے کے لیے اور بھی مسلمان لیڈروں کو دعوت دی گئی ہے۔ وہ سب مل کر اس بات پر غور کریں گے کہ مسلمان سیاست میں کس طرح حصہ لیں اور کونی ایسی سیاسی جماعت میں شریک ہوں کہ انھیں آنے والے انتخابات میں زیادہ سے زیادہ نشستیں مل سکیں۔“ مدینہ ۲۸ مارچ ۱۹۵۶ء

”سہیں معلوم ہوا ہے کہ جماعت اسلامی کا کل ہند اجتماع ۲۰۔۰۳۔۱۹۵۶ء کو رامپور میں منعقد ہو رہا ہے جس میں اس مسئلہ ریغور کیا جائے گا کہ مسلمان کو نئی ایسی جماعت میں شریک ہوں، جس کے ذریعہ ایکشن میں زیادہ سے زیادہ نشستیں حاصل کر سکیں۔“

چنانچہ اسی فرم کی خبروں کے پیش نظر اجتماع سے پہلے مولانا ابوالیث صاحب امیر جماعت اسلامی ہند نے ایک مفصل بیان دیا جو مقامی اور بینوں اردو، انگریزی اخبارات میں شائع ہوا۔ بیان حسب ذیل ہے:-

"مجھے یہ معلوم کر کے افسوس ہوا کہ جماعتِ اسلامی ہند کا جو کل ہند اجتماع ۲۰۲۲ء اپریل کو رامپور میں ہونے والا ہے اس کے سلسلہ میں بعض نامہ نگاروں نے غیر ذمہ دار ان طور پر کچھ ایسی اطلاعات بھی پہنچائی ہیں جن سے بلا وجہ جماعت کے بنیادی مقصد اور طریق کار کے بارے میں غلط فہمیاں پھیل جانے کا اندر لیٹھ ہے۔ اس لئے میں مختصر جماعت کے بنیادی مقصد اور طریق کار و آئندہ اجتماع کے سلسلہ میں کچھ ضروری باتیں عرض کر دینا مناسب بحث تھا ہوں۔ جماعتِ اسلامی ایک اصولی جماعت ہے جس کا مقصد دین کے بنیادی اصولوں کی تبلیغ و اشاعت ہے اور جو خدا پرستانہ اخلاق کی بنیادوں پر سماج کی تعمیر کرنا چاہتی ہے۔ چونکہ موجودہ سیاست کو خدا پرستانہ نظریات سے کوئی تعلق نہیں ہے اس لئے اس میں حصہ لینا وہ اپنے اصول کے خلاف تمجحتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پچھلے کسی انتخاب میں کبھی جماعت نے حصہ نہیں لیا اور نہ آئے والے انتخاب میں وہ کسی طرح کا حصہ لینا چاہتی ہے۔

رامپور میں جو اجتماع ہو رہا ہے وہ اسی طرح کا اجتماع ہے جیسا کہ اس سے پہلے ملک کے مختلف حصوں میں متعدد بار ہو چکا ہے۔ اس طرح کے اجتماعات کی غرض صرف دو ہیں، ایک یہ کہ جو لوگ جماعت کے مقصد کے مطابق دینی اور اصلاحی کام کر رہے ہیں وہ سال میں ایک بار جمع ہو کر اپنی کوششوں کا جائزہ لے سکیں۔

دوسری عرض یہ ہے کہ جماعت کی دعوت سے ملک کے تمام سنجیدہ
 اصحاب فکر کو روشناس کرایا جائے، اس لئے ہم اپنے اجتماعات
 میں بلا امتیاز مذہب و ملت ہر جماعت اور ہر قوم و فرقہ کے اصحاب فکر
 کو شرکت کی دعوت دیتے ہیں اور ہمیں یہ ظاہر کرتے ہوئے مسٹر
 ہوتی ہے کہ ہماری دعوت پر اس طرح کے لوگ برا بر شریک ہوتے
 رہے ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ پٹیہ کے ایک اجتماع میں خود گاندھی جی
 نے شرکت فرمائی تھی اور اس کے بعد اپنی پر ارتحنا کی ایک تقریر
 میں اس اجتماع کی شرکت پر اپنے تاثر کا انہصار کرتے ہوئے فرمایا
 تھا کہ ”اگر مجھے پہلے سے معلوم ہوتا کہ یہ ایسے لوگوں کا اجتماع ہے تو
 میں وہاں پیدل چل کر جاتا۔“ اپنے اس طبقی کار کے مطابق ہم نے
 اس سال بھی ملک کی منفرد ممتاز سہیتوں کے نام بلا امتیاز مذہب
 ملت دعوت نامے بھیج ہیں اور اس طرح کے جو اصحاب ہمارے اس
 اجتماع میں شرکت کریں گے ہم ان کو توش آمدید کہیں گے۔

۱۹۵۱ء

خدا کا شکر ہے کہ اس بیان کے بعد اجازات کی طرف سے غلط بیانی کا سلسہ
 ہرک گیا۔ لیکن رامپور کے دو مقامی اخبارات نے اس کے باوجود ایک ہی تاریخ
 میں، قریب قریب یکسان انفاظ میں، رامپور میں اجتماع کے منعقد ہونے پر
 اس بناء پر اعتراض کیا کہ اس سے فرقہ پرور عنصر کو رامپور کے مسلمانوں کو بدنام
 کرنے کا موقع مل جائے گا، اس سلسلہ میں آغاز نے جو لونٹ لکھا تھا وہ

درج ذیل ہے :-

”جماعت اسلامی کا سالانہ جلسہ رامپور میں ۲۰۲۲ ربیعی
کو منعقد ہوا ہے جس کے متعلق پیدا ہونے والی غلط فہمیاں دُور
کرنے کے لیے امیر جماعت مولانا ابواللیث صاحب کا ایک بیان بھی
امروزہ اشاعت میں شائع ہوا ہے۔ اگرچہ جماعت اسلامی کا اب
تک جو کچھ عمل رہا ہے یا وقتاً فوقتاً جو اجتماعات دیکھنے میں آئے ہیں
وہ سیاسیات سے بالکل الگ رہے ہیں، ساختہ ہی یہ بھی ایک حقیقت
ہے کہ جماعت اسلامی کے عبوریت کم تعداد میں ہیں۔ اگرچہ گذشتہ کچھ
عرض سے رامپور میں اس کا مرکز منتقل ہو چکا ہے، لیکن یہاں بھی اس
کے عبور میں تعداد ”چند“ سے آگے نہیں بڑھی ہے۔ یہ جماعت جو پیام
دیتی ہے وہ قرآن کی روشنی میں دیتی ہے اور اس کی دعوت فکر کا
زاویہ کسی قوم یا فرقہ و مذہب تک محدود نہیں، لیکن باہم ہمہ یہ
اجماع موجودہ وقت میں رامپور ایسے چھوٹے اور مسلم اکثریت
رکھنے والے شہر میں فرقہ وار جذبات رکھنے والے افراد کے لیے
گنجائش پیدا کرتا ہے کہ وہ اسے فرقہ وار ہوادیں، اپنے ہم نوا
اخباروں میں اسے بُری طرح اچھا لیں اور بدنام کریں۔ اس لیے
بہتر تو یہی ہوتا کہ یہ اجماع دلہی، لاکھنؤ، الہ آباد یا کاپور میں کیا جاتا
کیونکہ رامپور کو اب تک بعض افراد اور فرقہ پرست اخبار مطبوعوں و
بدنام کرنے پر تکمیل ہوئے ہیں، اور وہ ہر معلمانے میں موقع و بے موقع

رامپور کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے اور زہر اگلنے میں کمی نہیں کرتے۔

مانا کہ جماعت کے اجتماعات میں ہر فرقہ و مذہب کے افراد کے لیے دروازے کھلے ہیں اور سب کو عام دعوت شرکت ہے، مگر بات وہیں جاتی ہے کہ بدنام کنندگان کے خیالات و جذبات شاید بغیر مشتعل ہوئے نہ رہیں، اور وہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر جس قدر ہو سکے گا ڈھنڈو را پیٹنے میں کمی نہ کریں گے، کیونکہ وہ تو بغیر کسی بات کے بھی اس قسم کی حرکات سے باز نہیں آتے اور جیکہ جماعت اسلامی کے نام پر اجتماع ہو تو پھر کیوں چوکیں گے۔

ہو سکتا ہے کہ وہ حکومت کو بھی مجبور کریں کہ وہ اس اجتماع اور اہل رامپور کو اشتباہی نظر سے دیکھ کر ایک ایسا تصور قائم کرے جو مسلمانانِ رامپور کے لیے کسی عنوان مفید نہ ہو، اس اجتماع کی تاریخوں میں کافی دن باقی ہیں، اجھا ہو جو جماعت کے ذمہ دار اپنے اس فیصلہ پر دورانی شیانہ غور کر لیں، اور ہو سکتے تو اپنے فیصلہ میں ترمیم کی کوئی صورت نکال لیں۔“

آغاز۔ ۸ اپریل ۱۹۵۴ء

اور اسی طرح کا نوٹ روزنامہ ”ناظم“ میں بھی شائع ہوا۔ ان نوٹوں کے شائع ہونے سے پہلے ہی مقامی طور پر ایک حلقہ کی طرف سے اجتماع کی مخالفت شروع ہو چکی تھی، اس لیے یہ مناسب سمجھا گیا کہ ان نوٹوں کے ذریعہ جو اندیشہ اُبھر سکتے

ہیں ان کی بروقت تردید کر دی جائے، چنانچہ حسب ذیل مراسلہ امیر جماعت
نے اخباروں کو ارسال فرمایا :-

”اپنے اپنے اخبار میں ”جماعت اسلامی کا سالانہ اجتماع“
کے زیر عنوان جو شندرہ قلم بند فرمایا ہے، اس پر مجھے اس حیثت سے
خوشنی ہوئی ہے کہ اس میں آپ نے جماعت کی دعوت کی حد تک
اسکی اصلی شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے یعنی یہ کہ جماعت جو دعو
دیتی ہے وہ قرآن و سنت کی روشنی میں دیتی ہے اور اس کی
دعوت فلک کا زاویہ کسی قوم یا افراد و مذہب تک محدود نہیں ہے، جس
کی تائید بھی آپ نے بجا طور پر جماعت کے اب تک کے طرز عمل اور
اس کے اجتماعات سے ”جن کے دیکھنے کا آپ کو وقتاً فو قتاً موقع طلب ہے“
بطور ثبوت پیش فرمایا ہے۔

لیکن اس کے ساتھ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ جماعت کی
دعوت کی ان بنیادی خوبیوں کو تسلیم کرتے ہوئے بھی آپ نے
محض اس اندیشہ کی بناء پر رامپور میں اس کے سالانہ اجتماع کے
منعقدہ ہونے پر ان کی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے کہ اس سے
فرقة پرست عناصر کو مسلمانان رامپور کو بدنام کرنے کا موقع مل جائے گا۔
میں یہ سمجھنے سے قادر ہوں کہ جماعت کی دعوت اور اجتماعات
کی مذکورہ بالانواعیت کے ہوتے ہوئے بھی کچھ لوگ ایسے ہو سکتے ہیں
جو ہماری وجہ سے خواہ مخواہ مسلمانان رامپور کو بدنام کرنے کی کوشش

کریں، اور اگر بالغ فرض کچھ لوگ ایسے ہوں بھی جو بے وحہ ہیاں کے مسلمانوں کو بدمام ہی کرنا چاہیں تو بقول آپ کے وہ بغیر کسی بات کے بھی اس قسم کی حرکات سے باز نہیں آتے۔ پھر ایسے لوگوں کا ہم یا آپ کیا علاج کر سکتے ہیں؟ کیا آپ کے نزدیک یہ بات مناسب ہو سکتی ہے کہ محض ایسے لوگوں کی اس طرح کی کوششوں کے پیش نظر ہم اپنے تمام کام بند کر دیں اور خالص دینی کام کے لیے بھی کہیں جمع نہ ہو سکیں، دراں حالیکے یہ ہمارا بھیشت شہری ایک قانونی حق بھی ہے اور دین کی ضروریات اس کی متفاضی بھی ہیں، اس نقطہ نظر کو سامنے رکھ کر اگر غور کیا جائے تو نہ کوہہ بالا اندیشہ کی حیثیت خود بخود واضح ہو جاتی ہے، لیکن اس سلسلہ میں ایک بات اور عرض کرنی چاہتا ہوں، اور وہ میرے نزدیک زیادہ اہم اور قابل غور ہے اور وہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک مذکورہ عناصر کو ان کی اس قسم کی حرکتوں سے باز رکھنے کا اگر کوئی علاج ہو سکتا ہے تو وہ صرف ہماری دعوت ہی کے ذریعہ ممکن ہے کیونکہ ہم تمام انسانوں کو اس بات کی دعوت دیتے ہیں کہ وہ اپنے خالق کے سامنے اپنی تمام ذمہ داریوں کو محسوس کریں، اور جب کہ وہ تمام انسانوں کا خالق ہے اور تمام انسان ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں، تو ان کے لئے زندگی بس کرنے کا واحد طریقہ یہی ہو سکتا ہے کہ وہ فرقہ پرستی، قوم پرستی اور وطن پرستی کے جذبات سے بالاتر ہو کر اپنے خالق کے بیچے ہوئے احکام کی پیروی کریں۔

اگر ہر سی یہ دعوت پوری طرح پھیل سکے تو یہ بجائے خود مذکورہ
 ذریت پرست عنصری فہمیت کی تبدیلی کا باعث ہو گا اور پھر رفتارِ رفتہ
 مسلمانوں کے بارے میں ان کا یہ نقطہ نظر بھی بدل سکتا ہے کہ
 مسلمانوں کی حیثیت ان کے کسی قومی حریف کی ہے، وہ اس کے
 بجائے یہ سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ ان کی حیثیت ایک ایسی مصلح
 جماعت کی ہے، جس کی سرگرمیاں اصلاحی اور تعمیرِ اخلاق کے لحاظ
 سے ملک کے لئے عمومی طور پر نقش بخش ہو سکتی ہیں، ہم اپنی جگہ یہ
 توقع رکھتے ہیں کہ سالانہ اجتماع کے موقع پر ہمارے جورِ فقہار
 ہندوستان کے مختلف گوشاوں سے آئیں گے ان کا طرزِ علی،
 اور ہم اپنے اجتماعات میں جو کارروائیاں کریں گے، ان کے عام
 انداز، انشاء اللہ عزیز مسلم حضرات کی اسلام اور مسلمانوں کے بارے
 میں اس طرح کی بہت سی غلط فہمیوں کے ازالہ کا کا باعث ثابت
 ہو گا جیسا کہ ہمارا اس سے پہلے بارہا کا تحریر ہے، خود را پوری میں ہمارے
 جلے اور بڑے اجتماعات بھی ہو چکے ہیں، جن میں مسلم اور عزیز مسلم
 دونوں ہی شریک رہے ہیں اور آج تک ہمیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ
 کسی نے بھی ذریت وارانہ نقطہ نظر سے اس کو مفریقاً قابل اعتراض
 سمجھا ہو، میں یہاں ایک بات اور واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ
 جماعتِ اسلامی کی تحریک ایک دینی تحریک کی حیثیت سے عام
 ہندوستان میں متواتر ہے، اس لیے اگر کچھ لوگ اس کے

سالانہ اجتماع کے سلسلے میں کسی غلط فہمی یا ناقابلت اندازشی کی بنابر کوئی رکاوٹ ڈالنا چاہتے ہیں تو انہیں اس سے پہلے یہ اچھی طرح سوچ لینا چاہئے کہ اس کا اثر عام لوگوں اور بالخصوص مسلمانوں کے لیے انتہائی اضطراب اور مایوسی کا باعث ہو گا۔ یہ بات شاید آپ کو علوم نہیں کہ ہمارے اجتماع میں شریک ہونے والوں کے بارے میں جو اطلاعات موصول ہو رہی ہیں، ان میں ایک معتمدہ تعداد غیر مسلموں کی بھی ہے۔

خود رامپور میں نہ صرف مسلمانوں کا بلکہ غیر مسلموں کا بھی نام سمجھیرہ و صاحب فکر طبقہ جماعت سے اچھی طرح واقفیت رکھتا ہے، اور جہاں تک ہم نے اندازہ کیا ہے، وہ رامپور میں اجتماع منعقد ہونے پر بہت خوش اور منتظر ہے، اس لیے مجھے تو آپ کے اس شذرہ ہی پر بڑا تعجب ہے کہ آپ نے ان کے جذبات کی پرواہ یہی نبیر کس طرزِ یہاں اجتماع منعقد کیے جانے پر اپنی ناپسندیدگی کا انٹھا رکھا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اسے تمام لوگوں کے لیے آپ ہو ٹھیک تعجب انگیز ثابت ہوا ہو گا۔ میں آخر میں یہ بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ہم نے اجتماع کے لیے رامپور کو کیوں منتخب کیا ہے؟ رامپور کے بارے میں ہمارا یہ خیال ہے، جس سے کسی شخص کو انکار نہیں ہو سکتا کہ دیگر مقامات کے مقابلے میں یہاں ہندو مسلم تعلقات ہمیشہ سے خوشنگوار اور شنگفتہ رہے ہیں اور قدرتی طور پر

ہماری دعوت کے لیے ایسا ہی ماحول زیادہ سازگار ہوتا ہے۔“
ان روزناموں نے جن خیالات کا انھار کیا تھا، ان کو خود شہر کے تعلیم یافتہ
اور سبجدیدہ حلقوں میں بھی ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا۔ چنانچہ کچھ ہی دنوں کے
بعد مندرجہ ذیل مراہلہ اخبار میں طبقہ کی طرف سے شائع ہوا:-

”کچھ عرصہ ہوا مقامی اخبارات نے مشورہ دیا تھا کہ رامپور میں
جماعت اسلامی کا سالانہ اجتماع نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ ہر دو کی رائے
میں یہ اجتماع مسلمانانِ رامپور کے لیے مضر ہو سکتا ہے، میں نے بنخود
ان مشوروں پر غور کیا، دوسروں سے تبادلہ خیالات کیا، اکثر صاحب آراء
ہستیوں کی رائے بھی معلوم کی، مگر ہم میں سے کوئی بھی اخبارات سے
اتفاق نہ ہو سکا۔

اس کے بعد ہم نے ایک جمیعتی اسی جماعت بنانے کے لیے عام رجحانات و
تاثرات معلوم کرنے کے لیے عوام و خواص سے سرسری ملاقاتیں کیں تو
کسی فرد واحد کو بھی اجتماع سے اختلاف کرتے نہیں پایا اور تقریباً
ہر فرد نے اخبارات کے مشورہ کو حیرت کی نظر سے دیکھا۔ اکثر لوگوں نے
اصرار کیا کہ ان کے تاثرات کو اخبار میں شائع کر دیا جائے کہ ہم اجتماع
کی ناید و حمایت ہیں ہیں۔“ آغاز۔ ۱۹ اپریل ۱۹۴۸ء

ان باتوں کے سامنے آجائے کے بعد ایک اخبار کا روایت تو بالکل بدل گیا اور
اس نے مخالفت ترک کر دی لیکن دوسرے اخبار نے چند روز کی خاموشی کے بعد ایک
دوسرے مخالفہ نشر کیا جس میں چند محلوں کی نشاندہی کے ساتھ یہ اطلاع شائع

گئی کہ اس محلے کے لوگ اجتماع کی مخالفت پر آمادہ ہیں۔ مگر ایک اور معزز شہری نے مذکورہ مراسلہ کے جواب میں دوسرے ہی دن مراسلہ شائع کیا کہ :

”جو اطلاع بہم پہنچائی گئی وہ سخت گماہ کن اور ترقہ انگریز ہے“

اور جواطلاءات فراہم کی گئی ہیں وہ سرے سے بے بنیاد ہیں۔“

آغاز - ۲۱ اپریل ۱۹۴۸ء

ان اطلاعات و مراسلات سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ مقامی طور پر رائے عامہ اجتماع کے حق میں ہے اور جماعت کو جواطلاءات ملی تھیں وہ بالکل صحیح تھیں لیکن اس کے باوجود ایک مخصوص گروہ جس کا رشتہ عام طور سے باثر حلقوں اور شخصیتوں سے والبت سمجھا جاتا ہے آخر دن تنک مخالفت کرتا رہا اور اس مخالفت نے بعض ایسی شکلیں اختیار کر لیں جن سے ہمارے مقامی رفقا کو ذہنی و مالی حیثیتوں سے کافی اذیت اور نفعمان اٹھانا پڑا جس کا سلسلہ اب بھی جاری ہے اور اسی دوران میں ایک دوسرے طبقہ نے مذہب کی بنیاد پر بھی جماعت کے خلاف کافی پروپیگنڈہ کیا اور فتوی منگوا منگو اکرشانگی کیے۔ کچھ باہر کے مذہب کے طبیک داروں نے بھی اس پروپیگنڈہ کو مک پہنچائی اور ان سب کا مقصود یہ تھا کہ ہمیں اجتماع ملتی کرنے پر محروم کر دیا جائے۔ یا اگر اجتماع ہوتونا کام رہے، لیکن اللہ کا شکر ہے کہ ان مخالفتوں کے باوجود اجماع کی تiarیاں سکون کے ساتھ جاری رہیں، تا انکہ اجتماع کا وقت آگیا اور الحمد للہ کہ ان مخالفتوں کے باوجود وہ نہایت پرسکون فنا میں منعقد رہوا، اور تو قع سے کہیں زیادہ کامیاب رہا۔

رفقاً چونکہ ایک مدت سے کل ہند اجتماع کی صورت کا شدت سے احساس

کر رہے تھے، اس لیے حالات کی ناسازگاری اور معاشری پریشانیوں کے باوجود بڑی تعداد میں شریک اجتماع ہوتے۔ ان کی حلف واری تعداد حسب ذیل ہے:-

الہ آباد	کانپور	بنارس	بہار	
۳۶	۴۰	۱۱۳	۸۳	
بارہ بنکی	کھنٹو	دہلی	جیدر آباد	
۳۱	۶۳	۳۷	۲۱	
کلکتہ	رام پور	شاہ جہاں پور	راجستھان	
۹	۵۸	۷۰	۳۱۹	
کشمیر	بھوپال	بیمی	جنوبی ہند	
۲	۳۹	۱۸	۸	

۱۹۔ اپریل ۱۹۴۷ء تک ملک کے مختلف گوئشوں سے تقریباً ۹۰۰ ارکان، ہمدردانہ، تاثرین وغیرہ مسلم حضرات رام پور پہنچ چکے تھے اور ۲۰۔ اپریل کو، ہمارے جب پہلی نشست کی کارروائی شروع ہوئی تو شرکار کی تعداد ۱۳۰۔ تک پہنچ چکی تھی۔

۲۰۔ اپریل کی صبح کو بعد نماز فجر درس قرآن ہوا۔ سب سے پہلے قاری عبدالواحد صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں سورہ بقرہ کی آیات **إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ هُمُّ الْمُتَّقُونَ** تک (رکوع ۲۱-۲۲) کی تلاوت کی۔ اس کے بعد مولانا صدر الدین صاحب اصلاحی نے ان آیات کی وضاحت فرمائی۔ جس میں اپنے فرمایا کہ شہادت حق ایک اہم فریضہ ہے جس کے لیے گذشتہ انبیاء کی امتیں اٹھائی جاتی رہیں۔ لیکن جب

انہوں نے اس فرض کی ادائگی میں عملًا و قولاً کوتا ہی دکھائی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون عدل کے تحت اس منصب پر مسلمانوں کو لاکھڑا کیا، اس لیے ان کی زندگی کا اہم فرضیہ شہادتِ حق ہے اور شہادتِ حق کا اصل مطلب یہ ہے کہ آدمی دنیا میں خدا کے قانون کو برپا کرنے کے لیے عملًا و قولاً جدوجہد کر سے، کیونکہ تمام تقویٰ و خشیت الہی، عبادات و اذکار و نماقش کا حقیقی معیار یہی ہے۔ تفسیر کا سلسلہ تقریباً نصف گھنٹہ جاری رہا۔ اس کے بعد ناشستہ وغیرہ سے فاغت کے بعد اجتماع کی پہلی نشست ملکہ بنجے تزروع ہوئی۔

ن شمسٰت اول (جمعہ) ۲۰ اپریل ۱۹۵۴ء

کارروائی قاری عبد الواحد صاحب کی قرائت سے تزروع ہوئی، حاضرین ملکون اور محبویت کے عالم میں بیٹھے ہوئے خاموش سن رہے تھے۔ قرأت کے بعد امیر جماعت اسلامی ہند نے افتتاحی خطاب فرمایا جو درج ذیل ہے :-

خطبہ مسنونہ کے بعد

محترم حاضرین و رفقاؤ جماعت!

میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ ایک مدت کے بعد ہماری یہ دیرینہ تمثیل پوری ہو رہی ہے کہ جو رفقاً ارملک کے گوشوں میں کام کرتے رہے ہیں وہ ایک جگہ جمع ہو سکیں۔ تفہیم کے بعد جب سے علیحدہ نظم جماعت قائم ہوا ہے اس وقت سے رفقاً کا اصرار تھا اور جماعتی ضروریات کے تحت اس کی صورت بھی تھی کہ کل ہند اجتماع منعقد کیا جائے۔ اول تو یہ ایک فطری بات ہے کہ جو لوگ

ایک مقصد کے لیے کام کر رہے ہیں وہ ایک دوسرے سے ملنے اور تبادلہ خیالات کرنے کے مشتاق و متمنی ہوں اور دوسرے جماعت اسلامی جو اجتماعی کام کرنا چاہتی ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ کام کرنے والوں میں باہمی اشتراک و تعاون کا جذبہ زیادہ سے زیادہ کار فرما ہو، کیونکہ جب تک بھی ہم آہنگی اور پوری یک جتنی نہ ہو اس وقت تک کسی پروگرام کو پروٹئے کار نہیں لایا جاسکتا اور یہ غالباً ہر ہے کہ اس کے لیے اجتماع کتنا اہم اور ضروری ہے۔

لیکن بد قسمتی سے تقسیم کے بعد ملکی حالات پچھا لیتے رہے ہیں کہ ان کی بنار پر آج سے پہلے کل ہند اجتماع کا انعقاد ممکن نہیں ہو سکا۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے تقسیم کے ساتھ ہی ملک میں فسادات کا ایک دور شروع ہو گیا تھا جو کافی عرصہ تک جاری رہا۔ وہ زمانہ کسی ایسے اجتماع کے لیے کسی طرح سازگار نہیں تھا جس میں تمام ہندوستان کے رفقاء جمع ہو کر شریک ہو سکیں، وہ وقت الگ موزوں تھا تو صرف اس بات کے لیے کہ جن کے قلوب مردہ نہیں ہو چکے اگر ان میں جرأت و ہمت کی کمی ہے تو اپنے ٹھوڑوں میں بیٹھ کر انسانیت کا ماتم کریں یا الگ پانے اندر ہمت و جرأت پاتے ہیں تو ٹھوڑوں سے نکل کر فسادات کو دور کرنے کی کوشش کریں۔

اس کے بعد خدا کر کے یہ دور ختم ہوا لیکن اس کے ختم ہونے کے بعد بھی حالات اجتماع کے لیے ناسازگار ہی رہے، کیونکہ فسادات کے دوران میں جو اشتغال اور عض्तہ غیر مسلموں کے دلوں میں پیدا ہو گیا تھا وہ ہنوز باقی تھا اور اس کی بنا پر ہر طرح کے مسلمان قسم کے شکوک اور بد مگانی کی نگاہ سے دیکھ جائے تھے اور اس کے ساتھ ان فسادات نے مسلمانوں کو بھی ایک خاص طرح کے

خوف وہر اس میں مبتلا کر دیا تھا جس کی بناء پر وہ خود بھی مسلمانوں کے کسی اجتماع کو خطرہ کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس کو سخت ناپسندیدہ سمجھتے تھے
 جماعت اسلامی جس طرح کے اجتماعات کرتی ہے اور ان میں جو پیغام یاد دعوت پیش کرتی ہے اس کے لحاظ سے ہمیں خود نہ کسی قسم کا خطرہ محسوس ہو رہا تھا اور نہ کسی اندیشہ کی ہمارے دل میں جگہ تھی۔ بلکہ ان حالات میں اجماع کی بیش از بیش ضرورت محسوس کر رہے تھے۔ کیونکہ ہمارا خیال یہ تھا کہ ہمارے اجتماع اور ہماری دعوت ان حالات میں خوشگوار تبدیلیوں کا باعث ہو گی لیکن اس وقت ہرچہار طرف سے جو دشواریاں کسی کل ہند اجتماع کے سلسلہ میں پیش آئکی تھیں ان پر قابو پانا ہمارے لیے کوئی آسان بات نہیں تھی۔ اس لیے مجبوراً ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر فی الحال کل ہند اجماع ممکن نہیں ہے تو اس کا مقصد حلقہ وار اجتماعات کے ذریعہ حاصل کیا جائے، چنانچہ اس کا ایک وسیع پروگرام تیار کیا گیا اور اللہ کا شکر ہے کہ طرح طرح کے مواعن کے باوجود جو زیادہ تر مسلمانوں کے خوف وہر اس اور ان کی شکست خورde ذہنیت کا نتیجہ تھے، ہم ان کے منعکرد کرنے میں کامیاب ہوئے اور ان سے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے اور یہ خدشہ بھی غلط ثابت ہوا کہ ہمارے کسی اجماع سے مسلمانوں کے لیے کوئی خطرہ پیش آسکتا ہے، یا حکام کے شک و شبہ میں اضافہ کا امکان ہے۔

لیکن جو ہمہ گیر فوائد کل ہند اجتماع سے حاصل ہوتے ہیں ظاہر ہے وہ حلقہ وار اجتماعات سے حاصل نہیں ہو سکتے تھے۔ اس لیے رفقاء کے تقاضوں اور ضروریاتِ جماعت کو دیکھتے ہوئے جو کہیں بھی محسوس ہوا کل ہند اجماع کے لیے حالات پچھو سازگار

ہو گئے ہیں۔ ہم نے گذشتہ سال اس مہینہ میں کل ہند اجتماع کرنے کا فیصلہ کر لیا جس کا اعلان بھی کیا جا چکا تھا لیکن ابھی ہندوستان کی بد قسمتی ختم ہنسی ہوئی تھی۔ عین اسی زمانے میں خود یو۔ پی میں فسادات کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو گیا جس کا سب سے زیادہ زور ہمارے قرب و جوار کے اضلاع میں تھا اور ان مناذد وہ علاقوں کے کچھ لوگ بطور پناہ گزیں رام پور میں بھی منتقل ہو گئے تھے جن کی طرف مرکز کو متوجہ ہونا پڑا اس لیے تمام تیاریاں مکمل ہونے کے باوجود بھی اجتماع کو ملتوی کرنا پڑا۔ لیکن الحمد للہ کہ فسادات کا یہ دور زیادہ طویل نہ ہو سکا۔ حالات جلد اعتدال پر آگئے اس لیے ہم نے اس سال دوبارہ اللہ کا نام لے کر زیادہ مضبوطی اور سختگی کے ساتھ یہ فیصلہ کیا کہ کل ہند اجتماع جواب تک ملتوی ہوتا چلا اکرم ہے اس سال ضرور کیا جائے اور اس وقت میرا دل اللہ کے فضل کے احساس سے بہریز ہے کہ اس نے اس اجتماع کے انقاد کے لیے حالات کو ہمارے لیے سازگار بنادیا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس سال اس اجتماع کرنے میں ہمیں کسی طرح کی دشواری یا رکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑتا ہے۔ آپ کو یہ سن کر تعجب ہو گا اور افسوس بھی کہ اس سال بھی جب کل ہند اجتماع کا اعلان کیا گیا تو ہمیں مقامی طور سے طرح طرح کی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ حکام کو طرح طرح کی بدگانیاں ہوئیں اور رکاوٹیں ڈالی گئیں اور اسی طرح خود مسلمانوں کے ایک طبقہ کو بھی چند اندریشوں کے تحت یہاں را پور میں اجتماع منعقد کیے جانے پر اعتراض ہوا لیکن خدا کا بڑا افضل ہے کہ یہ بدگانیاں اور اندریشے بڑی حد تک رفع ہو چکے ہیں تاہم اب بھی کچھ حضرات ایسے موجود ہیں جو

دیگر وجہ کے ماتحت ہماری مخالفت پر آمادہ ہیں۔ مجھے توقع تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خود سمجھ بوجھ عطا فرمائے گا کہ وہ ہماری مخالفت میں کسی ناشائستہ حرکت کا ارتکاب نہ کریں، لیکن یہ ناممکن نہیں ہے کہ وہ اس اجتماع میں خلل ڈالنے کی کوشش کریں۔ اگر ایسا ہوا تو بلاشبہ ہیں اس پر افسوس ہو گا لیکن چونکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ جو پیش آتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیش آتا ہے اور اس میں کوئی نہ کوئی پہلو خیر ہی کا ہوتا ہے۔ اس لیے اس صورتِ حال کے استقبال کے لیے بھی آپ کو تیار رہنا چاہئے ممکن ہے اللہ تعالیٰ ہمارے مخالفین کے دلوں میں اس طرح کا خیال ڈال کر ہماری سیرت و کردار کی جاپنخ کے لیے ایک موقع فراہم کرنا چاہتا ہو تاکہ لوگ دیکھ سکیں کہ جب ہم پر ظلم و ستم ڈھایا جا رہا ہو تو اس وقت ہم کی ساطر ز عمل اختیار کرتے ہیں اور اس طرح اس شرستے بھی خیر کا پہلو نکل آسکتا ہے۔ میں اس سلسلہ میں آپ کو منتہی کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کا رویہ ایسے موقع پر عفesa اور حسنجھلا ہٹ کا نہیں ہونا چلے ہے بلکہ اس کی بجائے آپ کو صبر و ضبط عفو درگذرا فدر برداری سے کام لینا چاہئے۔ مخالفین کی طرف سے جو کچھ بھی پیش آئے اُسے خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیجیے اور ان کا شکوہ کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ سے اپنی عفو و مغفرت اور استقامت و ثابت قدمی کی دعا کیجیے۔ آپ کا یہ رویہ خود مخالفین کے لیے تازیہ اور عترت ثابت ہو گا۔ اور ہو سکتا ہے اس کے بعد ان پر راہ صواب واضح ہو جائے اور وہ خود بخود اپنی مخالفتوں سے باز آ جائیں۔ آپ دین کا کام کرنے کے لیے آمادہ ہوئے ہیں اور اس کام میں اس طرح کی مخالفتوں کا پیش آنا کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کام کے

سلسلہ میں دین کے حقیقی خادموں اور علم برداروں کے اُسوہ حسنہ کو سامنے رکھا جائے۔ آپ کو معلوم ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغِ دین کے لیے طائف تشریف لے گئے تھے تو اس وقت مخالفین نے آپ کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا تھا۔ آپ کی ہنسی اُڑانی گئی۔ آپ کے جسم اطہر پر پھروں کی بارش کی گئی بیہان تک کہ آپ کا پورا جسم مبارک ہو ہیا تھا اور وہ دن آپ کے لیے اتنا سخت ثابت ہوا تھا کہ اس پر طویل زمانہ گزرنے کے بعد بھی آپ نے ایک موقع پر اس دن کا تذکرہ ایک سخت دن کے نام سے کیا۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے جو کچھ پیش آیا خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیا اور اس ظلم و ستم کے مقابلہ میں اگر آپ کی زیان مبارک سے ان کے حق میں کوئی کلمہ نکلا بھی تو وہ یہ نکلا کہ :

اللَّهُمَّ اهْدِ قَوْمٍ فَإِنْهُمْ
كَيْوَنَكَوْهْ عَلَمْ نَهِيْسْ رَكْتَهْ.
لَا يَعْلَمُونَ۔

اسی طرح قرآن مجید میں ایک موقع پر حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کی سرگزشت سننا گئی ہے جن میں سے ایک کا حال یہ تھا کہ جب اس کی قربانی اس کی نیت کی کھوٹ کی وجہ سے قبول نہیں ہوئی اور دوسرے بھائی کی قبول کرنی گئی تو وہ رشک وحدت سے جل اُٹھا اور اس نے اپنے بھائی کو قتل کر دینے کا ارادہ کر لیا۔ لیکن اس کے مقابلہ میں دوسرے بھائی کا روتی یہ تھا کہ اس حالت میں بھی ان کے دل میں بھائی کے خلاف کوئی عفتہ پیدا نہ ہوا۔ اس موقع پر بھی انھوں نے کچھ کہا تو یہ تھا:

لَئِنْ لَبَسَتَ إِلَيْهِ يَدَكَ
لِتُقْتَلَنِي مَا أَنَا بِسِطٍ
يَدِي إِلَيْكَ لَا قُتْلَكَ
إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ سَرَّبَ
الْعَالَمِينَ.

اگر تو مجھ پر میرے قتل کرنے کے لیے دست درازی کرے گا تو میں تجھے قتل کرنے کے لیے تجھ پر ماتھ اٹھانے والا نہیں ہوں۔ میں اللہ سے ڈزننا ہوں جو کائنات کا رب ہے۔

ہمارا طرز عمل بھی اپنے مخالفین کے مقابلہ میں کیہی ہونا چاہیے۔ اس سے آپ کے اخلاق میں بلندی پیدا ہو گی اور اس طرح یہ مخالفین اور مزاحمتیں آپ کی تغیری اخلاق میں بڑی معاون ثابت ہوں گی۔

بہر حال یہ ایک ضمیمی بات درمیان میں آگئی ہے۔ مہیں اور آپ کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ طرح طرح کی مخالفتوں اور مزاحمتوں کے باوجود اس نے کچھ ہمیں یہاں جمع ہونے کا موقع عنایت فرمایا۔ قدر قی طور پر اس موقع کے میسر آنے پر آپ کو بھی مسرت محسوس ہوتی ہو گی کیونکہ تقسیم کے بعد یہ پہلا موقع ہے کہ نہ دشمن کے تقسیماً تمام حصوں کے رفقاء یک جا ہوئے ہیں اور میرا دل بھی مسرت سے لبریز ہے۔ کیونکہ حقیقتاً میرے لیے سب سے مسرت بخش لمحو وہ ہوتا ہے جب رفقاء کار سے ملاقات ہوا اور جب کہ اتنے رفقاء سے ملاقات کا موقع میسر آ رہا ہے جن سے یکجاں ملاقات معلوم نہیں پھر کب ہو سکے گی اور ان میں سے کتنوں سے بعد کو بھی کوئی انفرادی ملاقات کا موقع حاصل ہو سکے گا یا نہیں، میری مسرت کا اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن میں صدورت محسوس کرتا ہوں کہ اس موقع پر آپ کو توجہ دلوں کے ہر حینہ ہم خیال اور ہم مقصد لوگوں سے ملنا ایک مسرت بخش موقع ہوتا ہے۔

اور اس موقع پر مسروت محسوس کرنا ایک بالکل فطری بات ہے لیکن ہر چیز کی طرح اس کی بھی ایک حد ہے۔ اگر یہ اس حد سے تجاوز کر جائے تو یہی چیز بجائے محمود ہونے کے نذور بن سکتی ہے۔ عرصے کے بچپڑے ہوئے لوگ آج مل رہے ہیں اس لیے دل کھول کر بیٹھیے اور مل کر جس قدر بھی خوش ہو سکتے ہوں خوش ہو جیئے۔ لیکن اس مسروت اور خوشی میں اس بات کو بھول نہ جائیے کہ آپ کا طول طویل سفر کر کے یہاں جمع ہونا اور ملنے اجلنا کسی غرض اور مقصد کے لیے ہے۔ آپ کے یہاں جمع ہونے کی سب سے پہلی غرض یہ ہے کہ رفقا، ایک دوسرے سے متعارف ہوں تاکہ ان میں محبت، یک جہتی اور باہمی تعاون و اشتراک کے جذبات پیدا ہو سکیں جو اس کام کے لیے ضروری ہے۔ اس غرض کے لیے آپ کو ایک دوسرے سے ضرور ملاقاتیں کرنی چاہیں۔ بلکہ اجتماعات کے پروگرام سے جو فارغ الحقات آپ کو مدیر ایم ان کو اسی کام میں صرف کرنا پڑا ہے۔ لیکن مقصود یہ غرض ہونی چاہیے کہ محض گپ شپ اور لائینی گفتگویں جو نہ صرف یہ کمیکنہیں ہو سکتیں بلکہ اٹلی مضر اور ضیاع وقت کا باعث ہوں گی۔ دوسری غرض اس اجتماع کی یہ ہے کہ آپ اس بات کا جائزہ لے سکیں کہ مختلف موقع پر آپ کے رفقاء کیا اور کس طرح کام کر رہے ہیں اور ان کے موقع و مشکلات کیا ہیں تاکہ آپ تمام صورت حالات کو سامنے رکھ کر یہ فیصلے کر سکیں کہ آپ کو آئندہ کیا اور کس طرح کام کرنے کی ضرورت ہے۔

اس غرض کے لیے دو باتوں کا آپ کو خاص طور سے اہتمام کرنا ہو گا۔ پہلی بات یہ کہ اوقات کی آپ پوری پوری پابندی کریں، کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے ہونے جائگئے اور نماز اور اجتماع کے لیے جو اوقات مقرر کیے گئے ہیں ان کی نتیجت سے

پابندی ہونی چاہیے ورنہ لامحار اس کا اثر آپ کے عام پروگرام پر پڑے گا۔ اور جو بہت سے ضروری کام ان چند دنوں میں آپ کو انجام دینا ہیں وہ وقت پر انجام نہیں پاسکیں گے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ آپ ہر کارروائی میں پورے ذوق و شوق اور توجہ و اہمک کے ساتھ حصہ لیں، خاص طور پر دوسری عرض کے تحت جو پروگرام ہو گا اس میں صرف ہمارے رفقار کار کو دل چسپی ہو سکتی ہے دوسرے لوگوں کے لیے جن کا جماعت کے کاموں سے کوئی خاص تعلق نہیں ہے ان کو وہ پروگرام بڑا خشک اور بد مزا معلوم ہو گا۔ اگر خدا نخواستہ آپ لوگوں کی دلچسپی بھی اس کے ساتھ ویسی نہیں ہوئی جیسی ہوئی چاہیے تو اس کا مطلب صرف یہی ہو گا کہ ابھی کام کے ساتھ آپ کو پورا پورا لگا و پیدا نہیں ہوا ہے۔

تیسرا عرض اس اجتماع کی یہ ہے کہ آپ اپنی دعوت دوسرے لوگوں تک پہنچا سکیں۔ اسی عرض کے لیے خصوصی اجتماعات کے ساتھ اجتماعِ عام بھی کیا جاتا ہے جس میں مسلم اور غیر مسلم ہر طرح کے لوگوں کو شرکت کی دعوت دی جاتی ہے اور اس سال اس عرض کی اہمیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے دو دن خطابِ عام کے لیے رکھے گئے ہیں اور یہم توقع کرتے ہیں کہ ان دو دنوں کے پروگرام کے ذریعہ یہم اپنی دعوت بہت کچھ نئے لوگوں تک پہنچا سکیں گے لیکن یہ بات آپ کے پیش نظر رہنی چاہیے کہ اس مقصد کے لیے اجتماعِ عام کے پروگرام ہی کافی نہیں ہیں۔ آپ کی دعوت کے لیے شمار اور نہایت وسیع گوشے ہیں جن کی توضیح و تفصیل کے لیے دو دن کے اجتماعات کافی نہیں ہو سکتے۔ جو باتیں ان میں پیش ہوں گی ان کے علاوہ بھی

بہت سی باتیں ایسی ہو سکتی ہیں جن کے پیش کرنے کی ضرورت ہو اور آپ کے اس اجتماع میں بہت سے لوگ ایسے ہو سکتے ہیں جو کچھ خاص طرح کے اشکالات یا شکوک و شبہات رکھتے ہوں جن سے تعریض کا ممکن ہے اجتماعات کی تغیریوں میں موقعہ نہ مل سکے۔ اس لیے آپ لوگ صرف اجتماعی عام کے پروگرام پر اعتماد کر کے اپنے تبلیغ و دعوت کے فریبہ میں کوتا ہی نہ کریں۔ آپ لوگ ایسے لوگوں کی تلاش کر کر کے ان کے پاس پہنچنے کی کوشش کریں اور ان کو پوری توجہ اور نرمی و دل سوزی کے ساتھ اپنی باتیں سمجھانے کی کوشش کریں ہو سکتا ہے کہ اس کوشش کے دوران میں آپ لوگوں کا سابقہ ایسے لوگوں سے پیش آئے جو ان میں ناواقفیت یا کسی بدگمانی کی وجہ سے آپ کے ساتھ کوئی دل آزاری کا روایہ اختیار کریں۔ ایسے لوگوں کے طرز عمل سے آپ لوگوں کو متاثر نہیں ہونا چاہیے بلکہ پورے سکون و اطمینان کے ساتھ ان کی پوری باتیں سُننی چاہیں اور پھر پوری ملاطفت کے ساتھ ان کے شکوک و اعتراضات کو رفع کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگ محض آپ کو پھیلنے کے لیے کچھ سوالات کریں۔ ایسے لوگوں کی اس نیت کا اندازہ کر لینے کے بعد ان کے ساتھ درگذر سے کام لیں اور خواہ مخواہ بحث و مباحثہ میں نہ لجھیں۔

بہرحال یہ موقع اپنی دعوت سے لوگوں کو روشناس کرنے، جو پہلے سے کچھ واقف ہیں ان کی واقفیت کو زیادہ کرنے اور جو شکوک و شبہات میں بتلا ہیں، ان کے شکوک و شبہات کو دُور کرنے کے لیے ایک نہایت عمدہ موقع ہے، اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ لیکن یہاں میں آپ کو توجہ دلانی چاہتا ہوں کہ دعوت بلاشبہ زبانی بھی دی جا سکتی ہے۔ لیکن حقیقی اور موثر دعوت عمل ہی

کے ذریعہ ممکن ہے۔ آج جو نئے لوگ یہاں تحقیق کی غرض سے آئے ہوئے ہیں، وہ اس لیے نہیں آئے ہیں کہ وہ آپ کی زبانی کچھ نئی باتیں سنیں گے۔ آپ جو باتیں پیش کرتے ہیں وہ نئی باتیں نہیں ہیں اور ممکن ہے ان میں سے کتنے ایسے ہوں جو ان باتوں سے آپ سے بہتر طور سے خود واقف ہوں یا آپ سے بہتر بیان کرنے والوں کی زبانی انہوں نے سنی ہوں۔ ان کے یہاں آنے کا زیادہ تر مقصد یہ ہے کہ وہ آپ کے اجتماع میں شریک ہو کر یہ دلکھیں کہ آپ جو اونچی اونچی باتیں کرتے ہیں آپ اپنے الفزادي یا اجتماعی عمل کا کیا نمونہ رکھتے ہیں۔ اور وہ کہاں تک آپ کی باتوں کے مطابق ہے۔ اچھی اور اونچی باتیں اس زمانہ میں کوئی نایاب چیز نہیں ہیں۔ البتہ حسن عمل ایک ضرور کیا جائے اور نایاب چیز ہے۔ اور دنیا کو حقیقتاً اس کی تلاش ہے۔ اگر آپ نے سب کچھ کریا لیکن اپنے عمل کا کوئی اچھا نمونہ آپ پیش نہ کر سکے تو صرف یہی نہیں کہ آپ کی دعوت موثر نہیں ہو سکے گی بلکہ اندیشہ ہے آپ لوگوں کے لیے دین اور دینی کا مسے تنفس کا باعث نہ بن جائیں اور یقیناً یہ معاملہ بڑا ہی سخت اور قابلِ توجہ ہے۔

اس سلسلہ کی بنیادی بات یہ ہے اور یہی درحقیقت آپ کے کام کا اصل لامول ہے کہ آپ میں تقویٰ اور خشیت الہی اس حد تک ہوئی چاہیے کہ اس کا اثر آپ کے ہر قول و عمل سے نایاب طور سے محسوس کیا جاسکے۔ اس عرض کے لیے آپ کو ہر ہر قدم پر احتساب کرنا چاہیے کہ آپ اس اصل کو کہاں تک ملحوظ رکھ رہے ہیں اور اس احتساب کا سب سے بہتر فریعہ نماز ہے۔ میرا خیال ہے کہ اگر تقویٰ و خشیت الہی کی یہ کیفیت حاصل کرنے اور اس کو برقرار رکھنے کی کوشش کی جائے تو اس کے کم ازکم نتائج یہ ہوں گے:-
۱۔ آپ اپنا وقت بے کار یا لا لیعنی بات چیت میں صرف کرنے سے احتراز کریں گے

- کیونکہ وقت بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے جس کے سلسلہ میں ہر انسان کو جو ابد ہی کرنی ہوگی کہ اسے اس نے کس کام میں صرف کیا ہے۔
- آپ اپنی زبان کو عنیت اور بدگوئی سے محفوظ رکھیں گے کیونکہ زبان جو کچھ تراشنا ہے اس کا بھی ہمیں لامحال حساب دینا ہے۔
- آپ کو شش کریں گے کہ آپ کا کوئی فعل ہے وجد کسی کی ایذا کا باعث نہ بنے بلکہ آپ دوسروں کی خدمت و اعانت کرنا اپنا فرض سمجھیں گے کیونکہ یہ چیز خدا کی ناراضگی سے بچنے اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کا بڑا ذریعہ ہے۔
- آپ دوسروں کی اصلاح میں شوق و لمحچی سے حصہ لیں گے کیونکہ یہ چیز آخرت کی زندگی میں آپ کے لیے کار آمد ہو سکتی ہے۔
- اور آپ خود اپنی اصلاح پر آمادہ ہوں گے اور اس سلسلہ میں دوسروں کی نصیحت کو بغیر کوئی ناگواری محسوس کیے ہوئے دل سے قبول کریں گے اور اس کے شکر گذار ہوں گے۔ بہر حال تقویٰ دین کی جانب ہے، الگم اور آپ اس کو پانے میں کامیاب ہوں گے تو یقیناً ہمارے اس اجتماع سے خوب رکٹ کا طہور ہو گا اور ہم اپنے مقاصد میں کامیاب ہوں گے۔ لیکن اگر خدا نخواست سب کچھ سہا لیکن تقویٰ کی اصل روح کو ہم بقدرو سمعت ملحوظ نہیں رکھ سکے تو آپ کا یہ زحمتیں اور مشقتیں اٹھا کر آتا اور آپ کا یہ سارا نظم و انفرام بالکل بے کار نبات ہو گا اور اس کا کچھ حاصل نہیں ہو گا۔
- دوسری بات جس کی طرف مجھے اس سلسلہ میں آپ کو توجہ دلاتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ کی ایک خاص خصوصیت جو آپ کو عام مسلمانوں سے متاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ

اپ نے اپنے کو ایک اجتماعیت کے شیرازہ میں منسلک کیا ہے۔ اپ الفزادی طور سے اپنی اصلاح کرنے اور اپنے اعمال کو شریعت کے قاب میں ڈھانے کی جدوجہد کے ساتھ یہ بھی چاہتے ہیں کہ آپ کی زندگی ایک نظم جماعت کی ماتحتی میں گذرے۔ یہ چیز ضروری ہونے کے ساتھ کچھ نئی بھی نہیں ہے لیکن بد قسمتی سے مسلمانوں کی اس طرف کوئی توجہ نہیں ہے اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اس موقع پر آپ کی جماعتی زندگی کی خصوصیات نمایاں طور سے سامنے آسکیں۔ اپ نے جب طاعت امر اور نظم جماعت کی پابندی کا عہد خود اپنی مرثی سے کیا ہے تو آپ کو اپنی ہر چیز میں اس کی پوری پوری پابندی کرنی چاہیے۔ ویسے سمع و طاعت کے بارے میں میں عام طور سے اپنے رفقاء کے بارے میں خوش گمان ہوں لیکن واقعہ یہ ہے کہ عام حالات میں اس کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے نہ صرف میرے لیے بلکہ خود آپ کے لیے بھی۔ اس کی صحیح حیثیت اس وقت نمایاں ہو سکتی ہے جب انسان کو کوئی مشکل پیش آئے یا اپنی مرثی اور پسند کے خلاف کچھ باتیں کرنی پڑیں۔ اور یہ اجتماع کا موقع بھی اسی طرح کا ایک موقع ہے۔ اجماع کے سلسلے کے یہ تمام انتظامات جو آپ کے سامنے ہیں آپ ہی لوگوں کے اعتماد پر شروع کیے گئے ہیں۔ ان کو قائم کرنا اور برقرار رکھنا یہ آپ لوگوں کی ذرداری ہے۔ ممکن ہے اس کے سلسلے میں آپ لوگوں کو اپنی ہر طرح کی راحت و آسائش کو قربان کرنا پڑے اور رات دن کے اوقات میں آپ لوگوں کو خشوری دیر سونے کا بھی موقع نہ مل سکے۔ میں توقع رکھتا ہوں کہ آپ لوگ اس طرح کی تکلیفیں خوشی کے ساتھ گوارا کریں گے اور جو کام جس شخص کے سپرد کر دیا جائے اسے وہ پورے انہاں اور مستعدی کے ساتھ انجام دے گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ

اپ لوگوں کو انتظامات کے ضمن میں بعض ایسی خدمات بھی انجام دینی پڑیں جن کو عام طور سے حقارت اور ذلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے لیکن عزت و ذلت کا عام پیمانہ آپ کے سامنے نہیں ہونا چاہیے۔ آپ ہر اس کام کو عزت کا کام بھیں جو دین کے اعزاز اور خدا کی خوشنودی کے حصول کے لیے کیا جائے، خواہ وہ عام بگاہوں میں کتنا ہی ذلیل کام کیوں نہ ہو، بندے کی عزت اس سے بڑھ کر اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ وہ ذلیل سے ذلیل کام کر کے بھی خدا کی خوشنودی حاصل کر سکے۔

اس کے بعد اس سلسلہ کی آخری بات میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ وقت ملک کے لیے، مسلمانوں کے لیے اور آپ کی جماعت کے لیے بہت نازک وقت ہے ان میں سے ہر ایک کو طرح طرح کی مشکلات اور زحمیں درپیش ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے سلسلہ میں آپ پر بھاری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جس کا ادکنا بہر حال ضروری ہے لیکن یہ ظاہری کوئی سہارا نہیں ہے۔ آپ کو کلیتی "خدا پر اعتماد کرنا ہوگا" اس لیے ضروری ہے کہ آپ ہر موقع پر اور خاص طور سے اجتماع کے اس موقع پر زیادہ سے زیادہ لگاؤ اپنا اللہ تعالیٰ سے قائم کریں اور اس سے اس سلسلہ میں ہدایت و توفیق کے لیے برابر دعا کرتے رہیں۔

یہ تین باتیں جو میں نے عرض کی ہیں ان کا خاص روئے خطاب رفقائے عزت کی طرف تھا لیکن ان باتوں کے مخاطب ہمارے ہمدرد حضرات بھی ہیں۔ انہوں نے اپنے خیال کے مطابق اپنے کو ہمدردوں کے خانے میں رکھ کر جماعت کی ذمہ داریوں سے

بچنے کی کسی ہی بہتر سبیل کیوں نہ تھا اور ہولیکن وہ عام لوگوں کی بیکار ہوں میں ان ذمہ داریوں سے علیحدہ نہیں ہیں۔ ہر شخص کے پاس رجسٹر نہیں ہوتا ہے کہ وہ دیکھ کر یہ فیصلہ کرے کہ کون رکن جماعت ہے اور کون ہمدرد جماعت۔ اور نہ اس تحقیق کے لیے کسی کے پاس وقت اور فرصت ہی ہے اس لیے ہر وہ شخص جماعت کا رکن سمجھ لیا جاتا ہے جو جماعت کا نام لیتا ہو یا اس کی کوئی نزکوئی خدمت انجام دے رہا ہوا اس لیے اگر ان سے کوئی کوتا ہی کسی صحن میں سرزد ہوئی ہے تو وہ پوری جماعت کی طرف منسوب کر دی جاتی ہے۔ چنانچہ بہت سے مقامات پر شخص ہمدردوں کی کوتا ہیوں کی وجہ سے جماعت اور اس کے کام کو بڑا نقمان پہنچا ہے۔ اس لیے میں ہمدرد حضرات سے درخواست کرتا ہوں کہ انھیں بھی ان ہدایات کی پوری پابندی کرنی چاہیے جو ارکانِ جماعت کے صحن میں پیش کی گئی ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ ہمدردوں میں بہت سے ہمدردا یا یہیں جو بہت سے ارکان سے بھی زیادہ جماعت کا کام انجام دے رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کی جماعت کے ساتھ ہمدردی ظاہر ہے۔ ہر طرح کے شک و شبہ سے بالاتر ہے لیکن میں کتر درجے کے کسی ہمدرد کے بارے میں بھی یہ تصور نہیں کر سکتا کہ وہ جان بوجہ کر جماعت کو کوئی نقمان پہنچانا چاہے گا۔ اس لیے مجھے تو قسم یہی ہے کہ اس موقع پر خاص طور سے وہ اس کی احتیاط کریں گے کہ ان کا کوئی قول و عمل داشتے یا غیر داشتے طور پر جماعت کی بد نامی کا باعث نہ بنے، آخر میں میں چند جملے ان لوگوں سے عرض کرنا چاہتا ہوں جو شخص اس لیے تکلیفیں اٹھا کر تشریف لے آئے ہیں کہ وہ ہماری باتیں سُنیں اور ہمیں قریب سے سمجھنے کی کوشش کریں۔ اگر مجھے رسمی باتوں سے طبعاً کراہت نہ ہوئی تو میں ایسے حضرات کا شکر یہ ادا کرنا ضروری خیال کرتا لیکن ایک طریقہ

میں ایک رسمی چیز سے بچنا بھی چاہتا ہوں اور دوسرا طرف مجھے یہ احساس بھی ہے کہ جو لوگ اس عرض کے لیے تشریف لے آئے ہیں اپنا فرض بمحض کر آئے ہیں اس لیے وہ رسمی شکر یہ سیقیناً مستغثی ہوں گے۔ ان وجہ سے میں ایسے لوگوں کا کوئی رسمی شکر یہ تو نہیں ادا کرنا چاہتا لیکن اس بات پر میں اپنی مسرت کا انہمار کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ محض تحقیق کی خاطر انہوں نے یہاں تشریف لے آئے کی زحمت گوا را کی ہے۔ اس زمانہ میں عام طور سے لوگوں کا رجحان بہت بدلا ہوا ہے۔ اوپنے مقامہ سے وہ بہت کم دلچسپی رکھتے ہیں۔ اس لیے سیقیناً ایسے لوگ بہت زیادہ قابل قدر ہیں جو محضن یہ معلوم کرنے کے لیے یہاں تشریف لے آئے ہیں کہ اس وقت عام طور سے پوری انسانیت کے لیے اور اس کے بعد خصوصیت کے ساتھ اس ملک کے لیے جس میں ہم رہتے ہیں اور اس قوم کے لیے جس کے ہم ایک فرد ہیں کیا معاملات و مسائل درپیش ہیں اور جماعت اسلامی ان کے سلسلہ میں کیا حل پیش کرتی ہے۔ خاص طور سے غیر مسلم حضرات کا اس عرض کے لیے یہاں تشریف لے آنا میرے لیے خصوصیت کے ساتھ موجب مسرت ہے، ہر چند مجھے اس مجھے میں ان کی صورتیں تھوڑی نظر آتی ہیں جو میرے لیے چند اس باعث تجуб بات نہیں ہے۔ کیونکہ میں محسوس کرتا ہوں کہ پچھلے دنوں ہندوستان کے جو عمومی حالات رہے ہیں ان کا یہ قدرتی نتیجہ ہے لیکن جتنی تعداد بھی ہے وہ ہمارے لیے غنیمت ہے میں ایسے تمام حضرات کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ البتہ اپنی وسعتوں اور مجبوریوں کا اندازہ کرتے ہوئے میں بطور معاذرت یہ انہمار کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ ممکن ہے ان کی اس طرح خاطروں مدارت نہ کر سکیں جس طرح ہمیں کرنی چاہیے۔ لیکن وہ اسے ہمارے احساس

کی کمی یا کوتاہی پر محمول نہ کریں بلکہ اس کو ہمارے وسائل کی کمی یا اجتماعات کی غیر معمولی مصروفینتوں کا نتیجہ خیال فرمائیں۔

جہاں تک ان کی تحقیق کے جذبہ کا تعلق ہے اس کے سلسلہ میں مجھے دو باتوں کا اظہار کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ جماعت اسلامی کسی جزوی کام یا جز کی اصلاح کے لیے قائم نہیں ہوئی ہے بلکہ یہ ایک عمومی اصلاح کی دعوت ہے اور اس دعوت کے بہت دسیع گوشے ہیں۔ اس لیے ہماری باتوں کو پورے صبر و توجہ اور دلچسپی کے ساتھ سننے کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر تحقیق کا مقصد پورا نہیں ہو سکے گا۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے اجتماع کی کارروائیاں ایک خاص نظم و ترتیب کے ساتھ عمل میں آئیں گی جن کے درمیان باہمی گہرا ربط و تعلق ہو گا۔ اس لیے اگر کسی ابتدائی مرحلے میں آپ کو کوئی خاص شبہ یا اعتراض پیش آئے تو اسے وقت کے وقت حل کرنے کی کوشش نہ کریں، بلکہ صبر کے ساتھ ہماری تمام کارروائیوں کے ختم ہونے کا انتظار فرمائیں۔ مجھے امید ہے بعد کے مرحلوں میں وہ شبکوں و اعتراضات خود بخود رفع ہو جائیں گے لیکن اگر وہ اس کے بعد بھی باقی رہ گئے تو ان کے ازالہ کے لیے انشا اللہ آپ ہماری خدمات موجود پائیں گے۔

اب میں آپ کا وقت لینا نہیں چاہتا۔ اس کے بعد جناب محمد یوسف صاحب قیم جماعت آپ کے سامنے جماعت اسلامی ہند کی کل ہند روپورٹ

پیش کریں گے۔ اسے آپ حضرات توجہ کے ساتھ سماعت فرمائیں اس سے آپ کو اندازہ کرتے کام موقع ملے گا کہ جماعت نے اب تک کیا کام انجام دئے ہیں اور کیا کیا کام باقی رہ گئے ہیں۔

وَالْخِرْدَ عُوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ، الْحَمْدُ لِلَّهِ أَكَذِّبُ هَذَا إِنَّا وَجَعَلْنَا مِنْ
 خَيْرِ أُمَّةٍ أَخْرِجَتْ لِلتَّاسِ وَالصَّلُوةُ وَالسَّلَامُ عَلَى
 رَسُولِهِ الْكَرِيمِ وَأَصْحَابِهِ وَأَهْلِ بَيْتِهِ أَجْمَعِينَ لَهُ
 اِيمَانٌ بِحَزْمٍ، رِفْقَاتِ كَرَامٍ اُورِمَزِ حَاضِرِينَ وَحَاضِراتٍ؛ دِنْيَا أَجَّ حِسْبَ بَحْرَانِ دُورِ
 سَے گذر رہی ہے اس میں اپنی اصلاح کی کوشش کرنا اور دوسروں کو سُدد صارکی
 طرف مائل کرنا کوئی آسان بات نہیں ہے۔ اگر زندگی کے کسی ایک شعبہ کی اصلاح
 مقصود ہو تو کام کرنے والوں کی راہ میں زیادہ دشواریاں حاصل نہیں ہوتیں۔ لیکن
 جب انسانی زندگی کی کوئی کلی بھی سیدھی نہ ہو اور پوری کی پوری زندگی کو
 درست over haul کرنے کی ضرورت ہو اور پوری کی پوری سوسائٹی کی تشکیل فو
 مطلوب ہو، جہاں طرزِ معاشرت و طرزِ زندگانی کو یک قلم بدلنا ہو، جب کار و بار، تجارت،
 زراعت، صنعت اور معاش کے تمام گوشاوں میں انقلابی اصلاح مقصود ہو، جہاں
 حکومت و سیاست اور بین الاقوامی معاملات کو صحیح بنیادوں پر استوار کرنے کی
 ضرورت ہو، قانون اور قانون سازی کے نقطہ نظر کو یکسر بدل دینا مقصود ہو
 جب تعلیم و تربیت کے نظام میں بنیادی تبدیلیاں پیش نظر ہوں، جہاں اخلاق و
 روحانیت کی موجودہ قدرتوں کے بجائے نئی قدریں مہیا کرنی ہوں، غرضیکے جب
 زندگی کے ہر گوشت اور ہر شعبہ میں خواہ وہ انفرادیت سے تعلق رکھتا ہو یا اجتماعیت

سے، ایک ہمہ گیر انقلاب لانا مقصود ہو اور پھر اس انقلاب کا تصور بھی رانجِ الوقت انقلاب و خونزیزی سے مختلف و مختلف ہو جس سے شرکا کلکی اسیصال اور خیر کا قائم کرنا مقصود ہو اور اس پر مستلزم یہ کہ اس عظیم اثاث انقلاب کو برپا کرنے کے لیے جدوجہد وہ لوگ کر رہے ہوں جن کا تعلق اسی گروہ سے ہو جس کی غیر اسلامی روشن نے اپنوں کو احاطات و جمود میں اور غیروں کو ریب و تردود میں بنتا کر دیا ہو تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ایسے پُرانے Blood less اور ستم باشان انقلاب Glarious Revolution کا ہمارے اپنے محدود ذرائع وسائل کے ساتھ برپا ہو جانا محض اللہ تعالیٰ کی توفیق ہی پر محصر ہے۔ البتہ اپنی جیسی کوشش کرنا ہمارا اپنا کام ہے۔

جماعت اسلامی ہند کی تشکیل کس طرح ہوئی

ہم جانتے ہیں کہ یہ انقلاب اور ہمہ گیر تبدیلی جو ہمارے پیش نظر ہے اس کے دائیٰ اپنے اپنے زمانہ اور اپنے اپنے ملک میں انبیاء رکام صلوات اللہ علیہم اجمعین اور ان کے بعد ان حضرات کے خاص مبلغین رہے ہیں۔ آج سے تقریباً چودہ سو برس پیشتر اس دینی اور اخلاقی انقلاب کی دعوت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب میں بلند کی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت نے جو انقلاب اپنے پیروں کی ذہینت اور ان کی پوری زندگی میں برپا کر دیا تھا۔ وہ دنیا کی تاریخ میں اپنی کوئی مثال نہیں رکھتا۔ اسی دعوت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اور ان حضرات کے بعد امت مسلمہ کے بعض دیگر حضرات نے اپنایا۔ خود ہندوستان میں بعض بندرگاہ دین کی پوری

زندگیوں کا مقصد یہی انقلاب رہا ہے۔ لیکن ہندوستان پر چونکہ ایک عرصہ ناک مسلمان سلاطین کا تسلط رہا جنہوں نے اَلَا مَا شاء اللہُ اسلام کی نمائندگی کرنے کے بجائے ملک گیری کو اپنا مقصد بنارکھا تھا اس لیے یہاں صحیح اسلامی ماحول پیدا نہ ہو سکا اور دین انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وہ وسعت اور ہم گیری جو ان حضرات کے پیش نظر تھی یہاں عام طور سے لوگوں کے ذہنوں میں جگہ نہ پاسکی۔ پھر یہاں انگریزوں کے ڈیڑھ سو سالہ تسلط کی وجہ سے ذہنیں اس قدر مرعوب ہو گئیں کہ یہاں جن لوگوں کو ایک عظیم الشان اخلاقی انقلاب کی دعوت دینی چاہتے تھی وہ خود صنعتی انقلاب French Industrial Revolution افلاط فرانس

اور روس کے خوفی انقلاب وغیرہ جیسی چیزوں سے نہ صرف متاثر بلکہ مروع ہو گئے۔ غریب عوام کا توکیا کہنا، وہ حضرات جن کے علم و فضل کا سکھ عوام پر بیٹھا ہوا تھا وہ بھی ایسی تحریکات کے دلدادہ بن گئے جو یورپ کے انقلابات کے نتیجہ میں نسلی، وطنی، طبقاتی اور معاشی بنیادوں پر انگریزی اقتدار کے ختم ہونے سے چند سال قبل ہندوستان میں وجود میں آییں۔ ان حالات کا فاطری تقاضا یہ تھا کہ ملک میں کوئی ایسی تحریک اُٹھے جس کا مقصد، نسب العین، دعوت اور طریق کار اسوہ انبیاء کے مطابق ہو۔ چنانچہ اس دُور میں ایجادے دین اور اقامتِ دین کے کام کو چند بے بصاعت انسانوں نے سنبھالنے کے لیے پیش قدیمی کی اور چونکہ اس وقت کوئی بھی ایسی جماعت موجود نہ تھی جو اس فریضہ کو انجام دے رہی ہو اس لیے اگست ۱۹۴۷ء میں جماعت اسلامی کا قیام متحده ہندوستان میں عمل میں آیا جس کے امیر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب منتخب ہرئے تھے۔ جماعت تقسیم ہند

سے قبل تک متحده ہندوستان کے باشندوں کو ایک ذہنی اور فکری صالح انقلاب کی دعوت دینی رہی اور لاد بینیت Secularism اور جمہوریت Democracy کی بنیادوں پر جو نظم امہارے حیات دنیا میں چل رہے تھے ان کی خرابیاں کھول کھول کر بیان کرنے کے بعد مسلمانوں کو بالخصوص اور غیر مسلموں کو بالعموم ایسے نظام حیات کے قائم کرنے کی دعوت دینی رہی جس کی بنیاد خدا کی بندگی و اطاعت، وحدتِ انسانیت، حاکیتِ اللہ اور خلافتِ جمہور پر قائم ہو لیکن بجزء محدود چند کے اس کی آواز پر عام طور سے لوگوں نے کافی نہیں دھرا۔ بالآخر ۲۴ اگست ۱۹۴۷ء میں ملک کی تقسیم عمل میں آئی اور اپنے ساتھ وہ طوفانِ بد تینیزی لائی جس کا خیانتہ ہم میں سے ہر ایک کو بھلتنا پڑتا۔ اس وقت جماعتِ اسلامی کے ان رفقاء نے جو دو اگر کے اس پر رہ گئے تھے یہ محسوس کیا کہ اب ہمارا علاقہ اس وقت کے امیرِ جماعت مولانا مودودی صاحب سے علاًنا ناممکن ہے کیونکہ وہ اس حصہ میں مقیم تھے جو پاکستان کھلاتا ہے۔ لہذا وہ اپنے طور پر منشر طریقے سے اور بلا کسی مرکزی نظم کے جدوں جہد کرتے رہے اور جہاں تک حالات نے اجازت دی ملک میں فساد اور بد امنی کو روکنے اور لوگوں میں خیر و صلاح کے جذبہ کو اجھا رئے کی کوشش میں لگے رہے لیکن جب تک کوئی باقاعدہ نظم قائم نہ ہو منظم طور پر کام کرنا دشوار ہوا کرتا ہے اس لیے بھارت کے رفقاء نے آپس میں مشورہ کے بعد یہ طے کیا کہ ہمارا اجتماعی نظم علیحدہ قائم ہونا چاہیے جس کا کوئی مشاورتی، مالی، انتظامی، دستوری یا اور کسی قسم کا تعلق کسی بیرونی شخصیت یا جماعت سے نہ ہو لیکن اس وقت چونکہ مودودی صاحب ہمارے بھی آئینی طور سے امیر تھے اس لیے ان سے

اجازت لینا شرعاً ضروری تھا۔ چنانچہ مولانا نے اس اہم ضرورت کو محسوس کیا اور ہیں اجازت دے دی۔ اور وسط اپریل ۱۹۴۸ء میں بھارت کے رفقاء نے متفقہ طور پر مولانا ابواللہیث صاحب ندوی اصلاحی کو اپنا امیر منتخب کیا۔ اس طرح جماعت اسلامی ہند کی تشکیل وسط اپریل ۱۹۴۸ء میں عمل میں آئی۔

اس وقت سے بھارت اور پاکستان کی جماعتیں اپنی اپنی جگہ بالکل الگ ہیں اور اپنی آزادی اور تعلیمیں کام کر رہی ہیں۔ وہاں کا نظم جماعت الگ اور یہاں کا الگ ہے۔ ہم اپنی صوبیت کے مطابق یہاں کے مسائل کو کتاب و سنت کی روشنی میں حل کرنا چاہتے ہیں اور وہ حضرات اپنی صوابید کے مطابق یہاں کے حالات کو کتاب و سنت کی روشنی میں درست کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں اور چونکہ ان دونوں ملکوں کے مسائل مختلف ہیں اس لیے ہمارے اور جماعت اسلامی (پاکستان) کے طبقہ کاریں فرق کا ہونا بھی ایک لازمی شے ہے، گو کہ بنیادی طور سے اقامتِ دین اور اعلانِ کلمۃ الحق ان کا بھی مقصد ہے اور ہمارا بھی بس یہی اصول Ideology کا اشتراک ہمارے اور ان کے درمیان موجود ہے اور یہ اشتراک اس قسم کا ہے جو وحدتِ الا اور وحدتِ انسانیت کی بنیاد پر قائم ہونے والی کسی ملک کی جماعت سے خود بخود اور فطرت پر پیدا ہو جاتا ہے۔ اس نظری اور اصولی Ideological اشتراک کی بنیاد پر یا تلقین ہند سے قبل کے حالات کے پیش نظر جب کہ ایک واحد تنظیم تھی۔ بعض لوگ علمی سے اور بعض محض پروپیگنڈے کی خاطر مشہور کرتے ہیں کہ جماعت اسلامی ہند اور جماعت اسلامی (پاکستان) دونوں ایک ہیں یا یہ کہ جماعت اسلامی ہند کا تعلق مولانا مودودی سے ہے۔ لیکن حقیقت وہ ہے جو اور پر بیان کی گئی۔ بہر حال جس وقت جماعت اسلامی ہند کی تشکیل ہوئی وہ ہمارے یہے ایک نازک دور تھا۔ ایک طرف تو غیر مسلموں میں شتعال

انتقام، عصیت اور تعصیب کے جذبات بھڑک رہے تھے اور دوسری طرف مسلمانوں پر خوف و ہراس اور انتشار کی حالت طاری تھی۔ مسلمان ایک طرف اکثریت سے اور دوسری طرف نئے نظام حکومت سے خائن و مرعوب تھے۔ دن رات فرقہ پرستی سے بیزاری، خود سیاست سے بیزاری اور شاذ و نادر لغوضہ باللہ اسلام سے بیزاری، مسلمانوں کا اور ان کی اجنبیوں کا عام دستور بننا ہوا تھا۔ ایسے حالات میں مسلم قوم کے چند افراد کامل کر ملک اور قوم کے مسائل پر غور و فکر کرنا اور سدھار و اصلاح حال کا کوئی کام کرنا ایک بڑا مشکل اور صبر آزماء معاملہ تھا۔ ہر چند کہ یہ حالات ایسے نہ تھے جن کو دُور رسم نہ گاہوں نے ان کے پیش کرنے سے قبل بھانپ نہیا ہو۔ حتیٰ کہ اس نازک دور میں جو کچھ پیش آئے والا تھا اس کے تاریک پہلو سے جماعت اسلامی ہند کے رفقاء پہلے ہی سے واقف تھے اور خدا کی دی ہوئی بصیرت سے کام لیتے ہوئے اس دور میں آنے والی مشکلات کے پیش نظر اپنی سی و جہد کے لئے کو قائم ہند سے تقریباً چار ماہ قبل ہی طے کر چکے تھے۔ نیز انہیں باتوں کو ایک پیغاط کی شکل میں جس کا نام "ہندوستان میں تحریک اسلامی کا آئندہ لائج عمل" ہے شائع بھی کر دیا گیا تھا تاکہ قوم پرستی کا نشأ اُتر جانے کے بعد جو لوگ ہوش میں آتے جائیں وہ اس دور کی آنے والی مشکلات سے واقف ہو کر اسلامی طرز پر نکرو عمل کے انداز کو معلوم کر سکیں۔ اور غلط اور مفسد نظام مہاۓ چیات سے بچ کر انسانی زندگی کی تعمیر ان بنیادوں پر شروع کر دیں جن کو انسانوں کے غالق، مالک، حاکم اور رازق نے متعین فرمایا ہے۔

لیکن اس روپورٹ میں ان بنیادوں کی تفصیلات میں جانے کا کوئی موقع نہیں ہے اس کے لیے تو آپ کو اس اجتماع کی کارروائی سے کچھ اشارات مل سکیں گے اور

ہماری دعوت اور اس کے پروگرام کے متعلق تفضیلات معلوم کرنے کے لیے جماعت کے طریقہ کامطا العکرنا پڑتے گا۔ البتہ ہماری اس روپورٹ کو سمجھنے کے لیے اس فرق کو ضرور مدنظر رکھیں کہ جس نظام حیات کی طرف ہم دعوت دیتے ہیں وہ راجح اور نظام ہمارے حیات سے کتنا مختلف ہے اور کتنا اصلاح، اسفع اور اعلیٰ بھی ہے۔

جاہراں سرمایہ داری اور امرانہ اشتراکیت کی بنیادوں پر جو نظام ہمارے حیات انسانوں نے بنائے ہیں ان میں انسان صرف ایک بلند معیار زندگی High Standard of living حاصل کرنے کے لیے ہے فزار رہتا ہے۔ لیکن اسلامی نظام حیات میں آدمی کو نہ صرف ایک بلند معیار زندگی بلکہ اسی کے ساتھ ساتھ اور پہلو پہلو ایک بلند معیارِ اخلاق High standard of Morality اور ایک بلند معیارِ تقویٰ و خدا پرستی High Standard of Righteousness بھی حاصل ہوا۔ کرتے ہیں۔ اسلامی نظام حیات میں خدا کا اس کی تمام صفات، حقوق و اختیارات کے ساتھ اذعان ولقین، اس کی رضا و خوشنودی کی طلب اور آخرت کی جوابد ہی کا لیفین ہی وہ بنیادی چیزیں ہیں جن کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں سودی کار و بار اور استھصال با بھر کے تمام طریقوں کی حرمت، نکوئے کی عقلت اور قانون و راثت کی عزت پیدا ہو جایا کرتی ہے اور آدمی دولت کا مالک ہونے کے بجائے اپنے اپنے اپ کو اس کا این سمجھنے لگتا ہے اور تمام انسانوں کو ایک خالق کی مخلوق اور ایک آدم کی اولاد سمجھتے ہوتے ان کے اندر طبقاتی جنگ و جدال کے بجائے سطابقت اور مساوات پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس طرح اسلامی نظام سرمایہ دار از جمہوریت اور امرانہ اشتراکیت، نیز دیگر نظام ہمارے حیات

کی مدد و دے چڑھیر متوقع خوبیوں کے ساتھ ساتھ ایسی خوبیوں کا بھی حامل ہے جو قطعاً کسی دوسرے نظام میں نہیں مل سکتیں۔ لیکن یہ ہماری بد قسمی ہے کہ اس وقت کسی ملک میں عملًا اسلامی نظام قائم نہیں ہے جس کو دیکھ کر لوگ اس کی طرف مائل ہوں۔ لیکن بلکہ لوگ عام طور سے سرمایہ دار ایسا شہزادی کی نظام مہارے جبات ہی کی طرف مائل ہیں۔ ہماری دعوت یہ ہے کہ لوگ ان سچے اصولوں کی طرف متوجہ ہوں جو کسی خاص قوم کا ورثہ نہیں ہیں بلکہ تمام انسانوں کے لیے عام ہیں جن کو خالق کا انسان تھے اُفرینش سے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے برگزیدہ انسانوں ہی کے ذریعہ مختلف اقوام عالم کو ان کی اپنی زبانوں میں عطا فرمایا تھا پھر انہی اصولوں کو پہنچیا آخر از ماں صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ صحیح اور مستند شکل میں دنیا والوں کے سامنے پیش کیا گیا جن کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں ایک صالح معاشرہ قائم کیا تھا۔ یہ دعوت ہم مسلم و غیر مسلم ادا نہیں مسلم اور غیر مسلم جماعتوں، حتیٰ کہ مسلم اور غیر مسلم مملکتوں کو بھی دیتے ہیں کہ آؤ ہم تم سب مل کر ایک ایسا نظام قائم کریں جس میں وحدۃ لا شریک کی حاکیت و مالکیت اس کی تمام صفات کو اور آخرت کی باز پرس کو سنگ بنیاد کی حیثیت حاصل ہو۔ صرف اسی صورت میں ایک ایسا ایمانی عالمی نظام قائم ہو سکتا New World order اور ایک ایسی عالمی حکومت World state وجود میں آسکتی ہے کہ جس کے اذ کو حقیقتی امن و چین کی زندگی نصیب ہو، جس میں دنیا و آخرت کی تمام خوبیوں بھلاکیوں اور فلاح و سعادت کا خوش گواہ امتحان موجود ہو اور جس میں تماں امام، دوام و امام، غلام سے آزادانے آپ کو محض ایک خدا نے واحد کے فرمانبرد

اور وفادار بندے اور دوسرے انسانوں کو اپنا بھائی تصور کر سکیں۔ اس طرح وہ انسانی برادری قائم ہو سکے گی جس میں اپنے پنج نہ ہو گی، نہ ذاتیات کے امتیازات ہوں گے بلکہ اعلیٰ اور حقیقتی، روحانی اور اخلاقی قدریں ہوں گی۔ سچا اور بے لگ اجتماعی انصاف ہو گا اور اپنی اصل شکل میں تندی، معاشرتی اور سیاسی جمہوریت بھی موجود ہو گی جو اچ کل کی جمہوریت سے بالکل مختلف ہو گی۔ جس میں سارے اقتدار کا مالک وہی خدا ہے عز و جل سمجھا جائے گا جو واقعی سارے اقتدار کا مالک ہے اور جس نے اپنے کرم و فضل سے انسان کو وہ شاہراہ مستقیم عطا فرمائی ہے جس پر چل کر انسان اپنا مقصود زندگی حاصل کر سکتا ہے۔ یہ صراط مستقیم تقسیم ہند سے قبل، تقسیم کے وقت اور تقسیم کے بعد بھی نصف مسلمانوں ہی کے لیے راہ بخات تھی اور ہے، بلکہ ہمارے علم و تفہین کے مطابق پورے ملک اور باشندگان ملک کی تمام مشکلات کا واحد علاج بھی اسی راہ پر چلنے سے ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اسی راہ کو ہم خود اختیار کرنا چاہتے ہیں اور اسی کی قوی و عملی تبلیغ ہمارا معتقد ہے۔ یہ راہ بلاشبہ مشکلات سے بھری ہوئی ہے لیکن صحیح راہ کو محض مشکلات کی وجہ سے جھوٹ دینا کوئی معقول روایت نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ جس وقت جماعت اسلامی ہند کی تشکیل عمل میں آئی اس وقت وسعت کا را اور مشکلاتِ راہ کو دیکھتے ہوئے یہ تفہین کرنا بڑا اذکور تھا کہ ہماری جماعت ملک کے بدے ہوئے حالات میں کچھ کر بھی سکے گی لیکن ان ذکواریوں کے باوجود جو کچھ ہم کر سکتے ہیں اس کی نوعیت آپ پر اس روپورٹ سے واضح ہو جائے گی۔

جماعت کا چار نکالی تی پروگرام

پروگرام کے مطابق ہمارے سامنے چار نکالات تھے جن پر ہمیں اپنی توجہ پانچ سال

میں صرف کرنی تھی۔ ان چار نکات میں سے پہلی چیز تو یہ تھی کہ اس قومی کشمکش کا خامعہ کیا جائے جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان برقاہی اور غیر مسلموں کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات قوم پرستانہ بنیادوں پر قائم ہونے کے بجائے اسلامی بنیادوں پر قائم ہوں کیونکہ جب تک اس کشمکش کا خامعہ نہ ہو جائے اور غیر مسلموں کے ساتھ صحیح بنیادوں پر خوش گوار تعلقات قائم نہ ہوں، غیر مسلموں کا اسلام کی دعوت کی طرف توجہ کرنا تھی درجہ میں بھی ممکن نہیں ہے۔

دوسری ضروری بات یہ تھی کہ خود مسلمانوں کے معاشرے کی اصلاح اسلامی اصولوں کے مطابق کی جائے، ان میں دین کا علم و سیاست پیمانہ پر بھیلا جائے اور اس علم الہی کے مطابق وہ اپنی الفزاری اور اجتماعی زندگی کے جملہ شعبوں کو سنواریں نیز اس علم کو دوسروں تک پہنچائیں اور اس طرح بھارت میں دین کی قولی و عملی تبلیغ ایک بڑے پیمانہ پر کی جاتی ہے تاکہ مسلمانوں کی دین و دنیا سنبھل جائیں اور ان کا معاشرہ ایک مثالی معاشرہ بن سکے۔

تیسرا چیز یہ تھی کہ مسلمانوں کے ذہین طبقہ کی صلاحیتوں سے باقاعدہ طور پر کام بیا جائے اور ان کی کوششوں کو ان تحریری اور تقریری کاموں میں لگایا جائے جو نظامِ اسلامی کے لیے مفید ہوں۔ مزید برآں اسی ذہین طبقہ کو عوام کی صحیح رہنمائی کے لیے بھی تیار کیا جائے کیونکہ عوامی کام کو صحیح طور پر سنبھالنا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کہ تحریر کار اور تعلیم یافتہ متدين رہنمایت نہ ہوں۔

چوتھا ضروری کام ہمارے پیشی نظر یہ تھا کہ وہ سب لوگ جو ہماری جماعت سے کسی قسم کا بھی تعلق رکھتے ہوں وہ اس بات کی کوشش کریں کہ ہندوی زبان یا

دوسری صوبائی زبانوں میں ان کی تحریر و تقریر کی صلاحیت اتنی بڑھ جائے کہ غیر مسلموں کے سامنے ان کی اپنی زبانوں میں نیز ملک کی سرکاری زبان میں دعوت کو پیش کیا جاسکے۔

حضرات! یہ تھا تقسیم ہند کے وقت ہمارا منصوبہ جس کی نوعیت کا اجھا تذکرہ آپ جماعتِ اسلامی ہند کے شائع کردہ دستور میں بھی پاسکتے ہیں۔

آج اس رپورٹ میں ہمیں یہ بتانا مقصود ہے کہ وسط اپریل ۱۹۴۸ء سے لے کر یعنی تقریباً تین پونتے تین سال کے درمیانی عرصہ میں ہم اس پروگرام پر کس حد تک عمل کر سکے ہیں۔ کیا ہماری دشواریاں رہی ہیں۔ کتنا ہم کرنا چاہتے تھے اور کتنا نہیں کر سکے اور آئندہ کے لیے کیا نقشہ کار ہمارے پیش نظر ہے۔

قومی کشمکش کو مٹانے کے لیے ہماری کوششیں

سب سے پہلے ہم اپنے پروگرام کا پہلا جزو لیتے ہیں یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں میں جو کشمکش تقسیم ہند سے قبل مخفی قومی بنیادوں پر چلی آرہی تھی اس کو ختم کرنے میں ہماری کوششیں بھارت میں کس حد تک کامیاب ہوئی ہیں۔ اس صحن میں یہ بات بے محل نہ ہو گئی کہ قومی کشمکش کو رفع کرنے کا خیال ہمارے دل میں تقسیم ہند کے بعد موجودہ حالات کے پیش نظر پیدا نہیں ہوا بلکہ تقسیم سے قبل بھی ہم اس کو اصولاً غلط سمجھتے تھے کہ ہندوستان کے مسلمان اعتصاد بحبل اللہ کے اصول کے مطابق اپنے آپ کو حِرْبَ اللہ بنانے کے بجائے غیر اسلامی طرز کی قومی رسم کشی میں مصروف ہو کر ایک نسلی گروہ کی خصوصیات کو دنیا کے سامنے پیش کریں اور دین اللہ قائم کرنے کے بجائے

غیر مسلم قومیت کے مقابلہ میں مسلم قوم اپنے دنیوی مفاد کے لیے کشمکش شروع کر دے اور راجح الوقت نظام کو چلانے میں سہیم و شریک ہونے کی حیثیت کا مطالبہ کرے۔ تفہیم سے پہلے بھی قومی اور غیر اسلامی اعڑاضی کے لیے غیر مسلموں سے کشمکش اصولی طور پر غلط ہی تھی گو کہ ناتائج کے لحاظ سے اتنی مضرت رسائی تھی۔ لیکن تفہیم کے بعد تو یہ اصولی غلطی مسلمانوں کو ہلاکت کی طرف لے جانے والی تھی اس لیے مسلمانوں کو تفہیم ہند کے بعد سے تو ہم یہیم اور مسلسل تدبیہ کرتے رہے ہیں کہ وہ انتخابات کی دولڑھوپ، ایکشن بازی، وزارتی اور ملازمتوں کے تناسب کی جدوجہد اور اسی قسم کے غیر اسلامی اور بے اصولی کاموں سے کنارہ کش ہو جائیں ہمارا یہ مشورہ محض ہمارے قول کی حد تک نہ تھا بلکہ ہم نے اپنے عمل سے بھی اسی بات کا ثبوت دیا ہے کہ ہماری جماعت موجودہ طرز کی سیاست سے کسی قسم کا کوئی سروکار نہیں رکھتی ہے۔ چنانچہ ہمارے رفقاء نے تفہیم سے قبل اور تفہیم کے بعد کسی ایکشن میں، کسی وزارت میں یا اسی طرز کی جاہ طلبی میں کسی قسم کا کوئی حصہ نہیں لیا ہے۔ اسی بات کا اظہار تشکیل جماعت کے بعد بھی ہم نے ایک جماعت کے موقع پر ۱۳ اگست ۱۹۴۸ء کو ان الفاظ میں کیا تھا:

”جو لوگ ہماری تحریک سے واقع ہو گئے ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ نہ تو ہم ملازمتوں کے خواہاں ہیں نہ نشستوں اور سیٹوں کے خواہش مند ہیں اور نہ ہمیں ڈسٹرکٹ بورڈ اور میونسپل بورڈ کی ممبری یا چیریمنی کی کبھی خواہش رہی ہے اور نہ ہے اور نہ ہم نے مغربی طرز کی سیاست میں کوئی حصہ لیا ہے نہیں“

کانگریس کے ممبر تھے اور ہیں اور نہ ہم مسلم لیگ کے ممبر ہے ہیں
یا ہیں، ہمارا تعلق نہ سو شناست پارٹی سے ہے نہ کیونٹ پارٹی
سے اور نہ ملک کی اور کسی سیاسی پارٹی سے۔"

(دہنہ وار الانصاف۔ ال آباد ۵ ستمبر ۱۹۴۸ء)

اور پھر سیاست حاضرہ سے اس علیحدگی کے وجود کو ایک استغفار کے جواب
یہ ایم بر جماعت نے فوری ۱۹۴۹ء میں اس طرح بیان فرمایا تھا کہ :

"ہمارے نزدیک جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کسی غیر الہی نظام میں
ذمہ دارانہ طور سے حصہ لینا خواہ اس کے چلانے والے مسلمان ہی کیوں
نہ ہوں ایمان اور خدا پرستی کے بالکل منافی بات ہے اور یہ بالکل
ظاہر بات ہے کہ یہ پنجا یتیں جو قائم ہو رہی ہیں وہ اپنے حدود میں کتنی
ہی آزاد و خود مختار کیوں نہ ہوں بہرحال وہ غیر الہی نظام حکومت
ہی کا ایک شبہ ہیں جس کی بنیاد الہی قانون کے بجائے، انسانوں کے
خود ساختہ قوانین پر قائم ہے اور ان پنجا یتوں میں جو فیصلے ہوں گے
وہ کبھی ممبر ان پنجا یتیں کی شخصی اور آزاد رایوں سے ہوا کریں گے یا وہ
اپنے ہی جیسے دورے انسانوں کی رایوں کے تحت ہوا کریں گے اور
یہ دونوں باتیں غلط اور باعتبار نتائج مہلک ہیں۔ انسان سب کچھ
ہو سکتا ہے لیکن خدا کی ہدایت کے بغیر قانون سازی اور حکومت
اس کی حیثیت اور اختیار سے بالکل بالاتر چیز ہے اور یہ اسی حقیقت
کو نظر انداز کر دینے کا نتیجہ ہے کہ آج دنیا تباہی اور پریشانی کا شکار

ہے۔ ” (سرروزہ الانفصال ۲۵ فروری ۱۹۷۹ء)

”ہمیں اخلاقی اور معنیٰ حلقی کاموں سے اختلاف نہیں ہے۔ وہ

اگر ہو سکیں تو بہت اپنے اور بہت پسندیدہ کام ہیں اور ہم ان کاموں کو اپنے طور سے کرنے اور ان میں دوسروں کے ساتھ تعاون بھی کرنے کے لیے تیار ہیں لیکن کسی ایسے نظم کے تحت جو بالکل یہاں سے اختیار میں نہ ہو اور فی نفسہ وہ نظم بھی ایسا ہو جسے ہم ایمان داری کے ساتھ غلط سمجھتے ہوں، ہم برضنا درغبت ان کاموں میں حصہ نہیں لے سکتے۔“

حضرات! ہندوستان کی سیاسی کشمکش سے ہماری بے زاری و بے نیازی کا اندازہ آپ کو ان تحریروں کے علاوہ اس بات سے کبھی ہو جائے گا کہ مارتজ شہر میں ظہیر الحسن صاحب لاری کی صدارت میں مسلمانوں کی جو کانفرنس لکھنؤ میں طلب کی گئی تھی اس نے جب اپنے ریز ویوشن کے ذریعہ ملک کی تمام مسلم جماعتوں کے ساتھ جماعت اسلامی ہند سے کبھی اپیل کی تھی کہ مسلم قوم کے لیے سب مل کر موثر طور سے کام کریں تو امیر جماعت مولانا ابواللیث صاحب نے جماعت کی پوزیشن کو ان افاظ میں بیان فرمایا تھا کہ:

”اس وقت خصوصیت کے ساتھ جو مسائل مسلمانوں کے من

میں پیش آ رہے ہیں ہم ان کو حل کرنے کے لیے دوسری مسلم

جماعتوں کے ساتھ مل کر عنور کرنے کے لیے تیار ہیں لیکن طبیکہ اسلام کا جو

بنیادی نقطہ نظر ہے اس کو عنور و فکر کی بنیاد قرار دیا جائے۔

ہمیں نہیں معلوم کریو۔ پی کے جن لیدروں نے جماعت کو تعاون کی دعوت دی ہے وہ اس نقطہ نظر کے کہاں تک موصیٰ ہیں لیکن اس اجتماع کی جو کارروائی عام طور سے اخبارات میں شائع ہوئی ہے اس سے تو ایسا متشرع ہوتا ہے کہ شاید ابھی ان کے فکر کی قدیم روشن کچھ زیادہ بدی ہوئی نہیں ہے۔ اگر چارا یہ اندازہ صحیح ہے تو ہم افسوس کے ساتھ کہتا پڑتا ہے کہ ہم ان کے ساتھ کسی طرح کے تعاون اور اشتراک کرنے سے مندور ہیں۔ البتہ اگر ان حضرات نے حالات کے تقاضوں کا صحیح اندازہ کر لیا ہے اور اب وہ اسلام کو ہی بنیاد بنا کر مسلمانوں کے مخصوص مسائل کو حل کرنے کے لیے آمادہ ہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم اس قسم کی کوششوں سے اپنے کو علیحدہ رکھ سکیں۔“

(سرور نہ الahnaf۔ الہباد، ہر اپریل نشانہ)

حضرات!

ہم اس بات سے ناواقف نہیں ہیں کہ بھارت کے موجودہ دستور کے لحاظ سے ہر ایک جماعت سیاست حاضرہ میں حصہ لے سکتی ہے لیکن ہمارے اپنے اصول ہی اس کی اجازت نہیں دیتے کہ ہم اس غلط طرز کی سیاست میں حصہ لیں جس میں خدائی اقتدار اور اس کی ہدایت کی لفظی کی گئی ہو۔ نیز اس محل میں سیاست و نظم حکومت کے متعلق انہماں خیال بھی ہمارے لیے چند اہمیت نہیں رکھتا کیونکہ حقیقت میں ہمیں تو ایک ایسے معاشرے کے قیام کی فکر ہے جو پورے

کے پورے دین پر عمل پیرا ہونے کے لیے تیار ہو جائے۔ اسی لیے ہمارا اصلی کام وہ ہے جس کا تذکرہ آگے چل کر کیا جائے گا لیکن یہاں یہ کہنا بے محل نہ ہو گا کہ ہمارے ان خیالات اور روایت کے باوجود ہمارے متعلق غلط قسم کی خبریں پھیلاتی جاتی ہیں چنانچہ آپ کو یہ علوم کر کے حیرت ہو گی کہ اواخر عصرِ امامت میں لکھتوں کے ایک انگریزی اور ایک اردو روزنامے یہ خبر شترپر کر دی کہ اپنے اس "کل ہند اجتماع" میں ہم اس بات پر غور کریں گے کہ مسلمان کس پارٹی کا ساتھ دیں کہ آئندہ الیکشن میں انہیں زیادہ سے زیادہ نشستیں حاصل ہوں لیں انا لله وانا الیہ راجعون۔

بیس تفاوتِ رہ از کجاست تابجا

ہمارا تو سارا زور ہی اس بات پر صرف ہو رہا ہے کہ مسلمان اپنے دینی فریہ میں مت دین کو بجالانے کی کوشش کریں اور الیکشن وغیرہ کے لایعنی اور لعنوں کاموں سے پرہیز کریں۔ چنانچہ امیرِ جماعتِ اسلامی ہند کا ایک تازہ مضمون جو ماہنامہ "زندگی" رامیور میں گذشتہ کئی اشاعتوں سے فسطوار شائع ہو رہا ہے، اس کا واضح ثبوت ہے لیکن جماعت کے مقصد اور طریقہ کار کے متعلق لوگ برابر غلط فہمیاں پھیلاتے چلے جاتے ہیں۔ اس قسم کے افتخار اور اتهام نے ہمیں بے حد نقصان پہنچایا ہے۔ ایک تو قیمت ملک کے بعد مسلمان بیچارہ اپنے ہوش و حواس ہی میں نہ تھا کہ ہماری بات کو سنتا اور دوسرا ہمارے متعلق اس قسم کے غلط پروپگنڈے نے اس کو ہمارے نزدیک آنے سے اور بھی روک لیا لیکن جو نک تقيیم کے بعد بھارت میں مسلمان خوف زدہ ہو رہا تھا اور سیاسی حالات کی تبدیلی اور نئے دستور کی تدوین نے قومی کشمکش اور

قومی مطالبات کو لا یعنی بنادیا تھا اس لیے ہمارے پروگرام کے اس جز کو کہ بھارت میں اس موزی کشمکش کا خاتمہ کیا جائے۔ عام طور سے قدر و منزت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا تاہم سیاست حاضرہ کی جو چاٹ مسلمان کو لگی ہوئی تھی وہ لکھنؤ مسلم کافرنز اور جونپور مسلم کنوشن وغیرہ جیسے جلسوں سے غایاں ہو رہی تھی۔ لکھنؤ مسلم کافرنز کے عزائم کے مقابلہ میں جماعت کا موقف ابھی آپ کے سامنے پیش کیا جا چکا ہے۔ جونپور مسلم کنوشن کے موقع پر بھی ہم نے یہی موقف اختیار کیا۔ اس موقع پر امیر جماعت اسلامی ہند نے اپنے ایک رفیق کو بطور مشاہدہ کنوشن میں شرکت کے لیے بھجا تھا۔ جنہوں نے اس موقع پر یہ بتلایا تھا کہ مسلمانوں کے رہنا اور دوسرے معاملات میں تو کتاب و سنت کو کسی نہ کسی حد تک سامنے رکھتے ہیں لیکن جب سیاست کا سوال آتا ہے تو یورپ وامریکہ وغیرہ کی تقلید کرتے ہیں جو حدود بے غلط اور مضر ہے۔ ہمارے رفیق نے اس کنوشن میں اس بات پر زور دیا تھا کہ مسلمان ہند کے لیے جو پروگرام بنایا جائے اس میں مغربی نظریات کے بجائے کتاب و سنت کو معیار بنایا جائے لیکن افسوس کہ اس تجویز کو مسلم کنوشن نے رد کر دیا اور پرانے طرز کے مطابق کام کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس طرح ایک طرف جہاں اس قوی کشمکش کو زندہ رکھنے کی ناکام کوششیں بعض ادارے اور مسلمان لیڈر کر رہے تھے۔ مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی بھی تھی جس کے لیڈروں کی آراء اس صمن میں مختلف اور متفق پھیلیں۔ ان میں سے ایک گروہ تحفظ حقوق مسلمین کا گروہ دیدھا اور اس کے لیے دستور ہند کی لا دینی حیثیت کا سہارا لیے ہوئے تھا۔ اس گروہ کی پالیسی پر تنقید کرتے ہوئے حضرت امیر جماعت نے ایک اجتماع کے موقع پر فرمایا تھا کہ :

”اول تو یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ مختصرہ قویت کے
وعط و تلقین کے ساتھ اس طرح کے فرقہ وارانہ لفڑوں کا جوڑ کیا ہے
دوسرے ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اس کے لیے یہ حضرات کوں ایسا طریقہ
افتیاں کرنا چاہتے ہیں جس سے مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ ہو سکے بہارا
تو خیال یہ ہے کہ یہ حضرات جب تک تحفظ کا نام لیتے رہیں اور اس
سلسلہ میں کوئی کام نہ کریں اس وقت تک ان کے لیے بھی نیہر ہے اور
مسلمانوں کے لیے بھی ورنہ اس تحفظ حقوق کے لیے جدوجہد کی ابتداء
ہوتے ہی پھر وہی قوی کشمکش شروع ہو جائے گی جو اس وقت بہت
محنت اور بڑی قیمت ادا کرنے کے بعد دب سکی ہے اور اس کشمکش کا
شروع ہو جانا نہ ملک کے لیے معنید ہے اور نہ مسلمانوں کے لیے۔ اور اب
سے آخر میں نہ اسلام کے لیے، کیونکہ اسی کشمکش کا یہ نتیجہ ہے اور اس
کے لیے ہم مسلم دیگ کو بہت زیادہ خطوا وار سمجھتے ہیں کہ غیر مسلموں کو اسلام
سے نفرت ہو گئی جسے غلطی سے وہ مسلمانوں کا جن سے اپنیں نفرت ہے
محضوں مذہب سمجھنے لگے ہیں حالانکہ یہ تمام بني نوع انسان کا قدری
مذہب ہے اور مسلمان نامی قوم کے وجود میں آنے سے بہت پہلے دنیا
میں موجود رہا ہے۔ ہمارے نزدیک مسلمانوں کی تخدمت نہیں ہے کہ
نظام باطل میں ان کے حقوق متعین کرانے کے لیے کسی قسم کی جدوجہد
کی جائے جس سے کشمکش قوی بھی خواہ مخواہ اُبھرے گی اور مسلمان پچھے
حاصل کرنے کے بجائے اور رہے ہے حقوق بھی کھو بیٹھیں گے بلکہ

ان کی حقیقی خدمت یہ ہے کہ ان کو اور ان کے ساتھ نام ابتنائے ڈلن
کو حقیقی خدا پرستی کی دعوت دی جائے اور ان کو بھیشتِ کل دین
کو اختیار کرنے کی تبلیغت کی جائے۔ اسی سے ملک میں حقیقی امن و ملکوں
کی فضایا پیدا ہوگی اسی سے ملک ترقی و استحکام کی طرف بڑھ سکے گا اور
اسی سے مسلمانوں کے حقوق بھی محفوظ ہو سکیں گے۔ خدا پرستی ہی حقیقی
سعادت کی ضامن ہے اور دین و دنیا کی کامیابی اسی پر منحصر ہے یہ
بات بالکل کھلی ہوئی ہے لیکن علماء کو تبحث کی جرأت کون کر سکتا
ہے، وہ خود بھی تقریروں میں کہتے یہی ہیں یہ اور بات ہے کہ وہ غالباً اس
کو پیش نہ کریں۔” (سر روزہ الانصاف، ۲۸ مارچ ۱۹۷۹ء)

لیکن اسی جماعت کے بعض حضرات ایسے بھی تھے جنہوں نے اس رائے کا بھی اعلان
کیا تھا کہ موجودہ حالات میں مسلمانوں کے لیے امن و سلامتی کی راہ یہی ہے کہ وہ اس
طرز سیاست سے مختبہ رہیں۔ حالانکہ ان حضرات کا مشورہ محض حالاتِ زمانہ کے
پیش نظر تھا اور ہم خالص دینی بنیادوں پر مسلمانوں سے یہ مطالبہ کرتے رہے ہیں کہ اس
فاسد اور غلط طرز کی سیاست سے الگ رہو اسی لیے نتیجہ کے طور پر ہمارے اور دوسرے
مسلمان لیڈروں کے مشوروں میں بڑا بعد ہے۔ مسلمان لیڈروں کا تو کہنا یہ ہے کہ حب
صحیح معنوں میں لا دینیت اور جمہوریت کے تقاضوں کو اہل ملک پورا کرنے لگیں تب
اس وقت مسلمانوں کو اس سیاست میں حصہ لینا چاہیے اور ہم یہ کہتے ہیں کہ زاب اور زہ
کسی وقت ایسی سیاست میں حصہ لینا جائز ہے جس کی بنیان کے مسلم معتقدات کے
خلاف اٹھائی گئی ہو۔ خواہ ایسی سیاست کی باگ ڈور خود مسلمانوں کے اپنے ہی ہاتھوں

میں کیوں نہ ہو۔ پھر ہمارا مشورہ محسن بلی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ ہم ایک روشن اور درخشان انتباہی پہلو کبھی مسلمانوں کے سامنے پیش کرتے رہے ہیں اور ان سے یہ کہتے ہیں کہ تم اپنی کوششوں کے رُخ کو دین کی جانب پھر دو اور جس سرگرمی، مستعدی اور ایثار کے ساتھ تتم ابھی تک غلط قومی کاموں میں لگے ہوئے تھے اس سے زیادہ خلوص، شعور اور جذبہ ایمانی کے ساتھ اب اقامتِ دین کے فریضہ کے ادا کرنے میں منہک ہو جاؤ اور صرف اپنی قوم کے لیے جینے اور مرنے کے بجائے عام انسانیت کی فلاح و بہبود اور رب العالمین کے حکموں کے اتباع کے لیے جینے اور مرنے لگوتا کم
 إِنَّ صَلَوَتِي وَنُسُكِي وَصَحْيَايٰ وَمَمَّا قِيَّ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ کے زبانی اقرار و شہادت کے مطابق تمہارے تمام اعمال ہو جائیں اور تمہاری پوری زندگی اور زندگی کا ہر گوشہ اور ہر بیلوں دین کے دائرہ کے اندر ہونے کہ اس سے خارج تک تم اپنی زندگی سے اس بات کا ثبوت دے سکو کہ خدا نے تعالیٰ کا دین محسن عبادت و اخلاق ہی کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ اس میں تمدن، معاشرت و سیاست سب ہی کچھ داخل ہے اور قانونِ الہی کے مطابق حقیقی اور فطری سیاست وہی ہے جس میں تمام اقتدار اسی مالکِ الملک کا تسلیم کیا جائے جس نے انسان کو اس دنیا میں اپنا خلیفہ بنایا کر بھیجا ہے تاکہ وہ اس کے قوانین کی دنیا میں پیروی کرے نہ کہ موجودہ طرز کی سیاست کی طرح انسان خود قانون ساز بن جائے اور خدا نے تعالیٰ کی حاکمیت کی بجائے خود اپنی حاکمیت اور خدا نی کا ڈھنڈو را پیٹھے لے گے۔

حضرات! یہ ہیں سیاست اور سیاستِ حاضرہ کے تعلق ہمارے خیالات، مختلف مقامات پر کس حد تک اور کس تعداد میں لوگ ہمارے ان خیالات سے متاثر

ہوئے ہیں اس کا تفصیلی جواب تو آپ کو مختلف حلقوں کے قمین حضرات کی رپورٹوں سے معلوم ہو گا جو مرکزی رپورٹ کے بعد پیش کی جائیں گی لیکن ہمارا اندازہ ہے کہ مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد اس آواز سے صورت متأثر ہوئی ہے اس سلسلہ میں جو طریقی کار مقامی جماعتوں نے اختیار کیا وہ حسب ذیل ہے۔

مسلمانوں سے انفزادی طور پر روابط بڑھائے گئے تاکہ وہ ہماری بات سن سکیں۔ اور پھر اپنے اور گفتگو کے ذریعہ فرقہ واریت کے نظری اور عملی نقصانات خوب اچھی طرح واضح کیے گئے۔ اجتماعی طور پر خطابات عام اور مقامی اخبارات میں مدلل بیانات اور مضمایں کے ذریعہ فرقہ پرستی پر کڑی تنقید کی گئی اور ان پر واضح کیا گیا کہ امت و سلطنت کی حیثیت سے ان کے ایمان کے بنیادی تقاضے کیا ہیں، اور ان سے کس طرز عمل کے طالب ہیں۔ جہاں موقع مل سکا مسلمانوں کے اسن پسند اشخاص اور جماعتوں کے ذریعہ فرقہ وارانہ کشیدگی کو فساد کی حد تک بڑھنے سے روکا گیا اور کشیدگی کے زمانہ میں کتابیخانے، اشتہارات وغیرہ شائع کیے گئے نیز ان کیکشیاں قائم کرنے اور ان میں حقدانیہ کی کوشش کی گئی یعنی جگہ باضابطہ فہرستیں بنانکر سر برآ اور دہلوگوں سے تبادلہ خیالات کا اہتمام کیا گیا۔ ایک طریقہ یہ بھی رہا ہے کہ خانہ ویران مسلمانوں کی نوآبادی قائم کر کے ان کے جوش اور توجہ کو تغیری کا مول میں تبدیل کر دیا گیا۔

مسلمانوں کے دلوں میں فسادات کے نتیجے میں جو عام ہراس و سراسیمگی کی گیعنیت پیدا ہو گئی تھی اس کو اللہ تعالیٰ کی صفاتِ ربوبیت، رحم و عدل اور اس کی شان عصمت و حفاظت کی یاد نہ کر کے ان کی حرارت ایمانی اور جماعت قلبی کو نجم

ہونے سے حتی الوضع روکا گیا۔ اسی طرح جب مسلمانوں کا کوئی وہشت زدہ گروہ کسی ایسے مقام پر پہنچا جہاں ہمارے رفقار ان کی کچھ امداد کر سکتے تھے تو ہم نے ایسے خوف زدہ لوگوں میں اطمینان قلب، تعلق باللہ اور توکل علی اللہ کے پیدا کرنے کی کوشش کی اور اپنی بساط بھر ان کی مالی اعانت بھی کی۔ ان طریقوں کا جحمد اللہ مسلمانوں پر خاطر خواہ اثر ہوا۔

غیر مسلمین پر دعوت کا اثر

حضرات! بہاں تک تو ہم نے قوی کشمکش کو ختم کرنے کے سلسلہ میں ان کو ششوٹ کا ذکر کیا ہے جو مسلمانوں میں کی گئی۔ لیکن چونکہ ہماری جدوجہد کا تعلق غیر مسلموں سے بھی اتنا ہی ہے جتنا کہ مسلمانوں سے ہے اس لیے کہ ہم پیغامِ الہی کو غیر مسلموں تک پہنچانا اور ایک ایسی مثالی Ideal زندگی کی فشاںندی کرنا کہ جس سے غلط قسم کی تفریقیں مت کرو وحدت انسانیت اور وحدت الٰہ کا تصور قائم ہو سکے۔ اپنا اہم فرضیہ سمجھتے ہیں، اس لیے غیر مسلم حضرات کے صحن میں جو کوششیں ہم نے کی ہیں ان سے بھی ہم آپ کو مطلع کرنا چاہتے ہیں تاکہ غیر مسلموں میں جو کوششیں کی گئی ہیں ان کی نوعیت کا آپ کو صحیح اندازہ ہو سکے اور یہ کبھی معلوم ہو سکے کہ غیر مسلموں سے ہمارے تعلقات کی صحیح نوعیت کیا ہوئی چاہیے اور وہ ان تعلقات سے کتنی مختلف ہے جن کی نمائندگی ملک کی وہ پارٹیاں کرتی چلی آئی ہیں جن کا تعلق سیاست حاضرہ سے رہا ہے۔

اس صحن میں سب سے پہلے تو ہمیں یہ غلط فہمی رفع کرنا ہے کہ جماعتِ اسلامی ہندو شدھی جیسی کسی تحریک کا رد عمل ہے جس کا مقصد بھارت میں مسلمانوں کی تعداد بڑھانے ہے تاکہ وہ ملک کی سیاست میں اپنی کثرت نعداد کی وجہ سے زیادہ نمائندگی

حاصل کر سکیں۔

اس غلط فہمی کے رفع کرنے کے لیے تو صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ ستیا حاضرہ کے متعلق جن خیالات کا انٹھار اس سے پہلے کیا جا چکا ہے اس سے آپ خود انداز کر سکتے ہیں کہ جماعتِ اسلامی کا موقف کیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ پچھلے دنوں اس فلم کے ۲۴ تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے نام سے بڑے زور شور سے کیے جاتے رہے ہیں جن کی وجہ سے یہ غلط فہمی اگر بعض عیزیز مسلموں کے دلوں میں پیدا ہو جی جائے تو کوئی تجھب کی بات نہیں ہے لیکن اگر آپ کو ہماری دعوت کا کما حقہ علم ہو تو پھر اس غلط فہمی کے پیدا ہونے کی سرے سے گنجائش ہی نہیں رہتی۔ ہماری دعوت اس کے سرو اکیا ہے کہ تمام انسان خواہ وہ کسی قوم یا وطن سے تعلق رکھتے ہوں آدم کی اولاد اور عیال اللہ ہیں اور اس لیے ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ انسانوں کے اس رشتہ کو استوار کرنے اور عبد و معبود کے تعلقات کو صحیح اور فطری بنیادوں پر قائم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مختلف ممالک اور مختلف اوقات میں اپنے ایسے برگزیدہ بندوں کو بھیجا تھا، جنہیں ہم نبی اور رسول کہتے ہیں۔ ان تمام نبیوں اور رسولوں کی مشترک اور بنیادی تعلیم یہ تھی کہ خدا نے واحد ہی تمام اقتدار کا سر حثیت ہے، اسی کی ہدایت انسانوں کی زندگی کا قانون ہے اور چونکہ یہ ہدایت رسولوں اور نبیوں کے ذریعہ عام انسانوں نکل پہنچتی ہے لہذا نبیوں اور رسولوں کی تبلائی ہوئی تمام باتوں پر انسان کو عمل کرنا چاہیے تاکہ دنیاوی زندگی بھی امن اور صین سے گذرے اور مرنے کے بعد جب دوبارہ زندگی پا کر انسان اپنے خدا کے روپ و حاضر ہو تو وہاں اسے فلاخ و سعادت حاصل ہو۔ یہی تعلیم عرب و عجم کے تمام نبیوں اور رسولوں نے دی۔ اسی تعلیم کو یقیناً

ہندوستان میں پیدا ہونے والے رسولوں اور نبیوں نے بھی یہاں پھیلا�ا ہوگا۔ لہذا بھارت کے غیر مسلموں سے چاری گذارش یہ ہے کہ وہ بھی اپنے نبیوں اور رسولوں کی تعلیمات کو تلاش کریں اور اگر انھیں اپنے رسولوں اور پیغمبروں کی تعلیمات مل جائیں تو ان پر عمل کرنا شروع کر دیں لیکن اگر ان کے یہاں اس بارے میں مفصل ہدایات نہ ملیں تو اس کے معنی نہیں ہیں کہ وہ چیز خدا کے تعالیٰ نے ان کے یہاں نہیں بھیجی تھی بلکہ اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ انقلاباتِ زمانہ کی وجہ سے خدائی تعلیم کا بڑا حصہ وہ کھو گئی ہے، وہی چیز اسی خدا کی بھیجی ہوئی ہم ان کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ یہ انھیں کی تھوڑی ہوتی چیز ہے جو ایک دوسرے ذریعہ سے ان کے پاس پہنچ رہی ہے لہذا اس کو جانچنے پر کھنے اور پہنچانے کی ضرورت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جن اصولوں میں مسلمانوں کی، اہل ملک کی اور پوری دنیا کی کامیابی اور ترقی مضر ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی، اس کی ہدایت کی پیروی اور آخرت کی جواید ہی کے اصول ہیں۔ یہ ”اصول“ جیسا کہ امیر جماعت اسلامی ہند نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے ایک مشترک اجتماع میں فرمایا تھا، کچھ نئے نہیں ہیں، کافی تھے خالق و مالک نے ہر قوم کو اپنے رسولوں کے ذریعہ ان اصولوں سے روشناس کیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ انھوں نے بڑی حد تک انھیں بھلا دیا تاہم ان اصولوں کے اثرات آج بھی نیکی و اخلاق کی شکل میں قوموں کی زندگی موجود ہیں۔

”ہمارے پاس ان اصولوں کی بنیاد پر ایک کامل، مرتب اور عملی نظام بھی موجود ہے جو کم از کم اس وقت دوسری قوموں کے پاس موجود نہیں ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ دنبا کے تمام انسان اس پر غور

کریں اور اگر وہ ان کے لیے قابل قبول ہو تو اسے قبول کر لیں لیکن موجودہ حالات میں اپنے غیر مسلم بھائیوں سے ہمیں اس کی توقع نہیں ہے لیکن ان سے اتنی درخواست ضرور ہے کہ وہ ان ہی اصولوں کو اپنا میں اور ان کی بنیاد پر جو نظام زندگی ان کے بہان موجود ہو اسے ملک میں نافذ کریں ہم اسے یورپ کے لادینی نظاموں پر ترجیح دیں گے۔ اس نظام میں اگر ہم جیسے مسلمانوں کے لیے قتل کی سزا ہو تو ہم اس کے لیے بھی راضی ہیں اور لادینیت کی روکور و کٹنے کے لیے یہ فربانی دے سکتے ہیں لیکن ہمیں امید نہیں کہ کسی مذہب میں جو خدا تعالیٰ تعالیٰات سے کچھ بھی تعلق رکھتا ہو اس قسم کے قوانین موجود ہوں گے۔

(الانفاس۔ یکم فروری ۱۹۴۵ء)

حضرات! اس نہن میں آپ کو یہ شبہ نہ ہو کہ ہم غیر مسلموں کو اس قسم کے نظام قائم کرنے کی دعوت دے رہے ہیں جو ہندو مہا سभا یا راشٹریہ سیوک سنگھ کے لیڈروں کے پیش نظر ہے۔ ان حضرات کا یہ نظر یہ توجہاں تک ہمارے علم کا تعلق ہے جن قوم پرستی کا نظر یہ ہے جو اس اصولی نظر یہ سے کسی طرح میں نہیں کھاتا جس کی طرف غیر مسلموں کو ہم دعوت دیتے رہے ہیں اگر اس اصولی نظر یہ کی جھلک آپ دیکھنا چاہتے ہیں تو جماعت اسلامی ہند کے لٹر بھر کو ملاحظہ فرمائیے اور ہر طرح کے تعصبات سے خالی الذہن ہو کر کسی نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کیجیے۔ لیکن بد قسمتی سے تعصب کا شکار خود مسلمانوں کی غلطیوں کی وجہ سے عام طور سے اس زمانے میں ہمارے غیر مسلم برادران وطن رہے ہیں۔ نیز اس مشکل کام کو انجام دینے کے لیے جو ضروری صفات مطلوب ہیں ان سے ہمارے

بینشتر رفقار پوری طرح منصف نہیں ہیں اس لیے غیر مسلموں میں ہمارے کام کی رفتار
شست رہی ہے۔ بھی وجہ ہے کہ ہندی رسالہ "اجالا" جو غیر مسلموں تک دعوت
پہنچانے کا ایک اچا ذریعہ ہو سکتا تھا اور جس کو باوجود خسارے کے ہم نے کافی عرصہ
تک جاری رکھا غیر مسلموں میں مقبول نہ ہو سکا اور مجبوراً اس کو بند کرنا پڑا۔ اب اس کا
کے بجائے چھوٹے ہندی پھلیٹوں کے شائع کرنے کی تجویز زیر غور ہے۔ تاہم اس کا
یہ مطلب نہیں ہے کہ غیر مسلموں میں ہمارا کوئی کام نہیں ہو رہا ہے۔ خدا کے فضل سے ہم
اپنی دعوت کے متاثرین میں بھارت کی ماہر ناز ہستیوں کو گناہ کرنے سکتے ہیں۔ گاندھی جی تو
ہمارے کام سے تقیم ہند کے قبل ہی واقع تھے لیکن تقیم کے بعد ہم نے ڈاکٹر
راجندر پرشاد، پنڈت جواہر لال نہرو، ڈاکٹر ٹیبا جہانی سیتاریہ، پنڈت گوبیند بلخوبیت،
شری راج گوپال اچاریہ، سردار بلدیوس سنگو، سر مہاراج سنگھ وغیرہ اصحاب تک اپنی
دعوت پہنچانے کی کوشش کی، اس طرح تقیم کے بعدست اب تک ڈھانی ہزار کے قریب
سجیدہ، ذہین اور اہل فکر غیر مسلم حضرات کو دعوت سے مفارف کرنے کی کوشش
کی گئی ہے۔

۱۹۷۹ء میں بے پور کانگریس سیشن کے موقع پر جماعت اسلامی ہند کی تبلیغی
سرگرمیوں کی پورٹ جن حضرات کی نظر سے گزری ہو گی وہ اس حقیقت سے بخوبی
واقف ہوں گے کہ سجیدہ اور اہل الرائے طبقہ غیر مسلمین میں کس خوش آندھ طبیعت سے
ہماری دعوت کو سمجھنے کی کوشش کی گئی۔ اس موقع پر غیر مسلم حضرات کی ایک اچھی خاصی

تعداد نہ ہندی ترجمہ قرآن پاک کے مطالعو کا اشتیاق ظاہر کیا جس کی بنیاد پر جماعتِ اسلامی ہند نے یہ فضیلہ کیا کہ ہندی زبان میں کلام پاک کے ترجمہ کا انتظام کیا جائے چنانچہ مولانا صدر الدین صاحب اصلاحی کی خدمات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قرآن پاک کے ڈھانی پاروں کا ترجمہ ان ایک مبسوط مقدمے کے جو تقریباً سو صفحات پر مشتمل ہوگا اس وقت بک قریب قریب تیار ہو چکا ہے۔ یہ ترجمہ اور اس کے حواشی اس طرح مرتب کیے گئے ہیں کہ غیر مسلموں کو اسلام کے بارے میں جو احتجینیں ہوں وہ عدافت ہوتی چلی جائیں اور وہ اسلامی تعلیمات کو ان کی اصلی فشنکل میں اور ان کے مأخذ سے براہ راست سمجھ سکیں۔ یہ ترجمہ مع تفسیر ماہنامہ "زندگی" رامپور میں "تیسرالقرآن" کے نام سے ماہ بہاء شائع ہوا ہے اور یہ طے کیا گیا ہے کہ پہلے کم از کم مقدمہ اور سورہ بقرہ کے ترجمہ کے شائع کرنے کا انتظام کیا جائے گا۔ فی الحال ہندی زبان میں ترجمہ اور تصحیح کے کام کی طرف توجہ کی جا رہی ہے لیکن جونکہ طباعت وغیرہ میں اس سلسلہ میں کافی روپہ صرف ہوگا اس لیے سر دست اس کام میں کچھ ناخیری ہو گی۔ اسی ضمن میں یہ انتظام بھی ہمارے پیش نظر ہے کہ اگر ممکن ہو تو دو ایک رفقاء کو خاص طور سے ہندی زبان میں مہارت پیدا کرنے اور غیر مسلم حضرات کے اپنے لڑپرستے براہ راست آگاہی حاصل کرنے پر مامور کیا جائے تاکہ آئندہ یہ رفقاء مخصوص طور پر غیر مسلموں کے لیے جماعت کا لڑپرست تیار کرنے میں مغاید ثابت ہو سکیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جب تک ایسا لڑپرست کافی تعداد میں تیار نہ ہو جائے ہم غیر مسلموں میں اپنے کام کی رفتار کو دھیما کر دیں گے۔ بلکہ جتنا کچھ لڑپرست ہندی اگریزی یا اور دوسرا زبانوں میں ہمارے پاس موجود ہے اس سے کام لینا چاہیے اور ہمارے رفقاء کو جو ہندی زبان میں کچھ مہارت رکھتے ہیں لڑپرست کی تیاری میں مرکز کی

ہر ممکن امداد کرنا چاہیے لیکن ان سب سے اہم اور ضروری بات یہ ہے کہ رفقا اکو
غیر مسلموں کے سامنے ہر آن اپنے طرزِ تندگی سے اس چیز کا عملی نمونہ پیش کرتے رہنا
چاہیے جس کو وہ دنیا والوں کے لیے فلاح و سعادت کا صاف منجھٹنے ہیں جو حقیقی تبلیغ یہی
ہے اور اسی سے وہ بین فرق غیر مسلموں کی سمجھیں آسکتا ہے جو جماعت اسلامی ہند کے
رفقا کے رویہ اور دوسری جماعتوں کے منتسبین کے رویہ میں پایا جاتا ہے۔ محمد اللہ
کہ ہمارے بعض رفقا کے متعلق غیر مسلم نہ صرف ایک اچھا گمان بلکہ ان پر پورا اعتماد
رکھتے ہیں۔ غیر مسلموں میں ہمارا اصلی کام یہی ہے کہ انھیں خدا ترس اور خدا پرست
بننے کی دعوت دیں۔ اس دعوت کے سلسلہ میں اگر مشکلات بھی پیش آتی ہیں تو ہم انھیں
گواہ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ جو زحمتیں ہمیں ائے دن سی، آئی، ڈی وغیرہ کی نقیضیں اور
تحقیقات کے سلسلہ میں پیش آتی رہتی ہیں ان سے گھبرا نے کے بجائے ان کو کام کے
لوامز میں سے سمجھنا چاہیے۔ بعض مرتبہ اس قسم کی زحمتیں اس لیے بھی پیش آتی ہیں کہ
مقامی طور پر ہمارے رفقاء کی صحیح پوزیشن مقامی حکام وغیرہ کے سامنے واضح نہیں
ہوتی اور وہ ہماری کوششوں کے متعلق طرح طرح کی غلط فہمیوں میں بتلا ہوتے ہیں
لیکن مناسب طریقوں سے اگر ان غلط فہمیوں کو رفع کرنے کی سعی کی جائے تو ہماری
اطلاعات کے مطابق بعض مقامات پر خود غیر مسلم حکام اور عمال نے ہمارے رفقاء کی
بعض کوششوں کو جوانخواں نے فسادات کے دوران میں کیں بڑی فدر و مزالت کی
نگاہوں سے دیکھا ہے۔ خود امپور شہر میں ایک نازک موقع پر بیان کی مختلف جماعتوں
کے سمجھیدہ حضرات نے ایم بر جماعت کو اس کام کی انجام دہی کی صدارت کی ذمہ داری پر
کر دی اور جس رoad اور بام اعتماد سے اس موقع پر سب لوگوں نے

مل کر کام کیا وہ اس بات کا زندہ ثبوت ہے کہ بے کوٹ خدمتِ خلق کا جذبہ اگر لوگوں کے دلوں میں موجود ہو یا پیدا کر دیا جائے تو وسیعِ دائے میں انسانیت کی خدمت کس خوبی سے انجام پاسکتی ہے۔

فسادات کے بارے میں جماعت کا مسلک

حضرات! ہماری ماضی قریب کی تاریخ میں اس خونی دور کی اہمیتِ قابلِ فرمائش ہے جس کے اٹھائے ہوئے ہنگاموں سے آج تک ہماری یہ سر زمین لرز رہی ہے اور جسے ہندوستان کا سیاہ ترین دور کہا جائے گا۔ میری مراد اس دورِ فسادات سے ہے جس کا آغاز ۱۸۵۷ء کے اوائل سے ہوا، ۱۸۵۷ء میں اپنے شباب پر پھنا اور جس کی ہولناک تاریخ نے ہم سب واقف ہیں۔ آج جب کرتقیم ہند کے بعد پہلی بار جماعتِ اسلامی ہند کا کل ہند اجتماع ہو رہا ہے، پھر درست محسوس ہوتی ہے کہ جماعت کے ان افکار اور اعمال کا بھی اچھا لذکر کر دیا جائے جو اس دور میں اس نے پھیلائے تھے۔

فسادات کا سلسلہ دیتے تو ۱۳ اپریل ۱۸۵۷ء کو یوپی کے مفادِ ہی سے شروع ہو گیا تھا لیکن اگست ۱۸۵۷ء سے تو یہ ملک میں اس طرح پھینا شروع ہو گیا جیسے جنگل کو کسی نے آگ لگادی ہو۔ صدرِ میل کے علاقوں میں با قاعدہ جنگیں لڑی گئیں اور وہاں کی اقلیتوں کو سرے سے مٹا دینے کی مہیں عمل میں لانگیں۔ یہ دیکھ کر بھی بے حد دُکھ ہوا کہ ملک کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک دونوں قوموں کے لیڈروں اور اخباروں نے آگ لگانے میں تو پورا حصہ لیا لیکن معدودے چند لوگ ایسے تھے جنکو

فی الواقع خلوصِ دل کے ساتھ یہ کوشش کی ہو کہ یہ فسادات نہ ہوں اور دونوں قوموں کے تعلقات عداوت و دشمنی کے بجائے صلح و محبت پر قائم ہوں۔ بہرحال شریعت انسانوں کا فرض یہ ہے کہ وہ جہاں جتنی قوت رکھتے ہوں خدا کی زمین پر امن اور انصاف قائم کرنے کی کوشش میں صرف کریں۔

جماعتِ اسلامی نے فسادات کی آگ بھڑکنے سے پہلے ہی اس کے آثار بجانب یہ تھے بلکہ وہ کئی سال سے ہندوستان کے لوگوں کو یہ تباہی کی کوشش کر رہی تھی کہ جس راستہ پر تم جا رہے ہو اس کا نیچہ بجرا ہمی جنگ اور سب کی تباہی کے اوپرچھ نہیں ہے۔ ستمبر ۱۹۴۷ء میں جب اس تباہی کے آثار صاف نظر آئے لگے تو جماعت نے آنے والے فسادات کے بارے میں اپنا مسلک اور طرزِ عمل واضح طور پر متعین کر کے تمام ارکانِ جماعت کے نام حسبِ ذیل ہدایات بھی تھیں :

”سوال کیا جا رہا ہے کہ اگر کہیں فسادات رو نہ ہوں تو ہم کیا روتے“

اختیار کریں ؎ اس سلسلہ میں عام ہدایات اس سے پہلے ترجمان القرآن میں دی جا چکی ہیں۔ اب مجلسِشوریٰ کافی غور و خوض کے بعد حسبِ ذیل

ہدایات دیتی ہے :

- ۱۔ عام فسادات کی حالت میں ارکانِ جماعت کے یہ اپنے تحفظ کا سب سے بڑا ذریعہ ان کا اپنا اخلاقی روایہ اور ان کا قومی و نسلی تھبیتا سے بالاتر ہو کر خیر و صلاح کی عملاً دعوت دینا ہے۔ اس معاملہ میں ارکانِ جماعت جتنے زیادہ راست رو اور بے شر ہوں گے اور جس قدر زیادہ بھلائی کرنے اور بھلائی کی طرف دعوت دینے میں سرگرم ہوں گے اسی

قدر زیادہ فتنہ عام کی آگ سے ان کا محفوظ رہنا متوقع ہے اور جس قدر زیادہ بے عمل رہیں گے اسی قدر زیادہ خطرے میں رہیں گے۔ ۲۔ اگر فسادات کی حالات میں کوئی رکن جماعت گھر جائے اور اس پر تسلیک کیا جائے تو حق الامکان استہ نمذ آوروں کو نصیحت کرنی چاہیے اور اگر اس کو صرف نہ ہوتواپن مدافعت کے لیے باخواہ مٹا سکتا ہے اس سورت میں اگر اس کے باختر سے کوئی مارا جائے تو مقتول کے فون کی ذمہ داری شرعاً خود مقتول ہی پر ہو گی۔ مدافعت میں باخواہ مٹلنے والا عند اللہ بری ہو گا۔ اور اگر مدافعت کرنے والا خود مارا جائے تو وہ انشاء اللہ شہید ہو گا۔

۳۔ اگر کسی رکن جماعت کے سامنے ہندوؤں یا مسلمانوں کا کوئی گروہ کسی مظلوم پر دست درازی کر رہا ہو تو اس کو روکنے کی اوپر مظلوم کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے حتیٰ کہ اس سلسلہ میں خود اپنی جان بھی خطرے میں پڑ جائے تو اس خطرے کو ابگیز کر دیا جائے۔

۴۔ فسادات کی حالت میں اگر کوئی شخص یا خاندان خطرے میں بدلنا ہو خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم اور خواہ وہ خود پناہ مانگے یا زمانگے اپنی طرف سے کوشش کر کے اسے اپنی پناہ میں لے لیا جائے اور اپنے اپنے کو خطرے میں ڈال کر بھی اس کی حفاظت کی جائے۔

۵۔ فسادات کے زمانہ میں جب کبھی اور جہاں کہیں موقعہ بلاغہ النا کو ادا کر ممکن ہو تو فسادات بھر طکانے والے سر غنوں کو سمجھائی کی کوشش

کی جائے، ان کو خدا سے ڈالیا جائے۔ اگر مسلمان ہوں تو ان کو دین کا حقیقی مقصد اور اس کے حصول کا صحیح طریقہ بتایا جائے اور ان پر واضح کیا جائے کہ قومی کنشکش اور اس کے لیے یہ فساد کسی درجہ میں بھی عند اللہ مقبول نہیں ہے اور اگر غیر مسلم ہوں تو ان پر قوم پرستی کے بڑے نتائج واضح کیے جائیں۔

(ترجمان القرآن۔ جلد ۲۹، صفحہ ۲۸۸)

فسادات کے دوران میں ہمارا رویہ

ان ہدایات پر ہمارے رفقا نے کس طرح عمل کیا اسے بھی مختصر آسن لیجئے۔
ہمیں یہ بتانے ہوئے بہت سرت ہوتی ہے کہ ہمارے رفقا اور ہمدردوں اور متأثرین نک نے اکثر مقامات پر بہت اچھا کام کیا اور اپنی سیرت و کردار اور عدل و انعامات پر مبنی روشن سے ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کی صحیح خدمت کی لیکن ظاہر ہے کہ ارکان کی تعداد ملک میں اس وقت اکٹے میں نک سے بھی کم تھی اس لیے جماعت کی اس روشن کا اثر عام طور پر نمایاں نہ ہو سکتا۔ تاہم امتسرا اولینڈی جہلم، ضلع کمیل پور، روڈی، ضلع حصار اور بابا پور ضلع نظام آباد میں ہمارے ارکان اور ہمدردوں نے جو کام کیا ہے اس کی تفضیلات جماعت کی روادھتی پنجم میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں جن سے ہمارے طرزِ نکروں کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

نقیم ہند کے بعد فسادات کے موقع پر جو کوششیں جماعت اسلامی ہند کے رفقا نے کی ہیں ان میں سے خصوصیت کے ساتھ سہار ضلع متھرا، بریلی، اجائز واقع

حیدر آباد کن، فیض آباد اور ڈالٹن گنج واقع صوبہ بہار کے رفقا مرکی کوششوں کا سرسری تذکرہ قائمے سے خالی نہ ہو گا۔

قصبہ ڈالٹن گنج صوبہ بہار میں جو واقعہ ہوا اس کے متعلق ہمارے رفیق یوں لکھتے ہیں :

”ایک ہر تیر ہمارے شلیع اسکول اور ایک دوسرے ہائی اسکول کے لڑکوں کے درمیان فٹ بال پیچ کے سلسلہ میں فساد ہو گیا۔ دونوں طرف سے محنت باری اور ہاتھا پانی ہو رہی تھی۔ دونوں طرف سیکٹروں لڑکوں کا ہجوم تھا، پتھرا اور اینٹ کی بارش کے درمیان میں دونوں مجموعوں کے پیچ میں کو دپڑا۔ اور الحمد للہ میری کوششوں سے مشتعل پارٹیاں منتشر ہو گئیں۔ میرے اسکول کے لڑکوں سے دوسرے اسکول کا ایک لڑکا زخمی ہو گیا تھا اسے لے کر میں ہسپناں گیا اور ڈاکٹر کے پاس جا کر مرہم پٹی کرائی۔ اس طرح کی دو ایک اور مثالیں ہیں جن میں میری ناجائز کوششوں سے فساد روک گیا۔“

فیض آباد، جالندھر اور قصبہ سہار شلیع منہزاں میں ہمارے رفقائے جماعت نے جسیا کہ ان کی رپورٹیں ظاہر کرتی ہیں بلا لحاظ مذہب و ملت مصیبت زدؤں کی امداد کے لیے خدمت خلق کا فرض انجام دیا ہے۔ چنانچہ رخموں کی خدمت اور دیکھ بھال اور تیارداری کی کمی جس سے ان کے کردار کے اچھے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔

فیض آباد میں حصہ حیثیت نظلوں میں کی مالی امداد بھی کی گئی۔ بریلی کے ہمارے رفیق کی اطلاع ہے :

”فِسَادَاتُ كَيْ دُورَانٍ مِّنْ صَرْفِ مُسْلِمَانُوںْ تِنْكَ ہی خَدْرَتْ کَا
کَامَ مُحَمَّدَ وَدَنْهِیںْ رہا۔ اَلْفَرَادِیِ حِبْشِیتْ سے عَلَی طُورِ پِر اِنسانِی ہَدْرَدِی
کی گئی مُثَلًا غَيْرِ مُسْلِمَوںْ کی تِنْمَارِدارِی وَغَيْرِهِ کی گئی۔“

جاہِ نَبِی بلا قَعْدَتِی مَذَرِب وَمَلْت زَخِیوں کی دِیکھ بھال اور مَرِیم پی کا کام
کیا گیا۔ فِسَادِ چُونکَ اِچاںک پھوٹ پڑا اس لیے روک تھام میں کوئی قابل ذکر کام نہ ہوا کا۔
ہمارے رِفِیق تحریر کرنے ہیں:

”جَنُورِی ۱۹۵۶ء میں بہاں اِچاںک فَرْقَ وَارَانْ فِسَادِ پھوٹ پڑا۔
مَفَاعِی اِرکان فِسَادَ کے بعد دو خانہ جا کر زَخِیوں کی دِیکھ بھال اور خَدْرَتْ
کرتے رہے۔ فِسَادِ چُونکَ اِچاںک اور غَيْرِ مَتَوْقَع طُورِ پِر رونما ہوا تھا اُنھے
قبل از وقت اس کے اندفاع کا کوئی موقع نہ مل سکا۔“

فِسَادَ کے دُورَان میں جہاں جہاں مسلمان آبادیوں میں خوف و ہراس پھیلنے کا
اَندِیشہ تھا۔ وہاں ہمارے رفتار نے بلا خوف و خطروپنگ کر مسلمانوں کو بھاگنے اور
نقل مکانی کے مفاسد تلاکر ان میں صبر و سکون پیدا کرنے کی کوشش کی ہے جس سے
فِسَادَ کے وسیع ہونے کے امکانات کبھی کم ہوتے چلتے گئے۔ اس موقع پر یہ بھی عرض
کر دینا بے محل نہ ہو گا کہ جہاں ہندو مسلم کشمکش میں زیادہ تکچاو پیدا ہو کر فِسَادَ کا
اَندِیشہ پیدا ہو جاتا ہے وہاں اِرکان کا کیا عمل رہتا ہے۔

بنارس میں ہمارے ایک رِفِیق جن کا گھر خاص ہندو محلہ میں ہے فِسَادَ کے دُورَان
میں کبھی اپنے مکان کو جھوڑ کر نہیں گئے۔ چنانچہ اس کا خاصا اثر محلہ والوں پر پڑا جھوٹی
ہمارے رِفِیق کی دلیری اور اخلاص کا اعتراف کبھی کیا۔ فِسَادَاتَ کے مسلسل میں بالعموم

جو طریقے ہم نے اختیار کیے ہیں ان میں سے ہم صرف چند کو مشال کے طور پر بہاں
عزم کریں گے۔

۱۔ کمیٹیاں بنانے کی کوشش کرنا جس میں دونوں فرقوں کے معزز اور امن پسند
لوگوں کو شامل کیا جاتا ہے۔

۲۔ فرقہ پرستی اور اس سے پیدا شدہ ذہنیت پر کڑی تنقید کر کے اس کی ضریب
دونوں فرقوں کے لیے تبلانا، اس کے لیے کتابیجے، پغفلت شائع کرنا، خطابات
کے موقع پرید اکرنا اور انفرادی ملاقاتوں اور گفتگوؤں میں دونوں فرقوں کے
لوگوں کے جذبات کو ٹھنڈا کرنا، ان کو اخلاق اور انسانیت کے بلند اصولوں
کی طرف متوجہ کر کے صلح و اشتیٰ کی طرف بلانے کا کام پوری سرگرمی کے ساتھ
کیا جاتا ہے جس کے اثرات اچھے نکلے ہیں۔ چنانچہ بھوپال اور ٹونک میں یہ کام
کامیابی کے ساتھ کیا جا چکا ہے۔ دیگر بہت سی جگہوں پر امن پسند لوگوں کو
سمجھانے بھجنے سے فسادات کی روک تھام ہو سکی ہے۔ مثلاً اورنگ آباد ضلع
بنارس سراۓ میر مہوارہ کلاں ضلعِ اعظم کڑیو، صفحی پور ضلعِ اناؤ و غیرہ وغیرہ۔

اس سلسلہ میں مختلف مواقع پر امیر جماعت اسلامی ہند جو بیانات اور ہدایات
دیتے رہے ہیں ان کا خاطر خواہ اثر ہوا ہے۔ ”بیام امن“ کے عنوان سے رامپور کے اخبار
میں ایک اپیل مارتজ نہیں میں شائع ہوئی جبکہ شاہجہاں پور اور پلی محیت کے علاقوں
میں فسادات کی آگ پھیل رہی تھی اور اندریشہ تھا کہ شاید رامپور اس کی پیسٹ میں نہ کجا جائے
امیر جماعت نے پسند بیان میں فرمایا:

”دوسری بات جو اس موقع پر ضروری ہے یہ ہے کہ اس وقت

ہر شخص کو پوری احتیاط کرنے چاہیے کہ اُس سے کوئی ایسی بات
یا حرکت سرزد نہ ہو جو کسی فرین کے لیے کسی درجہ میں بھی وجد اشتعال
ثابت ہو سکے۔ اور اگر کسی ایک فرد یا چند افراد کی طرف سے اس طرح کی
کوئی بات سرزد ہو بھی جائے تو اس کا مقابلہ انتہائی صبر و صببٹ سے کیا جائے
اور اس کو کوئی قومی شکل دینے کے بجائے اس کو محض اس کی ذات تک
محدود رکھا جائے اور اگر وہ اپنی قوم کا آدمی ہے تو اس کی حمایت و
ہمت افزائی کرنے کے بجائے اس غلط کام پر اس کی ملامت کی جائے۔
اس طرح توقع ہو سکتی ہے کہ امن و امان کی موجودہ فضاقاً قائم رکھنے میں
ہم کامیاب ہو سکیں گے۔ میں اس کے لیے انتہائی خلوص کے ساتھ دو ذیں
فرقوں سے اپیل کرتا ہوں۔» (الانصاف۔ ۲۵ مارچ سنہ ۱۹۶۷)

خدمتِ خلق بلا الحفاظ مذسب و ملت

حضرات افساد کے علاوہ فقط، سیلاب، آتش زدگی یا ایسے ہی دوسرے نوافع
پر بھی جماعتِ اسلامی ہند اپنے محدود ذرائع و وسائل کی حد تک اہل ملک کی بلا امتیاز
مذہب و ملت خدمت کرتی رہی ہے۔ ^{۱۸} میں ہندوستان کے متعدد صوبوں
اور خاص طور سے صوبہ یو، پی میں بارش کی کثرت اور دریاؤں میں طغیانی آجائی کی
وجہ سے ملک میں بڑی تباہی پھیل گئی۔ پنڈت پنچن و نیراعظم یو، پی کی اطلاع کے
مطابق یو، پی کے بیس لاکھ آدمی گنگا کے سیلاب کی وجہ سے بے خانماں ہو گئے۔ ایسے
موقع پر امیر جماعتِ اسلامی ہند نے رفقاً رکون کی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کیا۔ آپ

نے رفقاء کو ایک اعلان کے ذریعہ اس طرف مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ "ہم میں سے جو شخص جس طرح کی بھی مدد مصیبت زدؤں کو پہنچا سکتا ہے اس کو بلا دریغ بلا تقریب مذہب و ملت نوراً پہنچانی چاہیے کیونکہ یہ ہمارا ایک دینی فریضہ ہی نہیں ہے بلکہ یہ ہماری عملی تربیت کا ایک بہترین ذریعہ بھی ہے۔" آپ نے فرمایا کہ :

"اس وقت سب سے مقدم کام روپیوں کی مدد ہے۔ اس کام کے لیے جس سے روپیوں پسیوں کی جو مدد بھی بن پڑے اسے بے دینے کرنی چاہیے اور اس کام کے لیے آپ دوسروں کو بھی مدد کرنے کی طرف توجہ دلا سکتے ہیں۔"

اس سلسلہ میں حلفہ بنارس، کانپور اور ال آباد کے قیمین کے پاس رفتیں جمع ہوئی تھیں جنہیں مستحقین کو دیا گیا۔ نیز ہمارے رفقاء نے خاص طور سے بلیا، غازی پور اور بنارس کے بعض ایسے دیہاتوں کا دورہ کر کے امدادی کام کیا جہاں سیلاب کی وجہ سے بتاہی آگئی تھی۔

اسی طرح پہار میں غلط کی کمی کی وجہ سے جونا زک صورت حال پیدا ہو گئی ہے اس سلسلہ میں رفقاء کو حسب ذیل مشورے دئے گئے ہیں :

الف - اول مختلف گاؤں کی صحیح غذائی حالت سے حکومت کے ذردار لوگوں کو باخبر کیا جائے اور گاؤں میں کنٹرول ترخ پر غلط کی فراہمی کی کوشش اور مناسب طریقے پر ان کی تقیم کا انتظام کیا جائے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں لوگوں کی کوشش سے کئی جگہ کامیابی ہوئی ہے۔

ب - جماعت یہ تعلق رکھنے والے حضرات کو توجہ دلانی گئی ہے کہ وہ فاقہ زدؤں کی

امداد کا خاص طور سے خیال رکھیں، جن کو اپنی صورت سے زیادہ میسر ہو اگر ان سے ہو سکے تو اپنے کھانے کا پابندیوں حفظ کر فاقہ زدہ کی اعانت کریں جن سے ہو سکے وہ ہفتہ میں ایک روز روزہ رکھیں اور دن کا کھانا بچا کر فاقہ زدوں کی امداد کریں۔

خدا کا شکر ہے کہ ان مشوروں پر بہت سے حضرات عمل کر رہے ہیں۔ بعض خاندانوں میں تواجی اعلیٰ طوب پر ان پر عمل ہو رہا ہے، یعنی پورے خاندان کے کھانے کا پابندیوں حفظ بچایا جاتا ہے اور خاندان کے تمام بالغ اور نندرست، آدمی ہفتہ میں ایک روز جمعرات کے دن روزہ رکھتے ہیں اور پہنچنے والے غذائی ہر مذہب و ملت کے فاقہ زدوں کی امداد کی جاتی ہے۔ کچھ غرض ہوا کہ ملک صوبہ بہار میں پوسا کا پورا دینہات آگ کی نذر ہو گیا جس کی وجہ سے ہندو مسلمان دونوں پریشانی میں بتلا ہو گئے۔ ان کے مکانات نذرِ آتش ہو گئے، غلے جل گیا، پہنچنے کے کپڑے بر باد ہو گئے اور طرح سے لوگ تباہی کا شکار ہو گئے۔ ایسے موقع پر جماعت کے افراد نے بلا انتیار نذر ہبہ ملت وہاں کے لوگوں کی خدمت کی ان کے لیے کھانا مہیا کیا، کپڑا مہیا کیا، ہماری بہت سی مقامی جماعتوں نے ان کی روپے پیسے سے مدد کی۔ حتیٰ کہ بعض رفقار نے تباہ شدہ مکانوں کی تعمیر میں جہاں تک ممکن تھا اپنے ہاتھ دیکھیوں سے کبھی مدد کی اسی طرح حید۔ آبادیں پُلیس ایکشن کے بعد غنڈہ عناصر کی وجہ سے جو مرد گورتیں اور پچے تباہ حال ہو گئے تھے ان کی امداد و بھائی کے لیے جماعت کی طرف سے ایک اسکم تیار کی گئی تھی جس سے پریشان حال نوگوں کی امداد و اعانت کے لیے خواہ وہ کسی قوم سے تعلق رکھتے ہوں سبیل نکالی گئی تھی امیر جماعت اسلامی ہند نے اس اسکم کی طرف

اپنے رفقا اور دیگر اصحابِ خیر کو توجہ دلاتے ہوئے فرمایا تھا کہ "جیدر آباد میں جو افسوسناک حالات رومنا ہوئے ہیں ان کا علم ہر شخص کو کم و بیش ہو گا۔ ایسے حالات میں ہر درد مند انسان پر خواہ وہ کسی قوم و نسل سے نعلق رکھتا ہو جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں وہ بالکل خلا ہر ہیں۔ اسی لیے ہم نے یہ طے کیا ہے کہ ہم اپنے محمد و دوسرے والوں و ذرائع کے ساتھ اس سلسلہ میں جو کچھ کر سکتے ہیں اس میں درینہ نہ کریں گے۔" چنانچہ اس ایسیں کا خاطر خواہ اثر ہوا اور حلقة جیدر آباد کی جماعت کی وساطت سے امداد و ریلیف کا خاص کام ہوا۔ مگر برگہ اور جیدر آباد میں تویرہ کام محمد و پیمانہ پر ہوا لیکن بیدر میں ایسے موقع نکل کے جہاں ایک ریلیف کیمپ کھولا گیا۔ یہ کیمپ، اکتوبر ۱۹۶۸ء کو جاری کیا گیا جہاں مظلومین کے کھانے کا انتظام کیا گیا تھا اور کپڑوں سے بھی مدد کی جاتی تھی۔ روزانہ کیمپ سے مستفید ہونے والوں کی تعداد ڈھانی سورہ تھی۔ غد اور کپڑے سے بیدر کے لوگوں نے مدد کی اور کچھ کپڑا جیدر آباد سے فراہم کر کے روانہ کیا گیا۔ مقامی آبادی نے رسمی اعانت میں حصہ لیا اور کچھ رقم جیدر آباد سے بھی کراکے بھیجی گئی۔ یہ کیمپ نین ماہ تک اچھے پیمانہ پر جاری رہا۔ جہاں تک کہ حالات کچھ اعتدال پر آئے اور حبوب لوگ اپنے دیہاتوں یا جیدر آباد کو منتقل ہونے لگے تویرہ کیمپ جنوری ۱۹۶۹ء کو برخاست کر دیا گیا لیکن انفرادی امداد و اعانت کا کام جاری رہا۔ کچھ لوگوں کو مدد کے لئے کار و باریا مزدوری پر لگایا گیا۔ اس کیمپ پر ۱۳ میں غدر اور ۲۰ اردپہ ۲۰ آئنے ۸ پانی خریج ہوئے۔ مقامی آبادی نے پانچ سور و پیوں کے غدے اور ۳۰ روپے نقد رقم سے مدد کی اور جیدر آباد سے پانچ سور و پیے نقد اور تقریباً ایک سور و پیے کے کپڑے اور مکبل روانہ کیے گئے۔ کیمپ برخاست ہونے کے بعد انفرادی

امداد جاری رہی۔ اب چونکہ دیہاتوں میں اکثر بولڑھی عورتیں اور چھوٹے بچے رہ گئے ہیں۔ فوجوں میں اور عورتیں شہر میں منتقل ہو گئی ہیں اس لیے اس ایکم کے نفاذ کے خیال کو ترک کرنا پڑا۔ ریلیف فنڈ میں مبلغ ۳۴۳ روپے چودہ آنے سکے عنوانیہ اور تین ہزار چھوٹے سوا ملخانوں کے روپیہ آٹھ آنے ہندوستانی سکے میں وصول ہوئے تھے۔ اس دوران میں بیدر میں امداد و اعانت کا کام جاری رہا۔ نہاد میں دوسو بیواؤں کو ریلیف کمیٹی حیدر آباد کی بھی ہوئی دو ہزار ساڑھیوں کی تقسیم دیہات کا دورہ کر کے مستحقین میں کئی گئی دوسو بیواؤں کو دو سال کے لیے وظیفہ دلوائے گئے۔ اپریل نہاد میں بیوگان کی امداد کے لیے حکومت کی جانب سے ایک صنعتی مرکز کھولا گیا جہاں تقریباً سو لاکھ بیوائیں جن کے شوہر گذشتہ فنادیں مارے گئے تھے کام کر رہی تھیں۔ اس مرکز کو جماعت کی نگرانی میں دے دیا گیا تھا۔ اب تک پچاس سال سلط اصحاب کو چھوٹے کار و بار پر لگایا گیا تقریباً سو سوا فزادی و قوتی امداد کی گئی۔ بیس بائیس افراد کو اپنے مقامات پر جانے کے لیے کرایہ ریل دیا گیا۔ تقریباً سو فزادیں مکبل اور کپڑے تقسیم کیے گئے۔ غزنیکہ ہمکن طرح سے حیدر آباد کے بہت سے بے خانہ بیوگوں کی امداد کی گئی۔

اسی طرح ایک اور موقع پر جب کافی تعداد میں پریشان شرناрختی حضرات کا ایک قالہ پاکستان سے ٹوٹک پہنچا تو ہمارے مقامی امیر جماعت کے توسط سے ان کی آباد کاری کا انتظام بہت عقول طریقے سے کیا گیا اور جو امکانی مدد ہماری جماعت کر سکتی تھی اس سے دریغہ نہیں کیا گیا چنانچہ ہمارے رفقار کی ان کوششوں کا اثر ہندو مسلم تعلقات کی خوشگوار صورتوں میں ظاہر ہوا ہے۔

غیر مسلمین کے تاثرات

حضرات!

اب آپ کو اس بات کا بخوبی اندازہ ہو گیا ہو گا کہ قومی کشمکش کو مٹانے،
اہل ملک میں ایک دوسرے کے ساتھ نعاون و اشتراک کے جذبہ کو اجھارنے اور
ان میں صحیح اصولوں کے ماتحت ایک دوسرے سے برناو کرنے کے سلسلہ میں
ہم نے اب تک کیا کوششیں کی ہیں۔ حقیقت میں معنوں کے چند لوگوں کی کوششیں
کوئی خاص وزن نہیں رکھتیں۔ تاہم ہماری ان کوششوں کے جو نتائج تھیں
ہیں وہ ہمیں اس بات پر آمادہ کرتے ہیں کہ ہم اپنی کوششوں کو نہ صرف بدستور
جاری رکھیں بلکہ ان میں اختفاء کر دیں۔ نمونہ کے طور پر ہم اس سلسلہ میں غیر مسلم
حضرات کے چند تاثرات بیان کرنا چاہتے ہیں تاکہ یہ حلوم ہو سکے کہ ہماری کوششوں
کو اس حلقة میں کس نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور ہمارے رفقار کے بارے میں کیا
راہیں قائم کی جاتی ہیں۔ غیر مسلموں میں سے ایک اچھی تعداد کا ہمارے متنق
ایک اچھا تاثر ہے۔ پڑا بھائی سیتا رمیہ سابق صدر کانگریس نے اپنی رائے کا
اطھار اس طرح کیا ہے :

Such books are bound to popularise Islam.

Its political and Social structures are more
or less a sealed book to Hindus

یعنی اس طرح کی کتابیں اسلام کو لازماً مقبول بنایں گی۔

اسلامی حکومت کا نظام اور اس کا معاشر قبائل سہدوں کے لیے

حقیر بیاً ایک سر بہر کتاب ہے۔“

اسی طرح برداڑ یہہ دہارا میں انہار خیال کیا گیا کہ یہ چیز تحقق ہے لیکن صد افسوس کہ مسلمان تو اس پر عمل نہیں کرتے اور ہماری نظر سے یہ اوجھل ہے۔ سرمہاراج سنگھ گورنمنٹ نے اپنے قلم سے شکریہ کا خط لکھا اور تحریر فرمایا کہ ان کتابوں کو میں دھیپی کے ساتھ پڑھوں گا۔

۱۔ فیروز پور میں بعض غیر مسلموں نے بھرے مجھ میں کہا کہ یہ ایسی سمجھی اور فتحیتی باتیں ہیں کہ اس سے زیادہ سمجھی اور فتحیتی کوئی بات ہو ہی نہیں سکتی۔
۲۔ اکولا برا میں بعض غیر مسلموں نے کہا کہ جماعت اسلامی جو اصول پیش کر رہی ہے ان سے دنیا کے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔
۳۔ سدھا سلطان پور ضلع اعظم گڑھ میں غیر مسلموں نے اعزاف کرتے ہوئے کہا کہ یہ دعوت ٹھیک ہے۔ اگر ان اصولوں پر کام کیا جائے تو دنیا میں امن قائم ہو سکتا ہے۔

۴۔ میر بڑھ کے چند غیر مسلم دوست نہ صرف دعوت و طریق کار سے اتفاق کرتے ہیں بلکہ افراد جماعت سے انسنیت کرتے ہیں، ان کی عزت کرتے ہیں اور اپنے معاملات میں اصلاح کی کوشش کرتے ہیں۔

۵۔ بمبئی میں غیر مسلموں نے کہا کہ اگر پہلے سے یہاں اس نظام کو پیش کیا گیا ہوتا تو نہ ہندو مسلم کشمکاش ہوتی اور نہ غربت ہی باقی رہتی۔

۶۔ پٹنہ میں جن لوگوں نے لٹریچر دیکھا سبھوں نے اس کی تعریف کی اور بعض نے اپنے دوسرے ہم مذہبوں اور بیویوں کو بھی پڑھایا۔

- ۷۔ اعظم گڑھ میں بعض غیر مسلموں نے کہا کہ اسلام اگر یہی ہے تو ہم اس کے ہم نواہیں۔
- ۸۔ مظفر پور بہار کے غیر مسلم شوک سے ہماری کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر اسلام یہی ہے تو اس سے کوئی انفاس پسند آدمی اختلاف نہیں کر سکتا۔
- ۹۔ کریم نگر میں چند غیر مسلموں میں اچھے تاثرات کے ساتھ اسلام سے متعلق عنود فکر کا رجحان پیدا ہو گیا ہے۔
- ۱۰۔ مدارس کے ایک غیر مسلم ڈاکٹرنے دعوت کو سن کر فرمایا: "یہ پیغمبر وہ کے الفاظ معلوم ہو رہے ہیں۔ بدھ، مسیح جیسے لوگوں کی تبلیغ معلوم ہو رہی ہے اور میرا دل گو اہی دے رہا ہے کہ جو کچھ پیش کیا جا رہا ہے بالکل صحیح ہے لہذا اس دعوت کو ہر ہر شہر میں تمام انسانوں میں پہنچانے میں کوتاہی نہ کرنی چاہیے۔ ہر زمانہ میں اس فتنہ کی دعوت دینے والوں کو اقل قدم ہی پر گلکلی یعنوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے میں بھی اس پر غور کروں گا اور ضرور کوشش کروں گا۔"
- ۱۱۔ ایک اور غیر مسلم ڈاکٹرنے دعوت کے اصولوں سے اتفاق کرنے ہوئے فرمایا: "یہ تو بہت اچھی چیز ہے۔"
- ۱۲۔ لاہور میں ہمارے لٹپٹھ کا مطالعہ کرنے کے بعد بعض غیر مسلموں نے اس کی بہت تعریف کی اور یعنی نے خود پڑھنے کے بعد دوسروں کو بھی پڑھنے کے لیے دیا۔ ایک صاحب نے مطالعہ کے بعد فرمایا کہ بات تو بہت معقول ہے مگر آج کل اس راستہ پر چلتا کون ہے۔ آج کل کے زمانہ میں اس راستے پر چلنے والے نوار ہے۔

۱۳۔ فیض آباد میں بعض غیر مسلموں کی لگنٹوؤں اور ان سے روابط کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے کہ ہماری دعوت اور ہماری کوششوں کو وہ اچھی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور مسلمانوں کی تمام جماعتوں میں صرف ہماری جماعت سے ہمدردی رکھتے ہیں۔

۱۴۔ میسور میں ایک غیر مسلم نے لٹریچر کا مطالعہ کر کے اس کو سراہا اور کہا کہ اگر عملی طور پر یہ چیزیں اختیار کی جائیں تو دلوں میں صفائی اور زندگیوں میں خوشنواری پیدا ہوگی۔

۱۵۔ برسیہ میں بعض غیر مسلموں کا کہنا ہے کہ اگر ان اصولوں پر سوسائٹی کو منظم کیا جائے تو دنیا میں امن قائم ہو سکتا ہے۔

۱۶۔ جے پور میں کہا گیا ہے اختیار کرنے کی چیز ہے۔ انسانیت کو اپنی قوت اسی کی اشاعت میں صرف کر دینی چاہیے۔

جے پور میں ایک مقام پر قوم پرستی کی وجہ سے ابتداءً مخالفت بھی ہوئی لیکن رفقہ کے قول و عمل کی یکسانی سے جلد ہی ختم ہو گئی۔

۱۷۔ سوانی مادھو پور میں غیر مسلموں نے دعوت کوئی بتایا اور کہا کہ انسانی دھنوں کا یہی علاج ہے۔

حضرات! ہماری کوششوں کے متعلق غیر مسلموں کا یہ نائز اس بات کا توبہ دیتا ہے کہ ہماری دعوت کو ان کے سمجھدار طبقے میں مقبولیت حاصل ہوتی چلی جا رہی ہے لیکن جب تک غیر مسلموں کے ایک بڑے طبقے کی غلط فہمیاں خود مسلمانوں اور اسلام کے متعلق رفع نہ ہو جائیں اور ان کے سامنے اسلامی سیرت و کردار رکھنے والے لوگ

ایک معتمد بر تعداد میں چلتے پھرتے نہ نظر آئیں۔ تب تک نو گوں کی سمجھو میں یہ بات آئی مشکل ہے کہ خدا کی بنندگی اور بہادیرت سے دنیا کے اور خود ہمارے ملک کے بیحیدہ مسائل کس طرح سمجھو بی اور باسانی حل ہو سکتے ہیں۔ اسلام کو تابوں سے سمجھانے کی بجائے اس کی چلتی پھرتی جیتنی چاگتی اور زندہ تصویر یو گوں کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ بھارت میں ایک ایسا مثالی معاشرہ قائم ہو جائے جو اپنے اصل اور فرع میں اسلام کی نمائندگی کرتا ہو۔ آئیے اب ان کوششوں پر بھی ایک نظر ڈال لیجیے جو اسلامی طرز کا معاشرہ قائم کرنے کے سلسلہ میں اپنے ملک میں ہم جاری کیے ہوئے ہیں۔

مثالی معاشرے کے قیام کی کوشش

ہمارے پروگرام کی دوسری شق جو ہمارے کام کا ایک بہت اہم جزء ہے یہ ہے کہ خود مسلمانوں کے اندر اسلام کا صحیح شور پیدا کیا جائے اور ان کی عملی زندگی کو ان مستقدا پر اٹھایا جائے جن کو انہوں نے دراثت^۱ یا غیر شوری طور پر قبول کر رکھا ہے۔ اس طرح جب اسلام کی نمائندگی خود مسلمانوں کی ایک قابلِ لحاظ تعداد ادا کرنے لگے گی تو اصول کردار کی جاذبیت اس کوشش کو بڑی حد تک اسان بنادے گی جو ہمیں اپنے ملک میں کرنی ہے۔ اس ضمن میں ہمیں تین چیزوں کی طرف توجہ کرنی ہے۔

اولاً یہ کہ مسلمانوں میں وسیع پیدا نہ پر اسلام کی اشاعت کی جائے۔

ثانیاً ان میں دین کی قوی و عملی تبلیغ کا جذبہ پیدا کیا جائے۔

ثانیاً مسلمانوں کی اخلاقی ہندگی اور معاشرتی اصلاح کی جائے۔

ان تینوں چیزوں کو ایک صالح معاشرے کے قیام میں جو بنیادی اہمیت حاصل ہے وہ سب پر عیاں ہے لیکن ان کو بروئے کار لانے کے لیے جس سکون اور پر امن فضائی ضرورت ہے وہ تقسیم ہندے کے بعد سے بھارت میں نہ تو داعیانِ تحریک کو نصیب ہو سکی اور نہ اپنی لوگوں کو میسر اسکی جن کے سامنے اس پروگرام کو پیش کرنا تھا۔ یہ تو سب ہی بجانتے ہیں کہ اس حقیقت کا اعتراض غیر مسلمین کے سمجھنے کے عذر نہ کو ہے کہ تقسیم کے بعد بھارت میں مسلمان نہ صرف معصوم بلکہ مظلوم بھی تھا اور یہاں کے حالات اس کے لیے بہت نازک ہوتے چلے گئے۔ ان حالات میں مسلمان پر خوف وہ راس کا طاری ہونا ایک گونہ قدرتی امر تھا۔ اور اس کا کچھ نہ کچور د عمل ہمارے رفقا پر بھی پڑا۔ نئے حالات کے پیدا کردہ مسائل نے بہت تباہہ اہمیت اختیار کر لی اور مفادات کے لاتھاں ہی سلسلہ کی وجہ سے ہمارے کام میں بہت سی رکاوٹیں پیدا ہو گئیں، حتیٰ کہ ان ہی حالات کی وجہ سے گذشتہ سال ہمیں اپنا سالاہ کل ہند اجتماع بھی متوجی کرنا پڑا۔ ایسے موقع پر جو کام ہمیں کرنا پڑتا ہے حسب ذیل تھا۔

اول یہ کہ ہجرت، انتقال آبادی، تبادر آبادی وغیرہ کے متعلق ایسے صحیح خیالات مسلمانوں میں شائع کیے جائیں جن سے ان میں صبر و استقلال کی شان پیدا ہو سکے۔ دوسری یہ کہ ان کے اضطراب اور پیچے چینی کو دور کیا جائے اور ان کے خوف وہ راس کو کم کرنے کی کوشش کی جائے۔

سوم یہ کہ اپنے رفقا کو ان کے فرانش یادداگران میں استفادہ ملتا پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔

ان باتوں کے سلسلہ میں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امیر جماعت اسلامی ہند۔

کے بیانات سے چند اہم اقتباسات پیش کیے جائیں جن سے آپ کو صحیح اندازہ ہو سکے گا
کہ ہم نے کیا کوششیں کی ہیں۔ ایک بیان میں امیر جماعت نے فرمایا:

”سب سے پہلی بات توجہ یہ کہنی ہے کہ جو کچھ پیش کرنا ہے
یہ درحقیقت ان غلط قوم پرستا ن اور وطن پرستا ن نظریات کا نتیجہ
ہے جس میں اہل ملک اب تک مبتلا ہیں، اور اس صورت حال کا حقیقتی
علام وہ دعوت حق ہی ہے جو جماعتِ اسلامی مسلمانوں اور غیر
مسلمانوں کے سامنے پیش کرتی اکر رہی ہے یعنی خالص خدا پرستا ن
بنیادوں پر لوگوں کو منافق کرنا اور وحدت بنی نوع انسان کو یاد دلا کر
حقیقتی انسانیت پر ان کو آمادہ کرنا۔ اور مجھے توقع ہے کہ اگر ہمارے رفقار
نے اپنے نظریات و خیالات کی اشاعت و تبلیغ میں پوری طرح حصہ یا مہتا
تو ہندوستان کے حالات بہت حذٹک اس سے مختلف ہوتے اور ہمیں
یہ اندوہنماں منظر نہ دیکھنا پڑتا۔ ہمارے رفقار جہاں بھی رہتے ہوں،
ان کا فرض ہے کہ وہ اس موقع پر اپنی سرگرمیاں تیز سے تیز تر کر دیں اور
بغیر کسی تقریقی و انتیاز کے ہر مسلم و غیر مسلم کے در پر ہنچیں اور اپنا پیغام
سننا کر ان کو امن پسندی اور انسانیت پر آمادہ کریں اور جہاں ان کی
کوششوں کے باوجود فسادات ہو جائیں وہاں اپنے پیغام کو سننا نے
کے ساتھ ساتھ پیش آمدہ مصائب میں مصیبت زدود کی مدد کریں اور
اس کام میں جو خطرات بھی در پیش ہوں ان کا ہنسی خوشی مقابله کریں۔
حقیقی عزیمت کی راہ یہی ہے۔ ہاں اگر کسی مقام کے حالات اتنے نازک

ہو جائیں کہ وہاں کسی طرح کے کام کا موقع ہی باقی نہ رہے تو اس صورت میں اپنے جان و مال اور عزت کے تحفظ کی کوئی اور تدبیر اختیار کریں اور اس صورت میں بہتر ہے کہ وہ کسی محفوظ مقام میں منتقل ہو جائیں البتہ اس طرح کے موقع پیش آنے پر بھی ان کا فرض یہ ہے کہ وہ تنہ اپنی حفاظت کی فکر کرنے کے بجائے ان سب لوگوں کی حفاظت کا بندوبست کریں جو خود اس میں قامر معلوم ہوں۔

پھر آپ نے فرمایا :

دوسری بات اس ضمن میں یہ کہنی ہے کہ اس موقع پر مسلمانوں پر ایک خاص طرح کا خوف وہ راس طاری ہو گیا ہے جس کی وجہ سے لوگ بھاگ جھاگ کر پاکستان جا رہے ہیں یا جانے کی فکر میں ہیں، ایسے عام لوگوں سے براہ راست ربط و تعلق پیدا کیجیے اور ان کو اللہ پر اعتماد کرنے کا مشورہ دیجیے۔ ایک مسلمان کو ہر حال میں خدا پر بھروسہ رکھنا چاہیے اور ایک لمحے کے لیے بھی اپنے مستقبل کی طرف سے مایوس نہ ہونا چاہیے۔ مسلمانوں کے موجودہ خوف وہ راس کا اگر کوئی علاج ہے تو یہی ہے ورنہ کون کہہ سکتا ہے کہ ہمارے لیے کوئی مقام حفظ و امان کا حضامن ہو سکتا ہے، حقیقی حفاظت بس اللہ کی ہے اور جب تک اس پر اعتماد نہیں کیا جائیگا حفاظت کی ہر تدبیر اختیار کرنے پر بھی آدمی خوف ہی میں بدلنا رہے گا۔ اس وقت ہم جن حالات سے گذر رہے ہیں ان میں انبات اور توجہ الٰہ کی زیادہ سے زیادہ ضرورت ہے۔ اسی سے ہمارے اندر اعتماد

اور اطمینان پیدا ہو سکتا ہے، اور یہی ہمارے یہ حقیقی قوت ہے خود
بھی اس کی طرف توجہ کی جائے اور دوسرے مسلمانوں کو بھی اس کی
طرف دعوت دی جائے۔

میری بات اس ضمن میں یہ ہے کہ آج تک تبادلہ آبادی کا
حوذہ کر ہر جگہ چھڑ گیا ہے، اس سے آپ کو متاثر ہونے کی ضرورت نہیں،
اول تو یہ بات مشتبہ ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کے لیڈر اتنے
خرد باختہ ہو سکتے ہیں کہ وہ موجودہ مسائل کو کسی اور طرح حل کرنے کے
بجائے تبادلہ آبادی کے ذریعہ حل کرنے کی کوشش کریں ہندوستان
کے چار کروڑ مسلمانوں کو پاکستان منتقل کرنا اور انہیں وہاں جگہ دینا
اور ایسے ہی پاکستان کے غیر مسلموں کو جن کی تعداد بھی بہت بڑی
ہے ہندوستان لے اگر بسانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ خود پیاہ گزیں
جو پہلے سے دونوں ملکوں میں موجود ہیں، ابھی ان کے لیے کوئی تھکانا
مہیا نہیں کیا جاسکا ہے، اور اس کی وجہ سے دونوں ملکوں کو طرح طرح
کی دشواریاں پیش کر رہی ہیں۔ پھر وہ نئے پیاہ گزیوں کو بلانے کا
حوالہ کس طرح کر سکتے ہیں، تاہم اگر دونوں ملکوں کے عوام ہی نہیں
خواص اور صاحبِ عقل و خرد لوگ بھی اس وقت نہ ہی اگرچہ پل کریں
طریقہ کار زیادہ مناسب اور بہتر سمجھنے لگیں تو بھی اول تو یہ توقع رکھنی
چاہیے کہ اگر خدا نخواستہ اس کی نوبت آئی تو اس کی نوعیت وہ نہیں
ہوگی جو خود اختیاری بھلکدڑ وغیرہ کے موقع پر ہوتی ہے کہ انسان کا

جان سلامت بے جانا ہی دشوار ہوتا ہے، بلکہ وہ کسی منظم اسکیم ہی کے
تحت ہوگی اور یقیناً اس میں وہ خطرات پیش نہیں آئیں گے جن کے
خوف سے لوگ لرزہ بر انداز ہیں۔“

اس کے بعد آپ نے بیان جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

”اور دوسری بات یہ یاد رکھیے کہ ہمیں مستقبل کے بارے میں
اس طرح کی قیاس آرائیوں میں اپنا وقت صنائع نہیں کرنا چاہیے۔
مستقبل کا حال اللہ ہی بتہ رجاتا ہے۔ ہمیں تو اپنی بُلگہ یہ طے کر کے کام
کرنا ہے کہ جس سر زمین میں ہم بیدا ہوئے ہیں، وہی ہمارے کام کا
اصلی میدان ہے، اور اس کو ہم اپنی خوشی سے صرف اس وقت چھوڑ
سکتے ہیں جب ہم اس میں کام کرنے کو صنائع وقت سمجھنے پر مجبور ہو جائیں
یا حالات ہی اس پر مجبور کر دیں۔ لیکن جب تک یہ صورت پیش نہیں آتی
ہے اور ہمیں یہی نوقع رکھنی چاہیے کہ اگر ہم اپنے کام کو صحیح طریقہ سے
اجنم دیں تو یہ صورت ہرگز پیش نہیں آئے گی، اس وقت تک تو
ہمیں ہر طبق فتحی سمجھنا چاہیے اور پورے اہمک کے ساتھ اپنا کام انجام
دینا چاہیے۔“ (الانفاس، ۲۸ مارچ ۱۹۷۴ء)

ایک دوسرے بیان میں آپ نے فرمایا کہ:

”جہاں تک ہمارے رفقار کا تعلق ہے ان کو بتایا جا چکا ہے کہ
اکھیں موجودہ حالات سے قطعاً متأثر نہیں ہونا چاہیے۔ ہمارے لیے
یہ طے شدہ بات ہے کہ جس سر زمین میں بیدا ہوئے ہیں، اسے اس وقت

نک چھوڑنہیں سکتے جب تک کہ بھیں اپنی کوششوں کے نتائج سے مایلوی
نہ ہو جائے، یا حالات ہی ایسے نہ پیدا ہو جائیں کہ کام کرنا ہمارے
لیے دشوار ہو جائے۔ بھیں فطری حد کے اندر اعزاء اقرباً بھی عزیز
ہیں، مگر بارے بھی محبت ہے، خاندان اور پڑوس سے بھی اگفت ہے
وطن اور ملک سے بھی لگاؤ ہے لیکن ہمارا اصلی تعلق اس مقصد سے ہے
جسے ہم نے اپنایا ہے یعنی اللہ کے دین کی مکمل اطاعت اور اس کی دعوت
و اشاعت، پس جب تک کسی درجہ میں بھی ہم اس مقصد پر قائم رہ
سکیں، ہمارے جانے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا لیکن اگر خدا نخواستہ
اس کا امکان باقی نہ رہے تو پھر کوئی اور کرشمہ بھی یہاں نہیں روک
سکتی نہ اعزاء اقرباً، تربیت وس اور خاندان اور جانداروں مال
اور اس صورت میں ہمارا روابیہ انتشار اللہ ان لوگوں سے مختلف ہو گا
جو اس وقت سمجھتے تو یہ ہیں کہ ان کے لیے یہاں رہنا صحیح نہیں ہے لیکن
پھر بھی ماں و دولت کی محبت ان کا قدم روکے ہوئے ہے، یا اس کی
محبت میں انسان سرشار ہیں کہ اس کی خاطروں سب کچھ کرنے کو تیار ہیں
جس کا کرنا بھیت سلطان ان کے لیے جائز نہیں۔ اور جہاں نک ہمارے
نقطہ نظر کا تعلق ہے ہم ابھی نک یہ نہیں سمجھ سکتے ہیں کہ ہمارے یہاں
سے جانے کی وہ شرائط پوری ہو چکی ہیں جو اللہ کے قانون نے ہمارے
لیے مقرر کی ہیں۔ اور یہ نہ سمجھیے کہ ہمارا یہ خیال حالات سے ناواقفیت کا نتیجہ
ہے۔ فضادات وغیرہ ہمارے سامنے بھی ہیں اور مستقبل کے جن امکانات

سے لوگ خوف زدہ ہو رہے ہیں، ان پر ہم نے بھی غور کیا ہے لیکن اس کے باوجود ہماری رائے یہی ہے جو اپر مذکور ہوئی۔»

پھر آپ نے فرمایا:

«اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے جو پہلے بھی عرض کی جا چکی ہے کہ اس وقت جو کچھ بھی پیش آ رہا ہے، ہم نہیں سمجھتے کہ یہ ہمیشہ قائم رہنے والی حالت ہے۔ انسان اس زمانے میں کتنا ہی کیوں نہ بلکہ لگایا ہو، ہم اس کی سرشنست سے جو خیر پر بنی ہوتی ہے، ماہوس نہیں ہیں، ہم یقین رکھتے ہیں کہ یہ قتل و غارت اور فساد یقیناً رک کر رہے گا۔ اگر یہ فرض بھی کریا جائے کہ جو کچھ پیش آ رہا ہے وہ صرف بد خواہ دار افراد کی بد خوبی اور بد کاری ہی کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کے نتیجے کوئی باقاعدہ مقصود کام کر رہا ہے اور وہ کسی درجہ میں کسی بڑی اجتماعی خرابی کا نتیجہ ہے تو بھی ہم یقین رکھتے ہیں کہ جس طرح افراد کے اندر بکھڑا ہوتا ہے اور پھر وہ اپنے نفس نواحی کی سرزنش اور تادیب سے دوبارہ سنپھل جاتے ہیں، اسی طرح معاشرہ اور اجتماع میں بھی خرابیاں رومنا ہوتی ہیں اور پھر پورے مجموعہ کا نفس نواحی اس کو راہ راست پر لانا ہے چنانچہ قوموں کی تاریخ میں اس کی مثالیں اور ثبوت موجود ہیں۔ پس یقین رکھنا چاہیے کہ یہ جو کچھ پیش آ رہا ہے یہ ایک بحرانی حالت ہے اور یہ کسی نہ کسی دن ختم ہو کر رہے گی۔ ہو سکتا ہے کہ ابھی اسی طرح کے بحرانی دور آئندہ اور بھی پیش آئیں اور آثار بتلاتے ہیں شاید ابھی

ہندوستان مدتیں اس طرح کی عارضی بحراں کی غیبت میں مبتلا ہوتا رہے گا۔ لیکن پھر بھی یہ حالت انسانی فطرت و سر شست کے مطابق نہیں ہے اس لیے وہ یقیناً ختم ہو گر رہے گی۔“

(الانصاف، ۱۳ اپریل ۱۹۶۴)

حضرات! ان اقتباسات سے یہ ظاہر ہو گیا ہو گا کہ اس نازک دور میں مسلمانوں کو ہم کس طرزِ عمل کی دعوت دے رہے تھے اور کس طرح اکثریت کے ہتھے کے مقابلہ میں ان میں اعتماد علی اللہ اور توکل علی اللہ کی شان پیدا کرنا چاہتے تھے لیکن مسلمان کے لیے صرف اکثریت کا روتیری ہی پریشانی کا باعث نہیں بنتا ہوا تھا بلکہ نظم حکومت کی تدبی کے ساتھ وہ حکومت سے بھی مشتبہ اور خوف زدہ ہو رہا تھا۔ اس کی وجہ کچھ تو یہ تھی کہ حکومت کے بہت سے حکام و عمال جو بہر حال اسی معاشرہ کا ایک جزو ہیں جس کی مسلمان سے قومی جنگ چھڑای ہوئی تھی اس دور میں خود حکام بالا اور روز را وغیرہ کے علی الرغم حکومت کی پالیسی پر صحیح طور سے عمل پیرانہ تھے اور مسلمان کو خواہ مخواہ پریشان کر رہے تھے، تاہم یہ خوف زدہ مسلمان حکومت کے خلاف کچھ بے بنیاد تسلیک و شبہات بھی رکھتا تھا اور حکومت کی طرف سے بعض بدگانیوں کا شکار تھا۔ اگر ان بدگانیوں کو اور ہوا دی جاتی یا انھیں جوں کا تلوں بڑھتے اور پھلنے پھونے کا موقع دیا جاتا تو اندیشہ تھا کہ مسلمانوں کی فہری پریشانیوں میں اضافہ ہو جانا جس کا اثر ہمارے دعویٰ کام پر بھی پڑتا اس لیے ضروری تھا کہ ہم ان بدگانیوں کی حقیقت کو واضح کر دیتے چاہیے علاوہ ان مشوروں کے جو وقٹاً فوقتاً لوگوں کو اس سلسلہ میں دئے جاتے رہے ... رفقائے جماعت کو خطاب کرتے ہوئے امیر جماعت نے ایک بیان میں فرمایا:

”ہمیں موجودہ حکومت کی طرف سے بھی جو درحقیقت اجتماعی
 حالت کا منظر ہے، کوئی بات ایسی نہیں معلوم ہو سکی ہے، جس سے یہ
 بدگانی کی جاسکے کہ اس فتنہ و مناوے کے طاری ہونے میں خود اس
 کا کوئی ذلیل ہے یا اس کو وہ برقرار رکھنا چاہتی ہے، بلکہ اس کے
 برعکس گذشتہ چند روز کے واقعات اور اصلاحی و تعمیری کوششیں
 یہ ظاہر کرتی ہیں کہ اس صورت حال کو ختم کرنے کی خواہش اس
 کے ذمہ دار لوگوں میں موجود ہے۔ موجودہ حکمران اگر آپ کے تعلق
 سے نہیں تو خود اپنے مفاد کے لیے اس طرح کی حالت نہ بالقصد پیدا
 ہونے دے سکتے ہیں اور نہ اس کو برقرار رکھنے کی خواہش مدد ہو سکتے
 ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ان کے علی الرغم ایسے حالات پیدا ہو جائیں جو
 ان کے قابو سے باہر ہوں، لیکن اگر وہ ایسے ہی عقل و نظر رکھتے
 ہیں کہ لوگوں کی جان و مال نہ محفوظ رکھ سکے تو آپ یقین رکھیے کہ
 وہ آپ کی نہیں خود اپنی ہلاکت کا سامان کر رہے ہیں۔ اس طرح
 کی حالت پیدا ہونے کے جو نتائج ہو سکتے ہیں ان کا تدارک آسان
 نہیں ہے اور ہاتوں کو چھپو رکار آپ کو اس خالق کائنات کے عدل
 و انصاف پر بھروسہ کرنا چاہیے جو اس کے رسول کی زبان میں عام
 مخلوق کو اپنی ”عیال“ قرار دیتا ہے اور اگر آپ واقعی مسلمان ہیں
 تو آپ اس کی ”حزب“ اور وہ آپ کا ”ولی“ ہے۔ دنیا کا حقیقی کاریاز
 اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہ اندر ہا بہر انہیں ہے، اس کی صفت بیمع و علم

ہے اور قوموں کے عروج و زوال کے پھیلے واقعات اس کے شاہد
ہیں اور اگر خدا نخواستہ انسانی سرشت اور موجودہ حکم انوں کے
متعلق میں جو کچھ کہہ رہا ہوں یہ مخفی خوشگانی ہے، اور بات وہی
یقین ہے جو اس وقت لوگوں کے ذہن پر غلبہ یا اس کی وجہ سے مسلط
ہو گئی ہے۔ یعنی یہ کہ مستقبل مسلمانوں کے لیے تاریک ہے تو یہی
میں اپنے رفقا ر سے یہی خواہش رکھتا ہوں کہ اس حالت کی اصلاح
کی جو ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے اس کی ادائگی سے پہلے مالیوں
نہ ہو جائیں۔
(الانفاس، ۲۳ اپریل ۱۹۶۷ء)

پھر اسی طرح ایک سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ:
”ہمارے نزدیک مسلماناں ہند کے لیے اس وقت جو صحیح
لامتح عمل ہو سکتا ہے وہ یہی ہے جو مختصر اور پربیان کر دیا گیا ہے۔ اگر
آپ اس کو صحیح سمجھتے ہوں تو اس کے مطابق اپنی حد تک آپ کو کام
شردع کر دینا چاہیے۔ رہی یہ بات کہ حکومت اس وقت مسلمانوں
سے بدگمان ہے اور وہ جو کچھ بھی کریں گے اشتباہ کی نظر سے دیکھا
جائے گا اور اس کی وجہ سے وہ باغی سمجھ لیے جائیں گے تو اول تویں
حکومت کے بارے میں اتنی بدگمانی صحیح نہیں سمجھتا کہ وہ آپ کے
کاموں کی نوعیت یکسر نظر انداز کر کے مخفی مسلمان ہونے ہی کی
بانا پر آپ کو ”باغی“ قرار دے دے۔ جس طرح کے کام کا آپ کو مشورو
دیا جا رہا ہے وہ کام تو ایسا ہے کہ اگر حکومت کچھ بوجھ سے کام لے تو اسے

اس طرح کے کام کرنے والوں کو خوش آمدید کہنا چاہیے، ورنہ کم از کم اس میں رختہ اندازی کرنے سے بہر حال اسے اجتناب کرنا چاہیے۔ اور ہم تو قبھی رکھنی چاہیے کہ وہ ایسا ہی کرے گی۔ ظاہر ہے کہ آپ نظم حکومت یہیں کوئی اختلال پیدا نہیں کر رہے ہیں اور نہ فرقہ وال یا طبقاتی جنگ کا کوئی پروپیگنڈا کرنا چاہتے ہیں۔ آپ تو جو کچھ چاہتے ہیں اس کا خلاصہ صرف یہ ہے کہ آپ خود بھی اسلام کے نظریہ حیات کے مطابق زندگی بسر کرنے کے خواہش مند ہیں اور دوسری خلقِ خدا کو بھی خدا کی بخشی ہوئی اس نعمت میں شریک کرنا چاہتے ہیں پھر حکومت نے آزادی رائے و صنیر اور اس کے مطابق اظہارِ رائے کو اصولاً تسلیم کر دیا ہے اور اس کے بوجب ایسی جماعتیں کو بھی یہ حق عملاء کے رکھا ہے، جن کے اصول و نظریات فتنہ و فساد کا بھی باعث بن سکتے ہیں تو وہ اس حق سے ہم ہی کو کیوں محروم رکھے گی۔

بہر حال ہمیں حکومت کے بارے میں خواہ بندگانی سے کام لینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ لیکن اگر خدا بخواستہ یہ بدلگانی صحیح ہو یا عالمًا اس کا ظہور ہی ہونے لگے تو سوال یہ ہے کہ کیا پھر ایسی صورت میں اسلام کا نام لینا ترک کر دینا چاہیے؟ میں نہیں مجھ سکتا کہ کوئی مسلمان جو مسلمان بن کر زندہ رہنا چاہتا ہے اور اسلام ہی پر اپنا خاتمہ پسند کرتا ہے وہ اس سوال کا جواب اثبات میں دے سکتا ہے۔“

(الانصاف، ۲۰ دسمبر ۱۹۷۸ء)

الحمد لله کہ اس طرز کے اٹھاڑیخال سے نہ صرف ہمارے رفقار میں استفاقت
بیدا ہو گئی بلکہ رفقار نے دوسرا مسلمانوں کو بھی ان خیالات سے متاثر کیا۔ انزادی
واجتباعی ملاقاں توں اور خطابِ عام کے ذریعہ نیز پوپولرس اور کتابچوں کے ذریعہ جو
قیمتاً اور بلا قیمت بڑی تعداد میں شائع کیے گئے مسلمانوں کے خوف وہ اس کو
دُور کرنے، اللہ پر بھروسہ کرنے اور اپنی اعتقادی و عملی اصلاح کر کے اپنے اپنے
مقامات پر جمع سہنے کا مشورہ دیا گیا اور محمد اللہ اس کے اثرات اچھے رہے۔ قیم
حلقہ بہار تحریر فرماتے ہیں کہ :

«اس کوشش کے اس حلقہ میں نمایاں اثرات محسوس کیے
گئے، بہار کے ارکان اور ہمدردان اور متاثرین کے منتقل تو یقین
سے کہا جا سکتا ہے کہ اس زمانے میں عام طور پر وہ خاطر جمیں کے ساتھ
اپنے اپنے مقامات پر جھے رہے اور اپنی دعوت کو پیش کرتے رہے، اور
اپنے اثر سے بہت سے خاندانوں کو پریشان ہونے اور بدحواسی میں
مال و منابع چھوڑ کر بھاگنے اور تباہ ہونے سے بچائے رکھا۔»

کم و بیش اسی طرح کے اثرات دوسرا مقامات پر بھی مرتب ہوئے جہاں ہمگ
رفقار نے ایک طرف تو مسلمانوں کے خوف وہ اس کو نوکلی علی اللہ اور اعتماد باللہ بنی
بدلنے کی کوشش کی اور دوسرا طرف انھیں دعوت دی کروہ اپنے معاشرے کو صحیح
اسلامی اصولوں پر قائم کرنے کی کوشش کریں۔ ایک صالح معاشرے کا فیضام چونکہ
ہمارے پروگرام کا ایک اہم جزیہ اس لیے اس مسلمان میں جو کچھ ہم کرنا چاہتے ہیں اس
کو خاطر خواہ طور پر انجام دینے کے لیے ضروری ہے کہ ہم مسلم سوسائٹی کا پورے طریقے سے

باعتہ لیں اور چونکہ شہری اور دیہاتی آبادی میں علمی استعداد، معلومات عامہ، باہمی بیگانگت اور حالات سے واقعیت نیز متنازع اور دلچسپیوں کے اعتبار سے کافی فرق ہوتا ہے اس لیے اس اعتبار سے دونوں کی ذہنی کیفیت اور نفیات بھی ایک دوسرے سے بہت کچھ مختلف ہوتی ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ دونوں کے لیے ایک ہی قسم کا طریق دعو مفید نہیں ہو سکتا۔ لہذا ہمیں دونوں آبادیوں کی خصوصیات کو پیش نظر رکھنا ہوتا ہے لیکن اس بات کو بعض جماعی حلقوں میں پورے طور پر ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے رفقا باضابطہ کام کرنے کی زیادت سے زیادہ کوشش کریں تاکہ ایک طرف خود ان کی اپنی تربیت ہو اور دوسری طرف ہر بیلہ سے کام مستحکم ہوتا ہو اور اسے بہرحال اس ضمن میں اب تک جو کام جس طرح ہو سکا ہے مختصر ایہ ہے :

شہری مسلمانوں میں دعوت و اصلاح کے طریقے

شہری آبادی کے تعلیمی، معاشرتی، تندی، اخلاقی، دینی اور سیاسی حالت کا مختلف طبقات کے لحاظ سے تفصیلی جائزہ لیا جاتا ہے۔

انفرادی دعوت

پھر تعلیم یافتہ، سمجھیدہ اور معقول افراد کی فہرستیں تیار کر کے ان سے روابط قائم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور تبادلہ خیالات کے ذریعہ ان کی علمی استعداد، برچحات، عام دلچسپیوں اور شوقِ مطالعہ وغیرہ کا جائزہ لیا جاتا ہے اور ایک حد تک دعوت کا تعارف کر کے لٹرچر کے پڑھنے پر آمادہ کیا جاتا ہے۔ دورانِ مطالعہ میں ہمارے بعض رفقا ارتبا دلخیالات کی کوشش کرتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ مطالعہ

گرنے والوں نے ہمارے نقطہ نظر کو کہاں نک سمجھا ہے، لیکن بعض رفقاء اس طرف پوری طرح متوجہ نہیں ہیں جیس کا نتیجہ مختلف صورتوں میں رونما ہوتا ہے بعض لوگ مطالوں کے بعد لڑپر کی کافی تعریف کرتے ہیں لیکن ان کے طرز عمل سے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے لڑپر کو سمجھ کر نہیں پڑھا ہے، بعض کی طرف سے ایسے شبہات و اغترافات پیش کیے جاتے ہیں جن کا فی جواب انہیں کتابوں میں موجود ہوتا ہے جو ان کے زیر مطابعہ حکمی ہوتی ہیں۔ بعض لوگ ناکافی مطالعہ کے بعد ہی جوش میں جاتے ہیں اور دو ایک مہینے تک غلط سلط کام کرتے رہنے کے بعد سر دپٹنے لگتے ہیں بعض لوگوں میں لڑپر کے پورے مطالوں کے بعد بھی کوئی حرکت پیدا نہیں ہوتی۔ یہ تمام صورتیں باقیوم اسی یہ پیدا ہوتی ہیں کہ ہمارے بعض رفقاء دورانی مطالعہ میں اس بات کا جائزہ لینے کی کم کوشش کرتے ہیں کہ مطالعہ کرنے والے اصحاب نے فی الحقيقة کس قدر مطالعہ کیا ہے اور وہ ہمارے نقطہ نظر کو کس حد تک سمجھ چکے ہیں اگر اس بات کا پوری طرح لحاظ رکھا جائے تو یہیں توقع ہے کہ اس کے فوائد میں کئی گناہ انسانی ہو سکتا ہے

اجتماعی دعوت

یہ تو خدا ہماری انفرادی دعوت کے کام کا جائزہ، رہی اجتماعی دعوت تو اس کے اثرات کے سلسلہ میں تفضیلات یہ ہیں :-

اجتماعات

تمام مقامی جماعتیں، حلقہ ہائے ہمدردان اور جہاں کہیں بھی ہمارے منفرد ارکان ہیں۔ ان کی زیر نگرانی ہفتہ وار عمومی اجتماعات منعقد ہوتے ہیں۔ ان اجتماعات میں درس قرآن و حدیث اور خطاب عام یا لڑپر کے کسی موزوں حصہ کو سنا کر حاضرین

نک دعوت پہنچانی جاتی ہے۔ بڑے شہروں میں جہاں ہمارے کارکنوں کی تعداد خاصی ہے شہر کو کئی حلقوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اور اس نوعیت کے اجتماعات ہر حلقة میں کیے جاتے ہیں، ان ہفتہ وار اجتماعات کے علاوہ عموماً ہر ضلع میں ماہانہ اجتماعات بھی ہوتے ہیں جن میں ضلع بھر کے رفقاء جمع ہوتے ہیں اور جن کے پروگرام کا ایک جزو خطاب عام بھی ہوتا ہے۔ بعض حلقوں میں کئی کمی متفصل اصلاح کے سامنے ای اجتماعات ہوتے ہیں جن میں خطاب عام کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ایسے اجتماعات میں جماعت کے اچھے مقررین سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حلقوں کے ششماہی یا سالانہ اجتماعات بھی ہوتے ہیں اور ایسے موقع پر دعوتِ عام کے موثر ذرائع استعمال کر کے پبلک کو مخاطب کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ تشکیل جدید کے بعد سے اب نک اکثر حلقوں میں مختلف قسم کے کئی اجتماعات ہو چکے ہیں۔

درسِ قرآن کا پروگرام ان سب ہی اجتماعات کا مشترک جزء رہتا ہے لیکن اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کے علاوہ بہت سے مقامات پر روزانہ یا ناجدے کے کسی مسجد یا مساجد میں درسِ قرآن اور بعض جگہوں پر درسِ حدیث ہوا کرتا ہے جس کے ذریعہ قرآن کی دعوت کو براوراست عوام تک پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

دارالمطالعہ

اکثر شہروں میں لٹریچر کی اشاعت کے لیے عام دارالمطالعہ ہمارے رفتار کی نگرانی میں قائم ہیں جن میں ہمارے لٹریچر کے علاوہ اسلامی انجارات و رسائل اور صارع دینی لٹریچر بھی رکھا جاتا ہے۔ بعض بعض دارالمطالعوں میں روزانہ مطالعہ کرنے والوں کی تعداد پچاس یا زائد ہوتی ہے۔

بعض بُلگار دارالمطابعوں میں عام اخبارات زیادہ رہتے ہیں اور زیادہ قدر آنے والے اپنی لمحچیاں انھیں تک محدود رکھتے ہیں۔ اس تجربے سے فائدہ اٹھانا ضروری ہے۔

دارالمطابع سے متعلق ریکارڈ اور جستروں کے رکھنے پر بھی بعض جگہ تسلیمی اور کتابوں کے اجراء کے سلسلہ میں کم پرواں اور بے جا غماد بنتا گیا ہے جس کے نتیجہ میں کام کو نقصان پہنچا ہے۔ گواں کا اہتمام کیا جاتا ہے پھر بھی یہ امرقابلِ توجہ ہے کہ دارالمطابعوں کے اپنے ارجمند رفقاً کو آنے والوں اور مطابع کرنے والوں کا جائزہ لے کر اور ان سے گفتگو کے ذریعہ صحیح رائے قائم کر کے انھیں ترتیب سے طالع کرنا چاہیے۔ دارالمطابع سے فائدہ اٹھانے والوں کی اوسط ماہانہ تعداد دو ہزار کے قریب ہے۔

اہم موقع پر بک اسٹال

ان شہروں میں جہاں ہمارے کارکن خاصی تعداد میں موجود ہیں بڑے اجتماعات نمائشوں، میلبوں اور دوسراے موقع پر اسٹال لگائے جاتے ہیں۔ دعوت کو منفرد پیش کرنے والے کتبات اور بورڈ آویزاں کیے جاتے ہیں۔ عموماً بک اسٹال کے ساتھ دارالمطابع بھی قائم کیا جاتا ہے اور ہمارے رفقاء تبادلہ خیالات کے موقع کی تلاش میں بھی رہتے ہیں۔ اس فتحم کی کوششیں کافی نتیجہ خیر نتابت ہوتی ہیں۔ ایسے موقع پر بالکل نئے لوگ ہماری دعوت اور لظریح پر سے روشناس ہوئے ہیں۔ ہمارے رفقاء نے ان کے پتے حاصل کیے اور ان سے روابط بڑھائے اور کام آگئے چل پڑا۔ جیدر آباد، درہلی، میرپور، علی گڑھ، رامپور، لکھنؤ، رُدوی، ضلع گونڈھ، گورکھپورا اور بعض دوسرے مقامات پر ایسے کئی کئی اسٹال لگائے جا چکے ہیں۔

اسٹڈی سرکل اور مذاکراتی حلقة

پچھے مقامات پر ہمارے رفقا، سہفتہ وار یا ہفتہ میں دوبار اجتماعی مطابعہ اور مذاکرے کے لیے مخصوص نشستیں کرتے ہیں۔ ان نشستوں سے اپنے نظریات کو صحیح طور پر بجا نہیں اور اس کے نام پہلوں پر پڑھنے والوں کو حاوی کرنے کا کام لیا جاتا ہے۔ خاہر ہے کہ بلا اس کام کے ہمارا وہ کام ادھورا اور نامکمل رہ جاتا جو... اجتماعات اور دارالمطابعوں کے ذریعہ ہوتا ہے لہذا اس کی طرف رفقا کو زیادہ توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

تعلیمی ادارے

کالجیوں اور یونیورسٹیوں میں کام کی طرف خاصی توجہ دی جاتی ہے۔ ہوشلوب میں جو رفقا رہیں ان کی اخلاقی اور ذہنی تربیت کے لیے اجتماعی مطالعہ وغیرہ کے ذرائع کو کام میں لا جاتا ہے۔ ان کا کرن رفقا کے ذریعہ ہوشلوب کے طلباء میں افرادی ملاقاتوں، لٹرپر اور جماعتی اخبارات و رسائل کی اشاعت کے علاوہ جہاں ممکن ہوتا ہے ہوشلوب میں ہفتہ واری اجتماع کرنے کی بھی کوشش کی جاتی ہے۔ اس طرح جو طلباء منتشر ہوتے ہیں، ان کو پھر ایک جگہ جمع کرنے اور ان کا مشترک اجتماع کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ادبیات سے ترقق رکھنے والے طلباء میں خصوصاً اور عام طلباء میں عموماً اسلامی ادب اور اس سلسلہ کے لٹرپر، رسالوں اور اجتماعات سے بھی پورا پورا کام لیا جاتا ہے، کوشش کی جاتی ہے کہ باہر سے اچھے کارکن رفتار ایسے مقامات پر گاہے گا۔ ہے کچھ ترہا کریں۔ علی گڑھ، درہلی، ال آباد، میرٹھ، رائخی، بیٹنہ اور جہر آباد کے اہم تعلیمی اداروں میں اس نئج سے کام کرنے کی کوششیں کافی نیچے نہیں

ثابت ہوئی ہیں۔

علوم جدیدہ کی درس گاہوں کے علاوہ دینی اداروں میں بھی کام کرنے کی پوری کوشش کی جا رہی ہے۔ الاصلاح اور تدوّة العلماء کے علاوہ ہندوستان کے دیگر اہمیت رکھنے والے اداروں میں کام کی صورتیں پیدا ہو رہی ہیں۔ گوموانع اور مشکلات بعض غلط فہمیوں اور دوسرے عوامل کی وجہ سے کافی ہیں۔ لیکن اب ہیں ان اداروں میں بھی کارکن ملنے لگے ہیں اور آئندہ ہیں کافی توقعات ہیں۔

دوسرے شہروں میں بھی دینی اداروں میں دعوت کے نفوذ کی کوشش برابر جاری ہے اور وہاں طلباء اور اساتذہ میں ہم سے اتفاق کرنے اور عملی تعاون کے کے لیے آگے بڑھنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔

مکاتب اور حچوٹے تعلیمی ادارے

اس سلسلہ میں ہمارے پیش نظر یہ چیز اہمیت کے ساتھ رہی ہے کہ مسلمان بچوں کی دینی ابتدائی تعلیم خصوصاً، اور مسلمان رُؤکوں کی دینی تعلیم عموماً پورے معاشرے میں رواج پا جائے۔ اس مقصد کے لیے ہماری اپنی قائم کی ہوئی درس گاہیں اور مکاتب تو بہت کم ہیں لیکن مندرجہ ذیل صورتوں سے اسی مقصد کے حصوں کی کوشش کی جا رہی ہے۔

الف۔ مکاتب کے ہنتموں اور ذردار اصحاب سے روابط پیدا کر کے ان کو اپنے تعلیمی نقطہ نظر سے روشناس کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اس سلسلہ میں بالشاف گفتگوؤں اور مراسلت دونوں طریقوں سے کام یا جاتا ہے۔

ب۔ اساتذہ سے روابط پیدا کر کے ان کو بھی اپنے تعلیمی نقطہ نظر سے روشناس اور متأثر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

ج۔ اسی طرح اپنے نصاب تعلیم اور درسیات کو جاری کرانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اگرچہ صحیح طور سے ہم تھوڑے ہی عرصہ سے اس طرف متوجہ ہوئے ہیں، لیکن پھر بھی ہر حلقہ میں ایسے مدارس کی تعداد میں روزافروں اضافہ ہو رہا ہے۔ ہماری ان کوششوں سے بعض مدارس کا پورا پورا نظم ہمارے حوالے کر دیا گیا ہے۔ بعض مدارس کے ناظمین اور اساتذہ ہمارے رفقا اور ہمدرد حضرات ہیں جو ہماری تعلیمی پالیسی کو اپنے متعلقہ مدارس میں نافذ کرنے کی سعی کر رہے ہیں۔ بعض مکاتب نے ہم سے قابلِ اعتماد اور تربیت یافتہ اساتذہ کی فرمائش کی ہے جو ہمارے نظریہ تعلیم کے حامل ہوں۔ اب تک کل ۳۲ مکاتب کا اجراء عمل میں آیا ہے اور ۲۴ مکاتب سے تعاون کیا جا رہا ہے۔

تعلیم بالغان

گوشهوں میں ہمارے پاس کافی کارکن ہوتے ہیں اور مزدوروں اور بے پڑھ لکھ طبقے میں کام کرنے کا دُورس اور موثر طریقہ بھی یہی ہو سکتا ہے کہ تعلیم بالغان کا کام زیادہ آسانی اور حسن و خوبی کے ساتھ کیا جائے لیکن ہمارے رفقا کی اس طرف توجہ بہت کم رہی ہے جن مقلamat پر کام کیا گیا ہے وہاں نتائج اچھے برآمد ہوئے ہیں مثلاً مایکروسل، لکھنؤ، ال آباد، جید ر آباد اور کوئٹہ، تعلیم بالغان سے فائدہ اٹھانے والوں کی مجموعی تعداد پانچ سو کے قریب ہے۔

خواتین

ہمارے رفقار انزادی طور پر متعلقہ خواتین کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ کرتے ہیں اور پڑھی لکھی خواتین آسان لٹریچر اور الحدات و فردوس وغیرہ سے بھی کام لیتی ہیں۔ اکثر مقامات پر خواتین کے اجتماعات بھی کیے جاتے ہیں بعض جگہوں پر یہ اجتماعات ہفتہ وار اور بعض جگہوں پر ماہ میں دوبار اور بعض جگہ ماہان ہوتے ہیں۔ — ان اجتماعات میں درس قرآن اور لٹریچر وغیرہ کے ذریعے سے کام بیسا جاتا ہے۔ عام دعوت کے علاوہ انھیں خصوصیت کے ساتھ معاشرتی امور سے متعلق اسلامی طور طریقے بنائے جاتے ہیں اور تاریخ و سیرت سے ایسے نونے اور کردار بھی پیش کیے جاتے رہتے ہیں جو ان کے لیے راہ نما بن سکیں۔

ضرورت ہے کہ خواتین کی تعلیم و تربیت کے انتظامات جہاں کہیں بھی ہو سکیں کیجئے جائیں اور ان کے پروگرام میں ان کی زندگی سے متعلق امور مثلاً امورِ خانہ داری، پچھوں کی پرورش وغیرہ میں ان کی تربیت کا خاص خیال رکھا جائے۔ رامپور، بھوپال، دہلی، حیدر آباد، الہ آباد، دریبنگ، پخت پور (بہار) نسبتاً زیادہ کوششیں کی گئی ہیں۔

محنت پیشہ عوام اور ان کی انجمنیں

محنت پیشہ عوام اور ان کی انجمنوں میں کام کرنے کی اہمیت بہت زیادہ ہے کافی مقامات پر جہاں اس قسم کے موقع حاصل تھے اور ہمارے کارکن موجود تھے انہوں نے اس سلسلہ میں کوشش کی ہے۔ کارخانے میں آمد و رفت کے ذریعہ پہلے کچھ مدد و دل اوکرکلر کوں سے روابط بڑھائے گئے اور وہ دھیرے دھیرے منتاثر ہوئے پھر وہ خود کام کرنے لگے اور کام آگے بڑھنے لگا۔ پہلے مزدور پورے کے پورے کیونزم یا

سو شنیدم سے معموب تھے۔ اب جہاں ہماری دعوت پہنچ رہی ہے، ان کا فہرست صاف ہو رہا ہے اور اچھی خاصی تعداد ہماری دعوت سے متاثر ہو چکی ہے۔ جن مقامات پر مزدوروں میں تعلیم باغان کا کام کیا گیا ہے وہاں نتائج اور بھی اپنے رہے ہیں۔ عموماً اس حلقہ میں لٹرچر کی بہ نسبت تبادلہ خیالات اور تقریروں سے زیادہ کام یا جاتا ہے۔

رضائیکسٹائل رامپور میں کچھ کام شروع کیا گیا تھا۔ نتیجہ چھ افراد قریب آگئے جن میں سے اب تین حضرات جماعت کے رکن ہیں اور تین ہمدرد۔ ان کے علاوہ کچھ متاثرین بھی ہیں۔ بھوپال میں بھی مزدوروں میں کام کی ابتدا کردی گئی ہے۔ نتیجہ میں ہمارے ایک کارکن پیدا ہو گئے ہیں اور تین چار افراد متاثر ہیں۔ گذشتہ ایک سال سے حیدر آباد میں کپڑے کے بڑے کارخانے میں حلقہ ہمدردان قائم ہے۔ اس کا رخانے کے میجر اور کئی مزدور متاثر ہیں۔ ہفتہ وار، ماہوار اور ششماہی اجتماع میں شرکت کرتے ہیں۔ ایک دوسری جگہ کوئی کان کے مزدوروں میں بھی دعوت کا کام ہوئا ہے۔ یہاں ایک امیدوار کنیت اور تین ہمدرد ہیں۔

اس کے علاوہ کیرل، ٹونک اور جھینڈ پور میں بھی کام ہو رہا ہے۔ لکھنؤ میں دس مزدوروں کو تعلیم باغان کے ذریعہ قریب لا یا جا رہا ہے۔ مسلمانوں کی تعداد فی الحال اور معاشرتی انجمنوں اور اداروں سے ربط و ضبط بڑھانے اور ان کے اندر اپنی دعوت کے نفعوں کے موقع پیدا کرنے کے سلسلہ میں ہمارے رفقاء نے زیادہ توجہ نہیں کی ہے۔ حالانکہ یہ کام اہم اور نتائج کے اعتبار سے دور رہا ہے۔

دیہاتی مسلمانوں میں دعوت و اصلاح کے طریقے

دیہاتوں میں دعوت پیش کرنے سے پہلے ان کا پورا جائزہ لیا جاتا ہے، اور پھر کارکنوں کی تعداد و استعداد کے لحاظ سے مناسب افراد منتخب کیے جاتے ہیں۔ ان افراد سے روابط بڑھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

دیہاتوں میں عام طور پر برادریوں کا نظام چلتا ہے چنانچہ دیہات کی مسلمان آبادیاں مختلف پیشوں کے تحت منقسم ہوتی ہیں، برادریوں کے ذی اثر اور سمجھو بوجہ رکھنے والے افراد میں سے ایک فرد کی بھی اصلاح اگر ہو جائے تو پوری برادری کی اصلاح کے امکانات پیدا ہو جاتے ہیں اور ان کی ہمنوائی کے بغیر برادری کے عام افراد میں دعوت کی قبولیت کے امکانات کم رہتے ہیں۔ جہاں جہاں برادریوں کی صحیح اہمیت پہچان کر کام کی ابتداء کی گئی ہے وہاں کافی اچھے نتائج برآمد ہونے کی توقع ہے جملے دہلی میں ٹلنے میرڑے اور ضلع مظفر گڑ و سہارن پور میں اسی طرح پرکام شروع کیا گیا ہے۔

دیہات میں چونکہ تعلیمی معیار بہت پست ہوتا ہے اور ہمارے لڑپر کے سمجھنے کی صلاحیت ان آبادیوں میں سے بہت کم لوگوں کو ہوتی ہے۔ لہذا وہاں کام کے ذرائع میں انفرادی ملاقاتیں، گفتگویں اور زیارتیں خیالات ہی زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ آسان لڑپر اور آسان جماعتی پرچے بھی مطالعہ کے لیے دئے جاتے ہیں۔ ان انفرادی ذرائع کے علاوہ خطابِ عام اور درس قرآن سے بھی کام یا جاتا ہے۔ چنانچہ جہاں باقاعدہ جماعتیں موجود ہیں یا مسجددار کان ہیں یا حلقوں ہمدردان قائم ہیں:

وہاں ہفتہ وار اجتماعات ہوتے ہیں۔ ان اجتماعات کے علاوہ جموع کے موقع پر یا اور مناسب اوقات میں مساجد میں خطبات اور آسان نتا بیں پڑھ کر سنتا ہے اور سمجھائی جاتی ہیں۔

مکاتب اطفال کے سلسلہ میں شہروں میں جس نجح پر کوششیں کی جا رہی ہیں۔ اسی نوعیت کی کوششیں دیہاتوں میں بھی کی جا رہی ہیں۔ حلقوں رہار میں کئی دیہاتوں میں اور لوٹنگ دہلی کے حلقوں اور بعض دوسرے مقامات پر بھی کام کامیاب کے ساتھ ہو رہا ہے۔ اس کے ذریعہ نہ صرف بھیں نئی نسلوں کی صحیح تربیت کا موقع مل ہا ہے بلکہ پورے کے پورے گاؤں کی فضنا ہمارے حق میں ہمار ہوتی جاتی ہے۔

دیہات میں خواتین میں کام کی طرف بھی ٹھکانے سے توجہ نہیں کی گئی، صرف حلقوں دہلی اور رہار کے بعض مقامات پر کام کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

دیہات کے ناخواندہ افراد میں ٹھکانے سے کام کرنے کے لیے اور ان کے اندر سے اچھے کارکن پیدا کرنے کے لیے ہم تعلیم بالغان پر کافی زور دیتے رہے ہیں۔ یہ طریقہ اس حلقو میں کام کرنے کے لیے موزوں ترین طریقہ ہے لیکن اس طرف بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ ضلع میرٹھ اور بلند شہر میں بعض مقامات پر اس کا تجربہ کیا گیا اور بعض دیہاتوں میں اس کام کے نتائج اچھے برآمد ہوئے ہیں۔ اگر ہم تعلیم بالغان کا کام بڑے پیمانے پر کریں تو ہمارا یہ کام وسعت اختیار کر سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں حالیہ مجلس شوریٰ نے پھر اسی بات پر زور دیا ہے کہ:

۱۔ موجودہ حالات میں ضروری ہے کہ خواص کے ساتھ عموم سے بھی

زیادہ سے زیادہ ربط قائم کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ ان کو دین

کے قیام میں حصہ لینے کے لیے تیار کیا جاسکے۔

۲۔ اب تک جو ندیں میلًا تعلیم بانگان، اجرائے مکاتب وغیرہ اختیار کی جاتی رہی ہیں ان کے ماسوا بنشکل و فود عوام تک پہنچنے اور ان سے گھرے شخصی روابط پیدا کرنے کے ذرائع فراہم کیے جائیں۔

۳۔ ان سے ذاتی میل و محبت پیدا کی جائے اور ان کی مشکلات میں ان کی عملی ہمدردی کی جائے۔

۴۔ دین کی بنیادی باتوں سے انھیں زبانی یا بذریعہ آسان لڑیچر واقف کیا جائے۔

۵۔ اسلام کی صحیح تعمیر ان کے سامنے پیش کی جائے جس سے دین دنیا کی تفریق کا تصور مٹ سکے اور وہ معاملات و اخلاق کو دین کا جزو سمجھنے لگیں۔

۶۔ دوروں کے لیے سب سے پہلے کوئی خاص مقام بخوبی کیا جائے اور وہاں اتنے وقت تک قیام کیا جائے یا اتنی وقتم جایا جائے کہ یا تو مذکورہ مقصد حاصل ہو جائے یا خدا نخواستہ اس کی طرف سے بالکلیہ مایوسی ہو جائے۔

۷۔ دوروں میں جزوی اختلافی باتوں سے کسی طرح تعریض نہ کیا جائے اور اگر اس کے موقع پیش آجائیں تو ان سے حکمت کے ساتھ درگزد رکیا جائے۔“

ہم اپنے رفتار سے امید رکھتے ہیں کہ وہ ان مہدیات پر پوری توجہ دیں گے۔

اصل میں ہمارا مقصود عوام و خواص دونوں تک پہنچنے کا ہے۔
 یہ صحیح ہے کہ ہم عام طور سے پہلے پہل خواص ہی کو دعوت
 کی طرف مخاطب کرتے ہیں، کیونکہ اول تو خواص ان باتوں کو
 عوام کی بہ نسبت زیادہ سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں اور دوسرا بات یہ ہے
 کہ عوام اکثر و بیشتر معاملات میں خواص ہی کی پیروی کیا کرتے ہیں، اس لیے اگر ذہین،
 سمجھدار اور پڑھا لکھا طبقہ دعوت کو سمجھ کر اپنا لے تو نہ صرف یہ کہ عوام ان خواص کو
 دیکھ کر خود اپنے طرزِ زندگی کو بدلتے ہیں گے بلکہ ہمارے پاس عوام کی
 صحیح رہنمائی اور دینی طرز پر تربیت کرنے والا ایک گروہ بھی تیار ہو جائے گا۔ چنانچہ
 ہمارے پروگرام کی تیسری شق یہی ہے کہ ملک کی ذہنی طاقت کا زیادہ سے زیادہ حصہ
 اپنی اس دعوت کے لیے فراہم کریں اور اس سے باقاعدگی سے کام لیں۔

ذہین طبقہ کو منظم کرتے کی کوشش

اس سلسلہ میں بھی سب سے پہلا کام اپنے حلقوں کا اسی نقطہ نظر سے جائزہ
 لینا اور اس کے بعد ایک سوچی سمجھی تدریج کے ساتھ کام کو آگئے بڑھانا ہے، جو ذہنی
 طاقت ہمارے پاس موجود ہے اس کو دماغی قابلیتوں اور صلاحیتوں کے لحاظ سے
 مزید ذہنی طاقت فراہم کرنے اور مزید ذہین اور ذہنی صلاحیت لوگوں کو متوجہ کرنے
 کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جن مقامات پر اس قسم کے کارکن میسٹر ہوں وہاں مختلف
 شعبے اور حلقوں میں کارکنی قائم کیے جاتے ہیں۔

لڑیچپر

اس سلسلہ میں سب سے موثر عامل وہ ٹھوس اور سمجھیدہ لڑیچپر ہے جو تحریک
اسلامی نے تیار کیا ہے اور جو ملک کی مختلف زبانوں میں اردو، ہندی، انگریزی،
بنگل، ملیالم، تامیل، مرہٹی، کنڑی اور کجراتی زبانوں میں ہے۔ مکتبہ جماعت سے
اب تک کے لڑیچپر کی اشاعت کے علاوہ جدید لڑیچپر بھی تیار کرنے کی طرف توجہ کی گئی۔
صحافتی کام

اخبارات و رسائل اور دوسری صحافتی سرگرمیاں اس سلسلہ میں موثر ثابت
ہوئی ہیں۔ خود مرکز سے رسالہ "زندگی" شائع کیا جاتا ہے۔ اہماد سے سرروزہ
"الانفاس" شائع ہوتا ہے۔ حیدر آباد سے "حیات نو" شائع ہوتا ہے۔ جنوبی ہند سے
منشکتی اور ارل جودی دور سالے نکلنے تھے جو صوبائی زبان میں دعوت پیش کرتے
تھے۔ اب منشکتی توبہ ہو گیا ہے لیکن ارل جودی اس کی کمی کو پورا کر رہا ہے۔ ارل
جودی اب لنکا (سیلوں) سے شائع ہو رہا ہے اور الحمد للہ وہاں کافی ترقی کر رہا ہے۔
یہ ماہانہ رسالہ ملی زبان میں شائع ہوتا ہے۔ ماہنامہ "سنڈیش" کنڑی زبان میں
نکلتا رہا لیکن یہ پرچہ بھی اب نہیں شائع ہو رہا ہے۔ ایک ماہنامہ پر بودھم (دعوت)
ملیالم زبان میں نکل رہا ہے جو کافی مقبول ہے۔ کچھ عرصہ تک ایک انگریزی پندرہ روزہ
جریدہ Message کبھی شائع ہوتا رہا لیکن بعض وجوہ سے یہ کامیاب نہ ہو سکا۔ انگریزی
زبان میں اپنے خیالات کو پیش کرنے کے لیے ایک جریدہ کا اجر اب بھی پیش نظر ہے۔
ان اخبارات و جرائد کے ذریعہ نصرت یہ کہ مختلف موضوعات کے تحت دعوت
پیش کر کے اوزنازہ بتازہ اسلامی مسائل پر اسلامی نقطہ نظر سامنے لا کر ملک کے ذہین

اور اہل فکر طبق پر اثر انداز ہونے کی کامیاب کوشش کی جا رہی ہے بلکہ اس سے لکھنے والوں اور سوچنے والوں کی مزید تربیت بھی ہوتی رہتی ہے (ذندگی کے علاوہ باقی پر چوں کا تعلق براہ راست جماعت سے نہیں ہے۔ ہمارے رفقاء بطور خود ان کو نکال رہے ہیں)

ادبی کام

ادب بھی اس سلسلہ میں بہت اہمیت رکھتا ہے جہاں جہاں ہمارے ... ذی صلاحیت رفقاء ہیں وہ ادبی کام بھی کر رہے ہیں خصوصاً حلقہ دہلی، حیدر آباد، المآباد، بہار اور سہوپال میں ادبی کام زیادہ اچھی طرح ہو رہا ہے۔ دہلی سے ایک رسالہ "معیار" ہمارے رفقاء نے حال ہی میں نکانا شروع کیا ہے جس کے ذریعہ امید ہے کہ ملک کے ذہین طبق خصوصاً تعلیم یافتہ حضرات اور طلباء میں سے کافی لوگ ہماری طرف مائل ہو جائیں گے۔

جودہ ہنسی طاقت اہم اب تک فراہم کر سکے ہیں اس کی تیاری اور تربیت کے لیے بھی ادبی کام بہت مفید ثابت ہو رہا ہے۔ ان کی صلاحیتیں تیزی سے نشوونما پا رہی ہیں۔

انگریزی میں کام

بعض مقامات پر مثلاً المآباد اور کسی درجہ میں علی گروہ میں کام کی بنیاد اُن کے لیے انگریزی حلقہ را بھی قائم کیا گیا ہے اور اس ذریعہ سے بھی نصف یہ کہ انگریزی میں کچھ کام شروع ہو گیا ہے بلکہ رفقاء کی اس کام کے لیے تربیت بھی ہو رہی ہے۔ المآباد اور حیدر آباد میں انگریزی اور اردو میں خطاب اور مذاکرات کے لیے

مخصوص نشستیں کی گئی ہیں۔
اسٹڈی سرکل

معاشیات کے طلباء میں فکری اور ذہنی تحریک پیدا کرنے اور اسلامی نفطر نظر سے غور و فکر کا آغاز کرنے کے لیے ایک اسٹڈی سرکل قائم کیا گیا ہے جو اپنا ایک ماہانہ بلین شائع کرتا ہے۔ اب تک اس بلین کی چھ اشاعین سامنے آچکی ہیں اور اس ذریعہ سے اوپنے درجے کے طلباء میں آئندہ زیادہ اچھی طرح فہری د فکری کام کی تربیت ہونے اور ہمیزی طلباء کے اس طرف توجہ ہونے کی توقع ہے۔ بعض جگہوں پر طلباء میں کام کرنے کے لیے الگ تیاریں بھی کی گئی تھیں۔ ان تنظیموں کے ذریعہ طلباء میں کام کے زیادہ موقع پیدا ہو جاتے ہیں۔

اساتذہ

جہاں جہاں بھی کام اچھے پیمانہ پر ہو رہا ہے اچھے تعلیم یافتہ اساتذہ کو متوجہ کرنے کی کوشش کی گئی علی گدھ میں اس طرف توجہ کی توجی اور دو تین اساتذہ ہم سے قریب آ رہے ہیں۔ اس کے علاوہ اور مقامات پر بھی بعض اساتذہ ہمارے ساتھ ہو رہے ہیں۔ طلبہ عام تعلیم یافتہ لوگوں اور اساتذہ کے علاوہ دوسرے ذہن طبقوں مثلاً وکلاء وغیرہ میں بھی کام کرنے کی کوشش کی گئی۔ خاص طور سے مدیرانِ جراہر سے مل کر اخبار نویسی کے موجودہ رجحانات کو بدلتے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ بھارت کے اہل قلم انگریزی، اردو، ہندی اور ملک کی دوسری زبانوں میں اخبارات جاری کر کے اسلامی خیالات کی اشاعت کریں۔ کیونکہ اسلامی فکر کی اشاعت کے لیے ہمیں تمام زبانوں سے کام لینا ہے چنانچہ ہمارے پروگرام کا

چوتھا جزو یہ ہے کہ ہمارے سب کارکن بھارت کی ان مقامی زبانوں کو سیکھیں اور ان میں تحریر و تفسیر کی قابلیت بھی پہنچائیں جواب تعلیم اور لٹریچر کی زبانیں بن گئی ہیں۔

مختلف زبانوں میں دعوت کی اشاعت

ہندوستان کے مختلف علاقوں کی زبانوں کو سیکھنے، ان میں مہارت پیدا کرنے اور اسی طرح ان زبانوں میں دعویٰ لٹریچر فراہم کرنے کا کام بھی بہت اہم ہے۔ اس مسلمان میں رفقاً رکون توجہ کیا جاتا ہے کہ وہ ہندی اور دوسری مقامی زبانوں میں جلد واقفیت بھی پہنچائیں اور جو لوگ زبان سے وافق ہوں وہ مہارت پیدا کریں۔ وسری زبانوں میں لٹریچر کے منقول کرنے اور دعوت کی اشاعت کے لیے رسائے ارسی کرنے کا کام بھی کسی حد تک ہو سکا ہے۔ بھارت میں بنگلہ زبان میں ترجمہ کا کام شروع یا گیا تھا اور اسلام کا نظام حیات حقیقت ایمان اور حقیقت اسلام کا بنگلہ ترجمہ شائع ڈچکا ہے۔

رام پور سے معیاری ہندی میں ایک رسالہ "اجالا" شائع کیا جا رہا تھا، بعد اسے بند کر دیا گیا۔ اور اب بچوں کے لیے آسان ہندی میں "اجالا" شائع کیا جا رہا ہے جو مقبول ہو رہا ہے۔

حلقة دہلی میں رفقاً خاصی تعداد میں ہندی سیکھنے کی طرف متوجہ ہیں۔ ایک بینق اتنی تیاری کر چکے ہیں کہ انہوں نے ترجمہ کا کام بھی شروع کر دیا ہے اور ایک ملاب کا ترجمہ بھی کر چکے ہیں۔ اس حلقة میں ہندی سیکھنے سکھانے اور اس کے اندر کام لیے ایک الگ ناظم مقرر کیا گیا ہے۔ اسی طرح دوسرے مقامات پر ہندی میں ترجمہ

کرنے نیز سہدی زبان کو سیکھنے کے سلسلہ میں انفرادی نیز اجتماعی طور پر کوششیں کی گئی ہیں۔

حیدر آباد میں تلنگانی زبان میں تین پیغامیں کا ترجمہ کیا گیا ہے جن میں سے ایک شائع ہو چکا ہے اور پانچ کا ترجمہ مرہٹی میں ہوا ہے یہ کتابیں اچھی تعداد میں فروخت ہو رہی ہیں۔

مالا بار میں ملیالم زبان میں اشتاعت کا کام ایک عرصہ سے ہو رہا ہے اور اب تک چھ کتابوں کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ ٹیکلستان میں ٹیکل زبان کا دارالاشرافت قائم تھا۔ یہ دارالاشرافت پانچ کتابوں کا ترجمہ کر چکا ہے اور ایک کتاب زیر طبع ہے۔
ہندی زبان میں بھی پانچ کتابوں کا ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔

حضرات! یہ تھا ایک سرسری جائزہ اس کام کا جو ہم اپنے پروگرام کے مطابق کرچکے ہیں۔ ہماری مسامی میں جو خامیاں رہ گئی ہیں اور جن امور کی طرف توجہ کی ضرورت ہے ان میں سے اکثر کی طرف اور پہلی اشارے کیے گئے ہیں لیکن چند امور رفقار کے لیے خاص طور سے قابل توجہ ہیں کیونکہ وہ ہمارے کام کو آگے بڑھانے کے لیے ناگزیر ہیں۔ اس ملک میں دعوتِ اسلامی کی عام مقبولیت اور تحریکِ اسلامی کی کامیابی کا انحصار اس پر ہے کہ ہم اپنی سیرت و کردار سے اسلامی زندگی کا صحیح نمونہ پیش کریں۔ یہ نمونہ انفرادی بھی ہونا چاہیے اور اجتماعی بھی۔ اس کے لیے رفقار کو اپنا اعتماد کرنا چاہیے۔ بار بار اسلامی زندگی کے سلسلہ کی تفضیلی ہدایات ذہن میں تازہ کرنی چاہیں۔ اور ان سے مقابل کے بعد اپنی خامیوں کو دور کرنے کی فکر میں لگ جانا چاہیے۔

رفقاٹ کو اپنی تربیت کے لیے انفرادی اور اجتماعی طور پر سوچنا چاہیے۔ مہر کریمی

طرف سے تربیت کا جو نظم ہے اس کا تذکرہ تو آگے آئے گا۔ لیکن مقامی ضلعی اور حلقہ واری طور پر بھی اس قسم کے انتظامات کرنے چاہیئیں جو رفقاء کی تربیت میں مدد و معاون ہو سکیں۔ دعوت سے مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کو صحیح طور پر روشناس کرانے کے لیے اس طرف توجہ کی ضرورت ہے کہ جہاں کہیں ممکن ہو محلوں، دیہاتوں، شہروں اور ضلعوں میں نمونے کے کام کیے جائیں۔ اس قسم کے نمونے کے کام کی جگہوں کا انتخاب اپنی طرح جائزہ لینے کے بعد کیا جائے اور مناسب زمین اور اچھے کارکنوں کی موجودگی وغیرہ کے لحاظ کے بعد جو جگہ منتخب ہواں پر توجہ سے کام کیا جائے۔ پھر ان نمونے کی جگہوں کے کام اور یہاں کے تحریبات کو شہر، ضلع یا حلقہ اور ملک کے دوسرے رفقاء کی دعویٰ اور تبلیغی تربیت میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

شتن بڑے متعلق یہ عرض کرنا ہے کہ شہروں میں افزادی کام اور اجتماعات وغیرہ کے ذریعہ جو کچھ ہو رہا ہے اس کو بہتر طور پر کرنے کے ساتھ ہی کچھ اور قابل توجہ باتیں بھی ہیں۔ شہروں میں جو معاشرتی اور تندی ادارے، اصلاحی انجمنیں یا اسی قسم کی دوسری تنظیمیں ہوتی ہیں۔ ان کے سربرا آورده لوگوں سے روابط پیدا کرنے چاہیں۔ اس طرح بعض خاص برادری کی انجمنیں بھی پانی جاتی ہیں۔ اجتماعی روابط اور پھر ان کو قریب لانے کی مختلف شکلیں اختیار کرنے سے کام کافی آگے بڑھ سکتا ہے۔

دیہاتوں کے سلسلہ میں برادریوں اور اسی قسم کی گروہی اور نسلی تنظیموں کے افراد میں کام کا بہتر طریقہ ان کے سربرا آورده حضرات سے روابط پیدا کرنا اور اس طور پر ان میں دعوت کے نفع کے موقع پیدا کرنے کی کوشش کرنا ہے۔ اس طرف زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔

بیٹھکوں اور چوپا لوں میں دوپہر اور رات کی نشستوں میں ایسی فضائی ہتھی
ہے کہ لوگ کچھ باتیں اٹھینا سے سُنسیں اور کچھ گفتگو ہو سکے۔ ایسے موقع پر آسان طریقہ
پڑھ کر صنانے کی کوشش کی گئی تو اس کے نتائج بہت اچھے نکلے ہیں۔ اگر ہمارے کام کن
حکمت کے ساتھ ان مواقع کو دعوت کے حنی میں استعمال کریں تو دور رس نتائج برآمد
ہو سکتے ہیں۔

تعلیم باغان کے سلسلہ میں بھی جتنی توجہ ہوتی چاہیے اتنی نہیں ہے شہروں کی
بے پڑھی لکھی آبادی میں عموماً اور دیہاتوں میں خصوصاً کام کا موثر ترین ذریعہ بھی
ہو سکتا ہے۔ اس طرف بیش از بیش توجہ کی ضرورت ہے۔

غیر مسلموں میں جو کام کرنا ہے وہ یہ ہے کہ ان میں اسلام اور پھر تحریکِ اسلامی
کا صحیح تعارف کرایا جائے اور اس سلسلہ میں ان کی غلط فہمیوں اور بدگانی کو دور
کیا جائے۔

دوسرا ہم کام جس پر پہلے کا بھی اختصار ہے وہ غیر مسلموں کے سامنے اچھے
سیرت و کردار اور بلند اخلاق کا نمونہ پیش کرنا ہے۔ یہ کام ہمارے اپنے رفقار کی صحیح
تربیت اور مسلمانوں کی عام اصلاح کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔ ان کاموں کا پہلا قدم
غیر مسلموں سے تعلقات اور روابط پیدا کرنا ہے۔ بنادر، خیال، گنجوں اور طلاقاًتوں
کے ذریعہ ہی کام شروع کیا جاسکتا ہے۔ طریقہ اور رسالوں سے بھی کام بیجا سکتا ہے۔

ششمہ کے سلسلہ میں عرض ہے کہ ذہین اور تعلیم یافتہ طبقہ سے وہ کارکن اور
اہل فکر قرآن ہو سکتے ہیں جو ملک میں تحریکِ اسلامی کے کام کو اس کے حصے میعاد آگے
بڑھا سکیں اور بالآخر وہ ذہنی انقلاب بپیا کر سکیں جو ہمارا مطلوب ہے۔

اس سلسلہ میں مدیر ان جرائد، وکلا، اور تعلیمی، فکری یا ادبی مجالس اور اداروں کے سربراً اور دہ حضرات سے ربط ضبط بڑھانے اور ان کے سامنے دعوت پیش کرنا اس سلسلہ کا ایک اہم کام ہے جس کی طرف مزید توجہ کی ضرورت ہے۔

اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلباء میں کام کی مختلف صورتوں میں ان کے مخصوص اجتماعات، ادبی کام اور ہوٹلوں میں اپنے کارکنوں کے ذریعہ اجتماعات لٹرچر اور جرائد اور عام گفتگو اور تبادلہ خیالات کے ذریعہ کام کو تیزی سے آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔ اسٹڈی سرکلنس اور نہاد کراتی حلقات قائم کر کے لٹرچر کے زیادہ گہرے مطلعے، باطل افکار پر کھل کر تبادلہ خیالات اور اسی طرح کی دوسرا گفتگوؤں کے ذریعہ طلبہ کے ذہن کو اسلام کے حق میں مطمئن کر دینے اور باطل افکار سے دُور کر دینے کا کام بہت خوبی سے کیا جا سکتا ہے۔

اقامتی درس گاہوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں دارالملائے تیادہ اچھے نظم کے ساتھ قائم ہونے چاہیے۔ کوشش کرنی چاہیے کہ دارالملائے کے ساتھ ایسی جگہ بھی ہو جہاں طلباء اپنے فرست کے اوقات میں اٹھ بیٹھ سکیں اور وہاں تبادلہ خیالات اور نہاد کرات کی گنجائش مکمل سکے۔ اس طرح جو طلباء ہماری طرف مائل ہوتے ہیں ان کو ایک بالکل علیحدہ ماحول فراہم کر کے ہم ان کو یونیورسٹی یا کالج یا ہوٹل کے عام ماحول کے مضر اثرات سے بہت کافی حد تک بچا سکیں گے۔

جو مختلف تنظیمیں، ادبی کام، مخصوص مضامین، فکری کام اور دوسرے تخلیقی کاموں کے لیے بن رہی ہیں۔ ان کے تحت ہر مقامی جماعت کو اپنے افراد میں سے ذہن اور ذہنی صلاحیت افراد کو منتخب کر کے ان کی ذہنی و فکری تربیت کرنی چاہیے تاکہ

آن سے زیادہ مخصوص اور سنجیدہ کام لیا جاسکے خط و کتابت اور دوسرے ذرائع سے ایسے طلباء کا جو مختلف مقامات پر ہوں ایک دوسرے سے گہرا بیط و ضبط قائم کرنا چاہیے تاکہ ہمیں جو ذہنی سرمایہ میسر آچکا ہے اس کو نشوونما اور ترویج و ترقی کے پورے موقع مل سکیں۔

شق علا کے سلسلہ میں عرض کرنا ہے کہ مقامی زبانوں کو سیکھنے، ان کے اندر مہارت پیدا کرنے اور ان زبانوں میں کام کرنے کی اہمیت شاید رفقار نے پوری طرح محسوس نہیں کی ہے۔ یہاں صرف اس کی طرف توجہ دلانی ہے کہ مقامی زبانوں خصوصاً ہندی سیکھنے اور جو لوگ کچھ جانتے ہوں ان کے مہارت پیدا کرنے کی طرف مقامی جماعتیں زیادہ توجہ کریں۔ جہاں ممکن ہو وہاں مقامی طور پر اس کا اجتماعی طور پر انتظام کیا جائے۔

ہمارے جو رفقار ان زبانوں میں اتنی استعداد رکھتے ہوں کہ مزید محنت اور توجہ سے مہارت پیدا کر کے ہندی میں لکھنے یا ترجمہ کرنے کا کام آسانی سے کر سکیں، ان کو اس طرف توجہ کرنی چاہیے۔ مقامی جماعتوں اور پھر حلقوں کے توسط سے ایسے افراد کا علم من دوسری تفصیلات کے مرکز کو ہو جانا چاہیے۔

ہندی جاننے والوں اور خصوصاً اہل قلم سے جو رفقار روابط پیدا کر سکتے ہوں وہ ایسا اصرہ رکریں اور ان حضرات کو نہ صرف اپنی دعوت سے روشناس کرائیں بلکہ ان کے ذریعہ موجودہ ہندی پریس کے عام رجحانات وغیرہ سے بھی مطلع ہونے کی کوشش کریں مایسا ہی دوسری مقامی زبانوں کے سلسلہ میں بھی کیا جائے۔

بنگال میں بنگل اور جنوبی ہند میں ملیالم، تام، کنڑی، مرہٹی اور دوسری زبانوں

کا سیکھنا تو رفقا کے لیے ضروری ہی ہے لیکن ان کے لیے یہ بھی اہم ہے کہ وہ اردو زبان سیکھیں۔ ایسا کر کے ہی وہ اسلام اور تحریک اسلامی کے بارے میں اپنے اور وسیع طریق پر کامطا لعہ کر سکتے ہیں اور آگے اسی طرح وہ اردو سے ترجیح کا کام کر سکیں گے۔

اب ہم پروگرام کے چاروں نکات کے متعلق تفصیلی بحث کر جائے ہیں لیکن اگرچہ ہم نے اپنے پروگرام کی ہر شق کے ذیل میں الگ الگ معلومات فراہم کرنے کی کوشش کی ہے تاہم یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ چاروں چیزوں اس طرح ایک دوسرے سے مربوط ہیں اور ان میں آپس میں ایک دوسرے سے اتنا گہرا تعلق ہے کہ اس اسکیم کی افادیت جب ہی حاصل ہو سکتی ہے جب کہ اس کو ایک وحدت سمجھتے ہوئے اپنایا جائے۔ لیکن اگر ایسا نہ کیا گیا تو ان میں سے ایک کا ترک اور دوسری کا اختیار پوری اسکیم کو مہل بناسکتا ہے، اس لیے ہمارے رفقا کو ان چیزوں کے باہمی ربط اور ان کی واقعی اہمیت کو قدم قدم پر لحوظا رکھنے کی ضرورت ہے۔ خود مرکز جماعت اسلامی ہند کا طرز عمل اس بارے میں یہ ہے کہ ہمیں بیک وقت ان سارے مقاصد کے لیے جدوجہد کرنی ہے۔

مرکزی کاموں کا جائزہ

حضرات! یہاں تک تو ہم نے ان کاموں کا ذکر کیا ہے جو ہمارے رفقا رجھات

میں مختلف مقامات پر کرسہے ہیں۔ آڑیسہ اور آسام کے صوبوں کے علاوہ خدا کے فضل سے ہماری آواز بھارت کے باقی تمام صوبوں میں پہنچ چکی ہے۔ تقیم ہند کے وقت ہمارے ارکان کی تعداد ۳۲۰۰۰ تھی۔ اب خدا کے فضل سے ارکان اور ہمدردانہ وغیرہ کی تعداد حسب ذیل ہے:

ارکان ۳۸۹ امیدواران رکنیت ۱۶۵

ہمدردان ۱۰۹۵ متأثرین تقریباً ۴۰۰۰

ہیں اور متعددین خدا کے فضل سے کافی تعداد میں موجود ہیں۔ ملک بھر میں جماعتیں کی تعداد ۶۲ ہے اور ۸۵ مقامات پر منفرد ارکان ہیں۔ ان کے علاوہ بہت سے مقامات پر حلقة ہمدردان بھی قائم ہیں جو ہمارے مشوروں سے کام کرتے ہیں۔ سہولت کا کے لحاظ سے ہم نے ۱۹ قسمیں مقرر کر دئے ہیں جو اپنے اپنے حلقات کے نگراں ہیں۔ یہ حلقات حسب ذیل ہیں :-

- | | | | |
|--------------|---------------|---------------------|--------------------|
| ۱۔ ال آباد | ۲۔ بمبئی | ۳۔ راجستان | ۴۔ سجپال |
| ۵۔ بنارس | ۶۔ بارہ بینکی | ۷۔ لکھنؤ | ۸۔ کانپور |
| ۹۔ دہلی | ۱۰۔ ساپور | ۱۱۔ شاہجہاں پور | ۱۲۔ بہار |
| ۱۳۔ کلکتہ | ۱۴۔ میسور | ۱۵۔ دکن | ۱۶۔ کیلہ (مالاباس) |
| ۱۷۔ ٹالمستان | ۱۸۔ ارکات | ۱۹۔ مدراس و آندھرا۔ | |

مونہزال ذکر حلقة کو اب توڑ دیا گیا ہے اور ٹالمستان، ارکات اور مدراں کو ایک ہی حلقة بنانے کا خیال ہے، ان تمام حلقوں کی روپورٹیں، اس مرکزی روپورٹ کے بعد پڑھی جائیں گی جن سے آپ کو ملک کے مختلف حصوں کے کام کی تفصیلات کا علم

ہو جائے گا۔ اب میں آپ کی خدمت میں مرکز کے مختلف شعبوں کے کام کے متعلق کچھ عرض کروں گا۔

جب تک ہمارا مرکز ملیع آباد میں تھا، اس وقت تک وہاں صرف مکتبہ اور ابتدائی درس گاہ کا انتظام تھا لیکن مرکز کے رام پور منتقل ہو جانے کے بعد یہاں ثانوی تعلیم اور تربیت گاہ کے شعبوں کا اضافہ ہو گیا ہے اور مزید برآں رسالہ زندگی کی ادارت و ترتیب کا انتظام بھی مرکز کے تحت آگیلہ ہے۔

مرکزی مکتبہ

تقسیم ہند کے بعد جماعت اسلامی ہند نے جب اپنا علیحدہ نظام قائم کیا۔ اس وقت ان سرنو مکتبہ کا آغاز بھی ملیع آباد ضلع لاٹھنوا میں کیا گیا۔ مکتبہ کے آمد و خرچ کا حجم ۲۷ اگست ۱۹۴۸ء سے دست گرد اس قرض سے کھلتا ہے۔ تقسیم ہند کے سلسلہ میں جو رقم جماعت اسلامی ہند کے حصہ میں آئی تھی اس سے کتابیں بالاقساط آنا شروع ہوئیں۔ بعض کاؤنٹیاں اور بندشیوں کے سبب سے کتابوں کے فراہم کرنے میں کافی زحمت ہوئی اور غیرہ معمولی اخراجات برداشت کرنا پڑے۔ ملیع آباد میں جگہ کی نفت، دیک کی کثرت اور مکان کی سیلیں بھی کافی پریشانی کا سبب بنی۔ لیکن بحمد اللہ ان تمام مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے مکتبہ اپنی زیست کے منازل طے کرتا رہا اور خدا کے فضل سے ترقی کرتا رہا۔

اکتوبر ۱۹۴۸ء میں مرکز کے ساتھ مکتبہ بھی ملیع آباد سے رام پور منتقل ہو کر آگیا۔ پہلے ہم باہر سے کتابیں منگواتے تھے لیکن اس میں زجنیں بھی نہیں اور تجارتی نقطہ نظر سے کوئی فائدہ بھی نہ تھا۔ اب ہم خود کتابیں چھپوانے کا انتظام کر رہے ہیں چنانچہ اس وقت

تک ہم نے تقریباً ایک سو تباہیں طبع کرائی ہیں۔

جماعت کے قدیم طریقہ کے علاوہ نئے طریقہ پر کے طبع کرنے کا انتظام بھی ہو رہا ہے، اس سلسلہ میں بعض کتابیں نیز طبع ہیں، اور کچھ رفقا، بعض خاص عنوانات پر کتابیں لکھنے کی تیاریاں کر رہے ہیں جو انشار اللہ مکتبۃ کی طرف سے شائع ہو سکیں گی۔ دریافت کی کتابوں کا ایک سینٹ جوچہ کتابوں پر مشتمل ہے چھپ کر تیار ہو گیا ہے، ان کے ساتھ ساتھ اخلاقی کہانیوں کا چار کتابوں کا ایک سینٹ بھی طبع ہوا ہے۔ قرآن کے ہندی ترجمہ کی ترتیب بھی انشار اللہ جلد شروع ہو جائے گی، ہندی میں سیرت کی کتابوں کی بڑی ضرورت تھی۔ سردست سیرت کی دو کتابوں کے ترجمے دوسرے اداروں سے منگو اکر رکھے گئے ہیں۔

دوسرے مکتبوں کی ایسی کتابیں جو ہمارے مقصد کے لیے مفید ہو سکتی ہیں ان کو نیز قرآن پاک کے نسخوں کو منگونے کا انتظام کیا گیا ہے۔

ہماری کتابوں میں سے بھوپال میں "بناو بھاڑ" نامی پیغام کو حکومت نے محض غلط فہمی کی بناء پر اولین نسخہ میں ضبط کر لیا اور ابھی تک اس کے والگداشت ہونے کی نوبت نہیں آئی۔ اسی طرح لکھنؤ میں "خطیبات" نامی کتاب کی ایک ہزار کاپیوں کو محض غلط فہمی کی بناء پر پولیس اٹھا کر لے گئی اور ہمارے دُور فقار کو نظر بند کر دیا۔ پھر انہیں بھاری صفائح پر رہا کیا اور آخر میں گوان لوگوں پر سے مقدمہ اٹھایا گیا۔ تاہم ایک برس سے زائد عرصہ گذر چکا ہے لیکن ان کتابوں کے والگداشت ہونے کی نوبت ابھی تک نہیں آئی ہے بلکہ برابر تاریخیں پڑتی چلی جا رہی ہیں۔

ان واقعات کا ذکر ہم اپنی رپورٹ میں اس لیے کر رہے ہیں کہ ہمارے رفقا،

کو ان معاملات کے متعلق صحیح حالات معلوم ہو جائیں۔
ابتدائی اور تانوی درس گاہ

اچ لادینی تعلیم کے مضر اثرات عام طور سے مسلم اور غیر مسلم بچوں میں نمایاں طور پر حسوس کیے جاسکتے ہیں، کیونکہ جس تعلیم کی بنیاد اخلاق اور مذہب کی صحیح شکل پر ترکی گئی ہو اس سے ذہن و فکر کا جو نشوونما ہو گا وہ خدا پرستی اور خدماترسی سے خالی اور لا دینیت اور مادیت کے رنگ میں ڈوبا ہو گا۔ اس لیے تعلیم کا مسئلہ نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں کے نقطہ نگاہ سے بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ لیکن عام طور سے چونکہ غیر مسلمین اس مسئلہ پر اس طرح عنور نہیں کرتے جس طرح ہم کرتے ہیں اس لیے اپنی جدوجہد کو ہم بعض مسلمانوں ہی تک محدود کیے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کے ضمن میں ابتدائی تعلیم کا جو نقاب سرکاری مدارس میں راجح ہے وہ مسلمان بچوں کی اسلامیت کے لیے انتہائی بتابہ کن ہے۔ لیکن مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کی وسعت اور ان کی غیر معمولی اشتشاری کیفیت کے باعث اس مسئلہ کا کوئی آسان حل تلاش کرنا ممکن نہیں ہے۔ تعلیمی مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر ہم ہر اس جماعت سے تعاون کرنے کے لیے تیار ہیں۔ جس کا مقصد تعلیم اور طریق تعلیم بنیادی طور سے ہمارے مقصد اور طریقہ کار کے خلاف نہ ہو، چنانچہ اس معاملہ کی نزاکت اور اہمیت کے پیش نظر مولانا ابواللیث صاحب امیر جماعت اسلامی ہند نے مولانا حفظ الرحمن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ العلماء ہند اور مولانا محمد منظور صاحب مدیر الفرقان سے اس مسئلہ پر چند ماہ پیشتر تبادلہ خیال کیا تھا اور ان تینوں حضرات نے اپنی افرادی حیثیتوں میں اس بات سے اتفاق رائے کیا تھا کہ اس مقصد کے لیے جماعت اسلامی ہند جمعیۃ العلماء ہند اور تبلیغی جماعت کے اشتراک سے

ایک مشترک بورڈ قائم کیا جائے لیکن چونکہ جمیعتہ العلماء کی مجلس عامل نے اس تجویز سے اتفاق نہیں کیا اس لیے اس اہم مسئلہ کو جس طرح حل ہونا چاہیے تھا وہ مقصد تو حاصل نہ ہو سکا البتہ اپنے طور پر اس سلسلہ میں جو کوششیں ہم کر رہے تھے ان میں استحکام اور وسعت پیدا کرنے کی طرف ہم اقدام کر رہے ہیں۔

اقامتِ دین کی جدوجہد میں جو حصہ آئندہ نسلوں کو لینا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ بچوں کی تعلیم و تربیت اس طرح کی جائے کہ علمی، ذہنی و اخلاقی نیز جسمانی، غرض تمام حیثیتوں سے ان میں وہ ضروری، انفرادی، اور اجتماعی صلاحیتیں، اخلاق اور اوصاف پیدا ہو سکیں جو مذہب اور انسانوں اور اقامتِ دین کے کارکنوں کے لیے ناگزیر ہیں اور جن سے جو ہر انسانیت اور جو ہر اسلامیت کا ارتقا ہوتا ہے۔

اپنے اس مقصد کے تحت ایک درس گاہ کے قیام کی ضرورت تو تقیم ہندے بہت عرصہ پہلے ہی ہمیں محسوس ہو رہی تھی۔ مگر مختلف اسباب سے اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی طرف اقدام نہ کیا جاسکا تھا۔ تقیم ہندے کے بعد ایسی درس گاہ کا بڑی نیت سے احساس کیا گیا اور سید اللہ کیم ربیع الاول شاہ کو جماعتِ اسلامی ہند مرکز میں ایک ابتدائی درس گاہ کا قیام عمل میں آیا۔ ہمارے ایک رفیق نے بھارت میں جماعت کے تقطیم جدید فام ہونے کے وقت تعمیر مرکز کے لیے اپنی زین کے ایک معتمد بر حضرة کے ساتھ ایک وسیع باع انبہ جو تقریباً ۲۷ بیگر ہے، ایک اقامتی درس گاہ کے لیے وقف کر دیا تھا۔ چنانچہ مرکز کے تحت اقامتی درس گاہ جس میں ابتدائی دو اساتذہ کی نگرانی میں ۲۴ طلباء کی تعلیم و تربیت کا چوتھے درجہ تک انتظام شروع کیا گیا تھا۔ محمود بخاری واقع طبع آباد کے اس باع میں اس وقت تک قائم رہی جب تک کمرکز میخ آباد ضلع لاکھنؤ میں

قام تھا لیکن چونکہ مکانات کی قلت اور بعض دشواریوں کی وجہ سے ہمارا مرکزی اکتوبر ۱۹۷۹ء میں ملٹی آباد سے رام پور منتقل ہو گیا اس لیے اسی کے ساتھ ساتھ مرکزی درسگاہ بھی رام پور منتقل کر دی گئی۔ رام پور میں مقامی جماعت کے تحت مرکزی درس گاہ کے نمونہ پر ایک ذیلی درس گاہ ایک ہمدرد جماعت کی عمارت میں جواہنوں تے درس گاہ کے استعمال کے لیے دے رکھی ہے، پہلے ہی سے قائم تھی۔ لہذا یہاں کی مقامی درس گاہ کو مرکزی درس گاہ میں ضم کر دیا گیا۔ اس طرح یہاں پانچ سویں درجہ کا اضافہ عمل میں آیا۔ یہاں طلباء کی تعداد ۵۵ اور اساتذہ کی تعداد چار ہو گئی، نیز طلباء کی نگرانی اور دیگر ضروریات کے لیے ۲ نگران مقرر کیے گئے۔ اس وقت بھی موجودہ تعداد ہی ہے۔ البتہ اس سال سے چھٹے درجے کا اضافہ کر دیا گیا ہے اور آئندہ سال ساتواں درجہ بھی کھوں یا جائیگا۔ اور ایک مزید اسٹاد کا اضافہ انشا راللہ کیا جائے گا تاکہ نئے درجے کے اضافہ کے ساتھ بعض نئے مصاہین کی تعلیم کا انتظام ہو سکے۔ فی الحال اسلامی علوم یعنی قرآن، حدیث، فتو، اخلاق، معاشرت، تاریخ اسلام، سیر انبیاء و صحابہ و ملکاے امت کے علاوہ عربی، اردو، ہندی، انگریزی زبانوں اور دیگر معلوماتی علوم مثلًا تاریخ ہند، جغرافیہ عالم، ریاضی، عام سائنس، آرٹ، کریفٹ وغیرہ کی تعلیم دی جاتی ہے، اور ان مصاہین میں ہمارے یہاں کا معیار سرکاری مدرس سے بلند ہے۔ ہم تعلیم کے جدیہ طریقوں اور کھلیل کو دے کر ذریعہ بہت سی باتیں طلباء کے ذہن نشین کر دیتے ہیں۔ جھینیں دوسرے مدارس میں پڑھا کر اور رٹا کر نہیں سے دماغ میں ٹھوپنا جاتا ہے۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ بچوں کو با عنایت، جلد سازی، بخاری، سلامی وغیرہ کاموں کی بھی تعلیم دی جاتی ہے۔ ان تمام کاموں میں سب سے زیادہ اہمیت ہم طلباء کی اخلاقی تربیت کو

دیتے ہیں کیونکہ اسی کے ذریعے اس صالح معاشرہ کا قیام نمکن ہے جو ہمارے پیش نظر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے مرتب کردہ نصاب میں اخلاقی فاصلہ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ خدا کے فضل سے ابتدائی تعلیم کے سلسلہ میں ہمارا تیار کردہ نصاب ملک میں اتنا مقبول ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں ہماری درسی مطبوعات کا استٹاک قریب الختم ہو گیا، اور ہمیں دوبارہ پرانی کتابوں کی اشتاعت اور نئی کتابوں کی تدوین کا انتظام کرنا پڑا۔ اس وقت خدا کے فضل سے ہمارے یہاں اردو میں ”قاعدہ“ اور ”ہماری کتاب“

کے چھ حصے جو چھٹے درجہ نک کے لیے کافی ہیں، نیز سرسری مطالعہ کے لیے اخلاقی کہانیوں کے پانچ حصے تیار ہو چکے ہیں، نیز ہندی میں ”ہماری پوچھی“ کے ۳ حصے تیار ہو چکے ہیں۔ اور جو تھا حصہ زیر طبع ہے۔ اسی سلسلہ میں چھٹی جماعت تک کے لیے نصاب بھی مکمل کر کے کتابی صورت میں شائع کر دیا گیا ہے۔

ہمارا نصاب اور ہماری درسی کتب نہ صرف مرکزی درس گاہ کے لیے معینہ ثابت ہوئی ہیں بلکہ مقامی جماعتوں نے بھی ان کی ترویج و اشتاعت میں کافی حصہ لیا ہے جس کا ذکر پہلے گذر چکا ہے۔

تعلیم کے سلسلہ میں آئندہ ہمارے سامنے حسب ذیل کام ہیں :-

پہلے تو ہم مرکزی درس گاہ کی توسعی اور استحکام کی کوشش کرنا چاہتے ہیں، پھر دوسرے مقامات پر بھی اسی قسم کی درس گاہیں کھوننا چاہتے ہیں اور جہاں ہم خود ایسی درس گاہیں نہ کھول سکیں وہاں عام مسلمانوں میں دینی تعلیم کا احساس بیدار کرنے کے لئے دینی درس گاہیں جاری کرنے کی طرف مائل کرنا چاہتے ہیں جن میں نواہ وہ ہمایہ نصاب تعلیم کو راجح کریں یا مقامی ضروریات و حالات کے تحت اس میں ایسی تبدیلی کر لیں

جس سے تعلیم کے دینی پہلو کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ ان کاموں میں ہم ہر ممکن اعانت کے لیے بھی تیار ہیں۔ حقی کہ اساتذہ کی تربیت کا بندوبست بھی مرکزی درس گاہیں ہمارے پیش نظر ہے۔

ثانوی تعلیم

ابتدائی تعلیم کے علاوہ ہماری توجہات ثانوی تعلیم کی طرف بھی رہی ہیں۔ بھارت میں نظم جماعت قائم ہونے کے بعد ہی علی گڑھ پونیورسٹی اور دیگر مقامات کے چند جدید تعلیم یافتہ طلباء نے ثانوی تعلیم کی اہمیت کے پیش نظر اس بات کی خواہش ظاہر کی کہ وہ اپنی تعلیم کا رُخ بد نہ چاہتے ہیں جب تک ہمارا مرکزی طیخ آباد میں تھا وہاں اس قسم کی تعلیم کا انتظام ممکن نہ تھا لیکن مرکز کے رامپور منتقل ہونے کے بعد ریجیٹ الول ہلڈنگز میں ثانوی تعلیم کے کام کو بھی خدا کا نام لے کر شروع کر دیا گیا تاکہ اقامتِ دین کی جگہ وہ کے سلسلہ میں اسلامی نظام کو پیش کرنے اور غیر اسلامی نظاموں پر مطوس تنقید کرنے کے لیے کچھ رفقا تیار ہو جائیں، فی الحال پانچ ایسے طلباء زیر تعلیم ہیں جو ایک عالم دین رکن جماعت کی خدمات سے استفادہ کر رہے ہیں، عربی اور دینی تعلیم کے شعبہ میں ایک اور استاد کی ضرورت محسوس کی گئی ہے اور تلاش برائی جاری ہے۔ لیکن ہنوز کامیابی نہیں ہوسکی ہے۔ ثانوی تعلیم میں عربی کا نصاب فی الحال ۳ سال پر مشتمل ہے لیکن علوم جدیدہ کے سلسلہ میں صرف معاشریات، تاریخ اور عمرانیات کا مطالعہ طلباء بغیر کسی استاد کی مدد کے کر رہے ہیں۔ ایڈ ہے کہ ثانوی تعلیم کی اس گروپ کی تیاری سے تحریک اسلامی کو اشتار اللہ اچھے کارکن فراہم ہو جائیں گے۔

تربیت گاہ

جس طرح ہر کام کے لیے علمی اور عملی تیاری کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح اقامتِ دین کے سلسلہ میں بھی ایسی علمی اور عملی تیاری اور تربیت کی ضرورت ہے جس سے کارکناں تحریک کو اقامتِ دین کے مقصد اور اس کے حصول کے سلسلہ میں ضروری معلومات حاصل ہو سکیں اور یہ معلومات مخصوص معلومات کی خاطر نہ حاصل کی جائیں بلکہ اس تعلیم کے مطابق کارکناں تحریک اپنے عمل کا جائزہ لے کر اپنا احتساب کریں کہ خدا تعالیٰ جس عمل کو محبوب رکھتا ہے اس کے وہ کس حد تک پاندھیں اور جس عمل سے خدا تعالیٰ ناراض ہوتا ہے اس سے کہاں تک وہ پڑھ رہے ہیں، اور مختلف موقع پر اور مختلف حالات میں ان کا طرزِ عمل کیا اور کیسا ہونا چاہیے۔

حضرات! یہ ہے ہمارا تصور علمی اور عملی تربیت کے متعلق، لیکن بعض وہ لوگ جو ہمارے مقصد اور لفظِ العین نیز طریقہ کار سے واقف نہیں ہیں، اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جایا کرتے ہیں کہ جماعتِ اسلامی کا تربیتی کورس فوجی ٹریننگ کی طرح کی کوئی چیز ہے لیکن جن لوگوں نے رسالہ "زندگی" میں امیر جماعت کی اس تقریر کا مطالعہ کیا ہے جو موصوف نے تربیت گاہ کے افتتاح کے موقع پر کی تھی وہ بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ تربیت سے ہمارا مقصد تزکیہ نفس، تہذیبِ اخلاق اور اصلاح اعمال کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے۔

تربیت کی ضرورت اور اہمیت کے بیش نظر تشکیلِ جماعت کے وقت ہی سے ہماری یہ خواہش تھی کہ اس کام کو مرکزی نگرانی میں باقاعدہ شروع کر دیا جائے لیکن جب تک ہمارا مرکز ملٹج آباد میں رہا ہم اس کام کو عمارت کی قلت اور دوسری مشکلات

کی وجہ سے شروع نہیں کر سکتے تھے۔ البتہ تربیت کی اس کمی کو کسی نہ کسی طرح پورا کرنے کے لیے بعض دوسرے ذرائع سے ہم مدد لیتے رہے۔ ہم نے یہ محسوس کیا تھا کہ قمین کو اپنے حلقوں میں بار بار دوسرے کرنے اور اسکان و ہمدردان حلقے سے شفیعی ارتباط اور تعلق قائم کرنے کی شرید ضرورت ہے اور اسی ضرورت کی بنابر اسکان و ہمدردان کی تربیت کا اہتمام بھی خصوصی طور سے قمین حضرات کے فرانچی میں داخل کر دیا گیا تھا تاکہ وہ اس کے ضمن میں مناسب صورتیں اختیار کریں۔

پھر ہم اسیر خیال بھی تھا کہ جس حد تک ممکن ہوا کان کو ایک ایک دو دو کر کے وقتاً مرتکز میں بلاتے رہیں اور ان کو تربیت کا موقع دیں۔ لیکن بعض موافع کی بنابر پر کوئی قابل ذکر کام اس سلسلہ میں اس طرح بھی نہ ہو سکا۔ البتہ جیدر آباد، دہلی اور بعض دوسرے مقامات پر ذیلی تربیت گاہوں کا انتظام کیا گیا تھا جن سے ہمارے وہاں کے رفقا نے کچھ فائدہ اٹھایا لیکن چونکہ وسیع پیمانہ پر انتظام کیے بغیر تربیت کا وہ مقصد حاصل نہ ہو سکتا تھا جو ہمارے پیش نظر تھا، اس لیے خدا کا نام لے کر ذوق قعدہ ۳۶۹ کو تربیت کے کام کو مرکز کے زیر اہتمام رامپور میں شروع کر دیا گیا۔ چنانچہ اب تک ۱۵ رفقا مرکزی تربیت گاہ سے فائدہ اٹھا سکے ہیں لیکن دو دراز کے رفقا کو مرکزی تربیت گاہ سے استفادہ کرنے میں عملی دشواریاں پیش آ رہی ہیں۔ تربیت کا حقیقی فائدہ تو اس وقت حاصل ہو سکتا ہے جبکہ تربیت گاہ مرکز میں ہو۔ لیکن جو رفقا باوجود ممکن کوشش کے مرکزی تربیت گاہ سے فائدہ نہیں اٹھائیں ان کی سہولت کے لیے مقامی نیز گشتی تربیت گاہوں کے کھولنے کا بھی فیصلہ کیا گیا ہے تاکہ رفقا کی ایک حد تک تربیت ہو سکے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی طے کیا گیا ہے کہ قمین حضرات کی مخصوص تربیت کی جائے نیزان حضرات کی تربیت کو مقدم سمجھ جائے

جو اپنے مقامات پر جا کر دوسروں کو تربیت دے سکیں۔ یہ تمام کام آہستہ آہستہ ہی ہو سکیں گے لیکن امید ہے کہ انتشار اللہ اس طرح تربیت کا کام زیادہ بہتر اور موثر طور پر ہو سکے گا اور رفقاء کی بڑی تعداد اس طرح فائدہ حاصل کر سکے گی۔

مایلیات

حضرات جو لوگ اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں پیش کر دیتے ہیں وہ اپنی دوسری قوتوں کے ساتھ ہی اپنے ماں کو بھی اس کی راہ میں خرچ کرنا عین سعادت شجھنے ہیں حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ حذرہ کار فرمانہ ہو تو دولت کے ظاهیر بھی کار آمد نہیں بنائے جاسکتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے یہاں نہ تو کسی چندے کی اپیل کی گنجائش ہے اور نہ ہم ان حضرات سے کوئی اعانت قبول کرتے ہیں جو ہمارے مقصد کا شور نہیں رکھتے۔ کیونکہ جب تک انفاق فی سبیل اللہ کی ضرورت اور اہمیت کا احساس لوگوں کے دلوں میں موجود نہ ہو اس وقت تک مالی امداد خواہ وہ تحولاتی ہو یا بہت کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔

بیت المال کی آمدی کے ذرائع

تقییم ہند کے نتیج میں چونکہ بھارت اور پاکستان کی جماعتیں الگ الگ ہو گئیں اس لیے مخدود ہندوستان کی پرانی جماعت کی تمام املاک بھی ان دونوں نئی جماعتوں میں تقییم ہو گئیں۔ چنانچہ جماعت اسلامی ہند کو کچھ رقم نفت اور کچھ کتابوں کی شکل میں ملی تھی۔ اس کے بعد ہماری آمدی کا سب سے بڑا ذریعہ جماعت کا مکتبہ ہو سکتا تھا لیکن جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے گوناگون مجبوریوں کی وجہ سے ایک عرصہ تک ہم حصہ ضرورت کتابوں کی طباعت کا انتظام نہ کر سکے۔ اس سے ہمارے بیت المال

پر تعاون انتہی ہے۔ مگر اب خدا کے فضل سے یہ رکاوٹ ایک حد تک دُور ہو گئی ہے اور مکتبہ کو اپنا کام کرنے میں نسبتاً سہولت ہو گئی ہے۔ اس کے علاوہ بعض رفتار کی طرف سے بھی براہ راست اعانت کی رقوم آتی رہتی ہیں۔ نیز حلقوں کے بیت المالوں سے بھی بعض رقوم منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ پہلے تو مقامی بیت المالوں کی آمدی کا صرف ۲۵% حصہ حلقوں کے بیت المالوں میں منتقل ہوتا تھا لیکن اب حلقوں کی مختلف ضرورتوں کے پیش نظر مقامی بیت المالوں کی کل آمدی کا ۷۰% فیصد حصہ ہر ہمینے حلقوں کے بیت المالوں میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ ہدایت بھی کرو دی گئی ہے کہ ہر سہ ماہی پر مقامی بیت المال کی ضرورت سے زائد بچی ہوئی رقوم حلقوں کے بیت المال میں منتقل کر دی جایا کریں، یہ رقوم اعانت اور زکوٰۃ پر مشتمل ہوتی ہیں۔

زکوٰۃ ایک اہم فریضہ ہے اور اس کے اجتماعی فوائد بے شمار ہیں۔ اسلام نے زکوٰۃ کی تحریکیں اور تقسیم کا نظم بھی اجتماعی رکھا ہے۔ یہ اہم پہلو اجع مسلمان معاشرے میں بہت کمزور ہے۔ دراصل زکوٰۃ کے بے شمار فوائد اس کے اجتماعی طور پر منظم کیے جانے ہی سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ الحمد للہ کہ ہمارے تمام ارکان اور الکثر ہمدردان اپنی زکوٰۃ جماعت کے بیت المال ہی میں دیتے ہیں۔ یہ رقوم انھیں مددات میں صرف ہوتی ہیں جو اسلام نے مقرر کی ہیں۔ ان رقوم کا بلیشتہ حصہ مقامی طور پر ہی صرف کیا جاتا ہے۔ کچھ حصہ حلقوں اور کچھ مرکزی بیت المال سے بھی مقررہ مددات میں خرچ کیا جاتا ہے۔ تشکیل جماعت سے اب تک زکوٰۃ کی مدد سے مختلف مقامات پر اعانت پانے والوں کی تعداد سو لئے سو افراد کے قریب ہے۔ مرکزی بیت المال

کی مددگاری سے فساد اور سیلا بزدہ علاقوں کے بعثت محققین کی بھی مددگاری گئی ہے۔

ہدایت اخراجات

مرکزی بیت المال کی آمد فی مکتبۃ، درس گاہ ابتدائی و ثانوی، تربیت گاہ، شعبہ تحقیق و تصنیف اور مرکزی دفاتر کی مدارات میں صرف ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ امیر جماں اور قیم جماعت وغیرہ کے دوروں پر بھی صرف ہوتی ہے، پھر اجتماعات اور ضرورت مدد حلقوں کی اعانت وغیرہ پر بھی صرف ہوتا ہے۔

جماعت کی مالی حالت رفقار کی عام اقتضادی مجبوریوں اور پریشانیوں کی وجہ سے اچھی نہیں ہے۔ ہمارے بہت سے ارادے اور عزم جن پر کام کی ترقی کا بہت کچھ اختصار ہے ابھی تک مخفی اسی لیے برداشت کا رہنہیں لائے جاسکے کہ ہماری مالی حالت ان کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ مثلاً یہیں اس کی ضرورت شدت سے پیش آ رہی ہے کہ متعدد حلقوں اور اضلاع میں کام کو منظم کرنے اور اس کی رفتار کو آگے بڑھانے کے لیے رفقار درکار ہیں، جو اس طرح کے کاموں کے لیے اپنا پورا وقت دے سکیں۔ یہ ضرورت بھی مالی دشواریوں کی وجہ سے اب تک مع من التواریں پڑی ہوئی ہے پھر ابتدائی درس گاہ، ثانوی درس گاہ، تربیت گاہ، اشاعت لٹریچر، ہندی ترجمہ، قرآن اور اسی قسم کے بہت سے چھوٹے بڑے انتظامات کے لیے بہر حال روپیہ کی ضرورت ہے۔ اس کا احساس گذشتہ مجلس شوریٰ کے موقع پر تمام اسکان شوریٰ کو ہوا تھا لیکن باوجود شدید ضرورتوں کے جیسا کہ امیر جماعت نے فرمایا تھا ہم خود رفقار سے بھی ایل کرنا مناسب نہیں سمجھتے، ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے بہر حال میں ہماری مدد کی ہے۔ ہم نے جن کاموں کا ارادہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہماری

راہیں کھوں دی ہیں اور ہمیں لقین ہے کہ اگر ہمارے اعمال اور نتیجیں اللہ کے فضل و رحمت کی حق دار ہیں تو اسی طرح آئندہ بھی راہیں کھلتی جائیں گی۔ اور ہمیں وہ سب کچھ حاصل ہو جائے گا جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندوں کی زبان سے کیا ہے۔

ربنا اتنا ما وعد تنا علی رسالک ولا تختز نا يوم القيامه انك
لا تختلف المبعاد - ۱۴ مین۔

محمد یوسف (قیم جماعت)
۱۴ اپریل ۱۹۹۶ء

قیم جماعت اسلامی ہند کی روپورٹ ۲۰۰۷ء بنجے ختم ہوئی۔ اس کے بعد جلوہ برائی پر،
جلوہ سیسیور اور حلقة شاہ جہاں پور کی روپورٹ میں ان حلقة جات کے فیضیں نے پیش
کیں اور اس اجلاس کی کارروائی ۱) بحث کر، ۲) منٹ پر ختم ہو گئی۔

۱) اپنے بنجے سے لے کر ۲) اپنے بنجے تک کا وقت کھانے اور نماز کے لیے تھا۔ حاضرین
پر وگام کے مطابق کھانے اور نماز جمعہ سے فارغ ہوئے۔ جمعہ کی نماز شہر کی جامع مسجد
میں ادا کی گئی۔ یہ مسجد شہر کی سب سے بڑی مسجد ہے اور عام دنوں میں بھی نمازِ جمعہ
میں یہاں نمازوں کی خاصی کثرت ہوتی ہے لیکن شرکا راجتمان کی شرکت نے اس
تعداد میں غیر معمولی اضافہ کر دیا تھا جو نمازوں کے لیے ایک روح پرور نظارہ تھا
جس کو عام طور پر لوگ حیرت و استیجاب کی نظر میں دیکھ دیجئے کہ خوش ہوئے تھے۔
دوسری نشست کے لیے اجتماع کا ہاں میں صبح کی طرح جگہ پر ہونے لگی۔

نیشنست دوم

۳۰ سے ۵ بجے تک

اس اجلاس میں حلقہ ہائے راجستھان، ارکاتھ، کلکتہ، بھوپال، بارہ بہنکی، مالا بارود کن کی روپورٹیں وہاں کے قائمین نے پڑھ کر سنائیں اور اس نیشنست کی کارروائی پروگرام کے مطابق ۵ بجے ختم ہو گئی۔

عصر کی نماز کے بعد رفقاً را ہمی ملاقات و تعارف میں لگے رہے اور پھر مغرب کی نماز اور کھانے کے بعد عشا منک یہ سلسہ جاری رہا۔ آج شب میں کوئی پروگرام نہیں رکھا گیا تھا تاکہ رفقاً جو طولِ سفر کے آئے تھے، شب میں اطمینان سے سو سکیں۔

(۱۹۴۵ء بروز شنبہ)

درسِ کلام پاک

دوسرے دن صبح کو بعد نماز فجر مولانا صدر الدین صاحب اصلاحی نے لاڈاپیکر سے درسِ قرآن دیا:

سورة بقرہ کی آیات ۲۰ وَمِنَ النَّاسِ مِنْ يُشَرِّى لِفُسْدٍ أَتَيْغَاعَ
مَرْصَاتِ اللَّهِ الْخَاتِمَاتِ ۲۱ إِنَّ نَصْوَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ کا بامحاورہ ترجمہ بیان
کرنے کے بعد مولانا نے ان آیتوں پر حسب ذیل وضاحتی تقریر فرمائی:
حضرات! قرآن بنی نوع انسان کو دو گروہ ہوں میں بانتھا ہے۔ ایک وہ گروہ جو
دنیا کا پرستار اور اپنی خواہشوں کا بندہ ہے، دوسرا جو خدا کا پرستار ہے۔

خدا پرستی کا مطلب اس کے لفظوں میں یہ ہے کہ انسان ایک بڑا سودا کرے، اپنی جان، یا بیوں کہیے کہ اس کا جو کچھ ہے وہ سب پیچ دے اور اس کے عومن اللہ کی خوشنودی بطور قیمت قبول کرے۔ آپ جانتے ہیں کہ بھی وہ چیز جاتی ہے جس کی ضرورت اور اہمیت نہ تباہ کم ہوتی ہے اور قیمت قبول وہ شے کی جاتی ہے جو مقابلہ تیادہ ضروری اور رعوب نہ ہوتی ہے۔ گویا دوسرا گروہ وہ گروہ ہے جو اللہ کی رضا کا کو اپنی جان سے بھی زیادہ معنوں اور محبوب سمجھتا ہے۔ غالباً یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ یہی وہ گروہ ہے جس کو عرف میں امت مسلمہ کہا جاتا ہے اور جس سے ہمارا آپ کا تعلق ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ رضاۓ الہی کی راہ کونسی ہے؟ قرآن کہتا ہے کہ میں اس سوال کا جسم جواب ہوں۔ اللہ اپنے بندوں کے لیے سترناپا شفقت ہے اس نے تمہیں ایک لمحہ کے لیے بھی اس چیز کی تلاش میں حیران و سرگردان دیکھنا گوارا نہیں کیا۔ اس نے اپنی مرضیات کی پوری تفصیل میری ہدایات و احکام کی شکل میں تمہارے حوالہ کر دی ہے۔ پر جنہیں اللہ کی رضا پیاری ہے، اور اس لیے وہ قرآن کو، مرضیات الہی کے اس مجموع کو قبول کر چکے ہیں، کہ رہے ہیں اور آئندہ بھی کرنے والے ہیں، انہیں اپنے کیے ہوئے "سودے" کو جو لوٹا نہ چاہیے۔ اب ان کے لیے عمل کی ایک ہی روشن صحیح ہے، اور وہ یہ کہ اپنے آپ کو ان مرضیات الہی کا پورا پابند بنادیں، ان احکام کی غیر مشروط اطاعت کریں جو اللہ کی کتاب سے انہیں ملیں اور اپنی پوری زندگی کو ان ہدایات کی عملی تفسیر بنادیں جو اللہ کے رسول نے ان تک پہنچائی ہیں۔ انہیں اس بات کا ہرگز کوئی حق نہیں کہ احکام و ہدایات اور مرضیات میں اپنے اختیاب کو دخل دیں، یہ نہ برداشت غداری اور بد دیانتی ہے کہ اتنے "قطیعی سودے" کے بعد بھی وہ ترک و اختیار

کی روشن اختیار کریں اور اپنی دنیوی خواہشوں، اپنی ملی مصلحتوں، اپنے جانی اور مالی مفادوں، یا کسی بھی غرض کے دربار میں اگر بعض احکام فرقہ کو قبول کریں اور بعض کو ترک کر دیں۔ یہ نہ تو ”مرضیات اللہ“ کی طلب و سنجو ہے نہ ہی احکام الہی کی اطاعت، یہ توجیہت ”مرضیات نفس“ کی طلب ہے اور اسی کے احکام و قوانین کی پیروی جو دراصل شیطان کی طلب، رضا اور پیروی کا دوسرا نام ہے۔ جیف ہے اگر سکرپر جمتوں رافت خدا کو چھوڑ کر انسان شیطان جیسے عدو نے مبین کی تیجھے چلنے لگے، اور وہ بھی اس حال میں کہ زبان سے برابر اطاعتِ الہی کے نزدے نشر کر رہا ہو مگر اے ایمان کے معیو! یاد رکھو اس کا حشر اچھا نہ ہوگا، اگر تم نے اپنی جان پیغ بینے کے بعد بھی اسے اپنے ہی قبضے میں رکھنے کی چال چلی اور ہمارے رسول مکی غیر مشروط اطاعت اور ہماری کتاب کی مکمل پیروی نہ کی۔ حالانکہ ان کے ذریعہ زندگی کا ایک ایسا مکمل اور واضح ہدایت نہ تھا کوئی کوئی چکا ہے جس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے تو اللہ رب العالمین کو نبھے بھی سمجھنا نہ ہی عبث کار وہ نہ کوئی کھلیل یوں ہی کھلیتے دیکھ کر خاموش نہ رہے گا اور جب تھماڑی سرزنش کرنا چاہے گا تو عاجز بھی ثابت نہ ہوگا۔ یہ کوئی دانشمندی کی بات نہیں کہ لوگ وضوی حق کے بعد بھی اسے تالثہ رہیں اور اتباع نفس میں سرگرم عمل رہیں۔ کیا انہیں کھونے اور عمل کرنے کا وقت وہ ہو گا جب قیامت آنودار ہوگی اور عمل کی مہلت ختم ہو کر میزان حساب آؤیزاں ہو جائے گی۔ بنی اسرائیل کی داستان عربت تھماڑے سامنے ہے ان کو کسی کسی وضوی ہدایتیں دی گئی تھیں مگر ان غفلت کو شوں نے اس نعمت کی قدر نہ پہچانی بلکہ اس کی شکل بھی اپنے قول و فعل سے اس طرح بدلا لی کہ دوسروں کے لیے دینِ حق کی پہچان بھی ممکن نہ رہی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رسولی کے عذاب میں

آج وہ مجری طرح گھرے ہیں۔ اس خوشگمانی میں بتلانہ ہونا کہ یہ کچھ اہنی کے لیے مخصوص سزا تھی، نہیں، اللہ کے یہاں دو پیمانے نہیں ہیں۔ جو بھی یہ حرکت کرے گا اس کو وہ اسی عذاب کا مرد اچھا ہائے گا۔

یہ صحیح ہے کہ اہل کفر تمہاری راہ میں مشکلیں پیدا کرتے ہیں اور احکام دین کی کامل اطاعت نم سے بڑی فربانیاں چاہتی ہے، تم کو جان و مال اور آرام و سکون کا نیاں برداشت کرنا ہوتا ہے اور تمہاری حالت پر یہ لوگ طنز کرتے ہیں۔ تمہارا مذاق اڑاتے ہیں، مگر ان لوگوں سے تم اور توقع کیا رکھتے ہو؟ ان کے سامنے آخرت کا مقادہ یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا ہے ہی کب جو وہ تمہارے نقطہ نظر کو سمجھ پائیں، یہ تو اپنی جانش دنیا کے عوض نیچے ہوئے ہیں اور دنیا کا چدر روزہ عیش ہی ان کا خوش آئند قصود زندگی ہے لیکن تمہیں توقین ہے کہ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے۔ اس زندگی میں عیش عشرت کا نقشہ الٹ جائے گا وہاں اہل ایمان ہی سر بلند ہوں گے اور جتنا کچھ انہوں نے اللہ کے نام پر یہاں کھویا ہوگا اس کا کئی گنا وہاں ان کے ہاتھ آئے گا۔ آخر اللہ کے خزانے میں کسی کسی جیزیر کی ہے، وہ ان اعدادے حق کی یہ دنیا پرستی کوئی اچھی جیز نہیں، یہ تو وہ بس کی گانہ نہ ہے جس سے ہمیشہ کفر کے اکھوے پھوٹتے رہے ہیں۔ یہ نہ ہو تو شر کا ہنگامہ ہی موقوف ہو جائے۔ ساری نوع انسانی اپنی اصل فطرت اور اپنی اصل شاہراہ عمل کے لحاظ سے ایک ہی گروہ اور ایک ہی ملت ہے۔ یہ سارا اختلاف جو تم دیکھ رہے ہو دراصل اسی دنیا پرستی اور خدا بیزاری کا شاخصاً ہے۔ یہ انسان کا اپنی اصل فطرت اور دین فطرت سے انحراف ہی تھا جس کے باعث اللہ تعالیٰ در جنم نے مسلسل اپنے انبیاء رب مجھے جن کے ساتھ حق کا پیغام تھا تاکہ وہ اس اختلاف

کو دُور کر دیں جو لوگوں کے اندر حقائقِ زندگی کے بارے میں پیدا ہو گیا تھا۔ افسوس کی یہ اختلاف اور انحراف کرنے والے وہ لوگ تھے، جنہیں حق کی روشنی اچھی طرح دھکائی جا چکی تھی اور جو سب کچھ دیکھنے کے باوجود مخصوص صدر میں اگر انہوں نے بننے تھے۔ بہرحال اللہ کی مشیت لوگوں کی تنبیہ کھولنے کا پورا سامان کرفی رہی اور جو حق کے پچے طالب تھے تنبیہ اس قانونِ ہدایت را و راست دکھاتا رہا۔ یہی تاریخی دعوت و ہدایت ہے جو آج تمہاری سر زمین میں دہرائی جا رہی ہے اور آخری بار دہرائی جا رہی ہے۔ سو یہاں بھی جو راستی کے طلب گارتھے ان کے سامنے جب راستی کی شاہراہ اختلاف کے جھاڑ جھنکاڑ سے پاک صاف کر کے رکھی گئی تو وہ اس پر چل پڑے، مگر جن کو باطل ہی سے عشق تھا اور جنہیں اللہ کی رضا سے بڑھ کر اپنے پناہیں کی تعظیم ہی زیادہ مرغوب تھی انہیں اس کی مخالفت کرنی ہی چاہیے تھی اور پھر اس مخالفت کو طرز و تعریف، بہتان و افزایا، دل آزاری و ایزاد ہی جتنی کسم رانی و خون آشامی کی شکلیں اختیار ہی کرنا چاہیے تھا۔ پھر تم اس صورتِ حال کو خلافِ توقع نہ سمجھو۔ وہ اپنا کام کریں گے۔ تمہیں ایسا فرضِ انجام دینا ہے۔ پھر تم نے تو اپنا سب کچھ اللہ کے حوالے کرنے کا اعلان کیا ہے، تو کیا یہ سمجھتے ہو کہ وہ تمہارے اس زبانی اعلان کو کافی سمجھ لے گا اور پروازِ جنت تمہارے ہاتھوں میں دیدے گا؟ یاد رکھو یہ اس کا دستور نہیں۔ اس نے تکمیلی ایسا نہیں کیا۔ آج سے پہلے بھی جب تمہاری طرح کچھ لوگوں نے پیرویِ حق کا دعویٰ کیا اور دعوتِ حق کا ساتھ دیا تو ان سے اس دعویٰ کی صفات کا عملی ثبوت مانگا کیا۔ یہ عملی ثبوت بھی تھا کہ اعداءِ حق کی طرف سے ڈالی جانے والی مصیبتوں کو مردانہ وار برداشت کریں۔ یہ مصیبتوں معمولی نہیں بلکہ دلوں کو ہلا دینے

والی اور سخت جاں گدا زہوتیں، ایسی کوہ پنج اٹھتے اور وہ کیا اللہ کا نبی بھی بکار اٹھتا، خدا یا، اب ہماری قوت برداشت کا تیادہ امتحان نہ لے۔ تیری مدد کب آٹھتی گی بھر یہ وقت ہوتا جب اللہ کی مدد آئندہ ار ہوتی۔ یہی قانونِ ابتلاء تمہارے معاملہ میں بھی نافذ ہے۔ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو کہ بغیر آزمائے ہوئے کسی مدعیٰ ایمان کا ایمان سندر قبول حاصل نہیں کرنا اور اللہ کی نصرت اگرچہ موصوف ہی کے لیے مخصوص ہے لیکن اس کے ظہور کا وقت بھی متعین ہے اور وہ یہ کہ پہلے اپنی قوت برداشت کی حد تک ان ابتلاؤں کا مقابلہ کرلو اور جو کچھ تمہارے پاس ہے راہِ خدا میں لا اخراج کرو۔ یعنی ثابت کر دو کہ ہم نے جو معاملہ "یح نفس" کا کیا تھا اس میں ہم صادق تھے، اس کے بعد اپنی قیمت وصول کرو جس کی پہلی قسط یہ فتح و نصرت ہے اور آخری قسط رفتائے الہی۔ و رضوانُ مِنَ اللہِ اکبر۔

حضرات! اس توضیح مطالب کے بعد آپ سے مجھے صرف یہ عرض کرنا ہے کہ ذرا غور کر لیجئے۔ یہ آئتیں کچھ آپ سے بھی تو تھیں کہہ رہی ہیں؟
ناشتبہ سے فارغ ہونے کے بعد تیسری نشست کی تیاری شروع ہو گئی۔

نشست دوم

(۷) تا ۳۰۔ ۱۱

اس نشست میں باقی رپورٹیں حلقوہ مائے کا پور، لکھنؤ، بمبئی، ٹاملستان، ال آباد، بنارس، بہار و دہلی کی طرف سے ان حلقوہ جات کے قیمین نے پیش کیں۔
یہ سلسہ ۹۔ ۰۰ تک جاری رہا۔

رپورٹوں کے بعد امیر جماعت نے ان پر حسب ذیل تبصرہ فرمایا :-
بعد حمد و شنا !

محترم حاضرین ! قیمین کی رپورٹیں آپ نے سن لیں۔ ان رپورٹوں کا مقصد جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، یہ ہوتا ہے کہ تحریکِ اسلامی سے والبستہ ہو کر جو لوگ کام کر رہے ہیں اور ان کو جو مشکلات و موانع اس سلسلہ میں پیش آ رہے ہیں وہ پوری طرح ظاہر ہو جائیں تاکہ جب آپ مسائل پر غور کرنے کے لیے جمع ہوں تو تمام صورت حالات آپ کے سامنے ہو، جو رپورٹیں آپ نے سننی ہیں ان سے یہ مقصد کہاں تک پورا ہو سکا اس کا صحیح اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کو پہلے سے مفضل حالات علوم نہیں ہیں اور وہ اس کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ لیکن جہاں تک میں اندازہ کر سکا ہوں میرا خیال ہے کہ اس اصلی مقصد کے پیش نظر رپورٹوں میں کافی خامیاں موجود ہیں۔ بعض رپورٹوں میں غیر ضروری تفصیلات آگئی ہیں اور جن امور کو قدر تفضیل سے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ان کی طرف یا تو توجہ نہیں دی گئی یا محض اشاروں پر اکتفا کریا گیا ہے، بعض رپورٹوں میں وہ ضروری تفصیلات بھی نہیں ہیں جو امرار جماعت کی رپورٹوں میں ملتی ہیں۔ تاہم اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان سرسری خامیوں کے باوجود ہر حلقة کے بہت کچھ حالات سامنے آگئے ہیں جو ان کے کام کی نوعیت و رفتار وغیرہ سمجھنے کے لیے ایک حد تک کافی ہیں۔ ان رپورٹوں سے بحثیت مجموعی کام کا جوانہ اندازہ ہوتا ہے اس کے بارے میں میرا پہلا تاثر یہ ہے کہ:

کام بحمد اللہ ما یوس کن نہیں ہے بلکہ واقع یہ ہے کہ جب میں نامساعد حالات کو سامنے رکو کر غور کرنا ہوں تو ہمارے رفقاء نے جو کچھ بھی کیا ہے وہ مجھے محض خدا

کا فضل و احسان نظر آتا ہے اور میرا دل اس کے شکر و سپاس کے جذبات سے
بریز ہو جاتا ہے اول تو ہمارے رفقار کی تعداد ابھی بہت سخوٹی ہے اور جو
تعداد ہے وہ بھی سخت ترین معاشی مشکلات میں مبتلا ہے۔ ایک طرف وہ عام مشکل
ہیں جو ہر قوم اور خصوصیت کے ساتھ مسلم قوم کو ہندوستان میں دریش ہیں جن سے
لامحالہ ہمارے رفقار کو بھی دوچار ہونا پڑ رہا ہے اور دوسری طرف حرام و حلال کی تمیز
نے ہمارے رفقار کے لیے کچھ خصوصی مشکلات پیدا کر دی ہیں۔ وہ ہر لفڑی اور پانی کے
ہر گھونٹ کو استعمال کرنے سے پہلے اسے جائز و ناجائز اور حلال و حرام کی چھلنی میں
چھان لینے کے آرزومند ہیں اور یہ ظاہر بات ہے کہ موجودہ غیر صالح نظام معیشت
میں رزق کی بہت کم مقدار ایسی ہوتی ہے جو جائز و ناجائز کی جانب پڑتال کے بعد
استعمال کے لیے بچ سکے۔ اس لیے ضروری ہے کہ رفقار اپنے رزق کی تلاش میں
ابتنے وقت کا پیشتر حصہ صرف کرنے پر مجبور ہوں اور اپنی خواہش کے علی الرغم اپنے
مقصد کی تبلیغ میں پورا حصہ نہ رکھیں۔

اور دوسری نبردست رکاوٹ ملک کی موجودہ فرقہ وارانہ صورت حال
ہے جس میں بہنوں کے لیے اسلام کا نام لینا بھی مشکل معلوم ہوتا ہے اور بہت سے
لوگ حیرت کے ساتھ پوچھتے ہیں اور ممکن ہے وہ اسے خالص جنون ہی سمجھتے ہوں
کہ ان حالات میں اسلام کا نام لینے کی گنجائش ہی کیا ہے؟ ہر چند فرقہ وارانہ صورت
حال اصولاً ایک دعوت کے لیے رکاوٹ نہیں بن سکتی تھی جو اصولی دعوت ہوا اور کسی
خاص ملک اور قوم کے ساتھ مخصوص نہ ہو لیکن چونکہ دعوت کے اصولی ہونے کے
باوجود اس کا مسلم قوم کے ساتھ ایک خصوصی لگاؤ اس معنی میں ہے کہ وہ اس دعوت

کے نام لیوا ہیں اور ہم بھی اس توقع پر کہ حب وہ اسلام کے نمائندے مجھے جاتے ہیں تو وہ صحیح معنوں میں اس کے حامل ہیں تاکہ ان کی سیرت و کردار سے لوگوں پر اسلام کا اچھا نقش پڑ سکے، ان کی طرف کچھ خصوصی توجہ مبذول کرنے پر مجبور ہیں اور اس دفعہ یہ گانی میں یہ چیز طرح طرح کی رکاوٹوں کا سبب بن جاتی ہے جن سے بننا یقیناً کوئی آسان کام نہیں ہے۔

اور نیسری رکاوٹ خود مسلمانوں کا موجودہ خوف وہ راست بھی ہے —
ماضی قریب میں انھیں قومی اور فرقہ وارانہ کشمکش کی وجہ سے کافی نقصان الہاما پڑا ہے جس نے ان کے حوصلوں کو سرد کر دیا ہے اور وہ بہت زیادہ مالیوں کے شکار ہیں اور جو نکھل یہ کشمکش اسلام ہی کے نام پر جاری تھی اس لیے دہشت زدہ مسلمان اب اس پر آمادہ نظر نہیں آتے کہ وہ کسی ایسی تحریک سے بھی اپنا تعلق قائم کر لیں جو فرقہ وارانہ بنیادوں کی بجائے اسلام کی اصولی باتوں پر مبنی ہو۔ ان وجوہ سے اس ماحول میں خود مسلمانوں میں بھی جن کا ایک خصوصی تعلق اسلام سے رہا ہے اور ہے، کام کرنا بہت دشوار ہو گیا ہے۔

ان مشکلات کو سامنے رکھ کر رفقار کے کاموں کو دیکھا جائے تو وہ بتاتے بلکہ بعض اعتبار سے انتہائی حیرت انگریز معلوم ہوں گے میں اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اور دعا کرنا ہوں کہ وہ اسے قبول فرمائے اور کام کرنے والوں کو اجر و ثواب عطا فرمائے۔

لیکن اسی کے ساتھ میراث انشریہ بھی ہے کہ ان مواد کی موجودگی میں بھی جتنے اور جس قدر کام کی ہم توقع کر سکتے تھے وہ پورے نہیں ہو سکے اور مجھے ایسا محسوس

ہوتا ہے کہ اس میں کچھ دخل ہمارے رفقار کے شعور و احساس ذمہ داری کی کمی کو بھی ہے۔ موائف اپنی جگہ لکھتے ہی اہم کیوں نہ ہوں لیکن ان کو بہت زیادہ اہمیت دے دینا ہمارے رفقار کے شایان شان نہیں ہے اور وہ فی الواقع اتنی اہمیت کے قابل بھی نہیں ہیں جتنی اہمیت کہ انھیں روپرٹوں میں دی گئی ہے۔

قلت تعداد کا عذر

ارکان کی تعداد تھوڑی سہی لیکن واقعی یہ ہے کہ کام کرنے والوں کا شمار محض ارکان کو سامنے رکھ کر نہیں کیا جاسکتا۔ ہمارے لکھنے ہمدرد متاثر اور متفاہر لوگ ہیں جو کسی نہ کسی درجے میں کام میں حصہ لیتے ہیں اور ایسے لوگ بحمد اللہ اب ہندوستان کے تقریباً ہر حصہ میں پائے جاتے ہیں اور بہت سے ہمدرد حضرات تو ایسے ہیں کہ وہ کام کرنے میں ارکان سے پچھے نہیں بلکہ بہتوں سے آگے ہیں۔ پھر کام کی پوری ذمہ داری صرف آپ ہی پر نہیں ہے بلکہ بہت سے اپنے بھی جو آپ سے کوئی جماعتی تعلق نہیں رکھتے، اپنے طور سے کچھ نہ کچھ کام کر رہے ہیں اور ان کا کام بہر حال بالواسط طور سے آپ کے لیے معاون ثابت ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں کارکنوں کی کمی کا شکوہ جو بہت سی روپرٹوں میں کیا گیا ہے بہت زیادہ حق بجانب نہیں کہا جاسکتا۔ بالخصوص جب کہ اس بات کو بھی پیش نظر رکھا جائے کہ کلیر رحق اپنے اندر خود ایک ایسی قوت رکھتا ہے کہ وہ معمولی سہارے کے بل پر بھی دلوں میں گھس کر خود اپنی راہ پیدا کر لے۔

معاشی پر لیٹنا نیاں

رفقار کی معاشی پر لیٹانا نیا اور معاش کے لیے ان کی معروفیتیں بلاشبہ ایک

عذر ہیں لیکن کسی تحریک سے والیتے لوگوں کے لیے اس عذر کی بھی بہت زیادہ اہمیت نہیں ہوئی چاہیے۔ دنیا میں جو لوگ بھی کوئی کام کرنے انتہے ہیں خواہ وہ اپنی جگہ اچھا ہو یا بُرا، وہ ہمیشہ وہی لوگ نہیں ہوتے ہیں جو فکرِ معاش یا ذاتی پریشانیوں سے ہرگز نہ آزاد اور فارغ الالہ ہوں بلکہ واقعہ تو یہ ہے کہ جہاں تک تحریکِ اسلامی کا تعلق ہے، اس طرح کے کام کرنے والے ہمیشہ وہی لوگ رہتے ہیں جو معاشی حیثیت سے بہر حال خوش حال نہیں تھے، خوش حال طبقہ شروع شروع میں بہت کم آتتا ہے اور جو آتا بھی ہے تو وہ مختلف اسباب کے تحت معاشی بدخلی کاشکار ہو جاتا ہے تاہم کام کا جو شوق و انہاک ان میں پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ ان کے اندر اپنی بدخلی کا احساس کبھی پیدا نہیں ہوتے دیتا۔ کام کی لگن ہمشکل کو آسان بنادیتی ہے، میں اپنے رفقاء سے بھی اسی کیفیت کا منتوح ہوں۔ خاص طور سے اس لیے کہ جماعتِ اسلامی جو کام چاہتی ہے اسے آدمی بہر حال میں اور ہر موقع پر انجام دے سکتا ہے۔ یہ کچھ اس پر منحصر نہیں ہے کہ آدمی اپنا وقت خاص طور سے اس کے لیے مخصوص کرے تھی کام ہو سکے۔ فکرِ معاش اور تکمیلِ ضروریات کے ضمن میں بھی یہ کام انجام دیا جا سکتا ہے بشرطیکہ یہ مقصد سامنے ہو۔

فرق وارانہ صورتِ حال

اور جہاں تک فرقہ واراذ تک دریائی تجیوں کا تعلق ہے اس کو ایک حد تک میں بھی مانع تسلیم کرتا ہوں لیکن اول توقع کے بعد جو بھاری کیفیت طاری ہو گئی تھی وہ اب باقی نہیں رہ گئی ہے بغضہ اور نفرت کی کیفیت میں خاص افارق واقع ہو گیا ہے، کیفیتیں ہمیشہ برقرار رہنے والی ہیں بھی نہیں۔ یہ وقت کے ساتھ خود بخود ختم ہو جایا کرتی ہیں۔

اتسان کے اندر خیر اور شر دونوں عنصر موجود ہیں مگر یاد رکھنا چاہیے کہ شر ہمیشہ وقتی اور دہنگائی ہوتا ہے اور خیر دائمی اور بادی ہے۔ یہ کچھ دونوں کے لیے دب توجایا کرتا ہے مگر مر نہیں جایا کرتا۔

دوسرا گذشتہ فسادات کے جو نتائج رہنا ہوئے وہ بجائے خود فسادی لوگوں کے لیے باعثِ عبرت ثابت ہوئے ہیں۔ کیونکہ سواتبا ہی وبر بادی اور علک کی بدنای کے ان کا اور کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا ہے۔

اوٹ نیسری بات یہ ہے کہ جو معقول لوگ فسادات کے دور میں اپنا کام صرف اتنا ہی سمجھتے تھے کہ وہ ان سے الگ تخلگ رہیں۔ فسادات کے ہونا ک نتائج کے باعث ان کی آنکھیں کھل گئی ہیں اور اب انہوں نے شدت سے یہ ضرورت محسوس کرنا تذویر کر دی ہے کہ صرف خود الگ تخلگ رہنا کافی نہیں ہے بلکہ انہیں اس صورت حال کے برلنے کے لیے بھی جدوجہد کرنی چاہیے چنانچہ اس طرح کے لوگ جدوجہد میں لگ گئے ہیں۔ اس کے بہر حال کچھ نہ کچھ بہتر نتائج سامنے آ رہے ہیں۔

اور چوتھی بات یہ ہے کہ تقیم کے بعد جو حالات طاری ہوئے وہ یہاں کے مسلمانوں کے سابق طرز زندگی پر بھی بہت کچھ اثر انداز ہوئے ہیں اور مسلمانوں کے طرزِ عمل کی تبدیلی بجائے خود حالات میں تبدیلی کا ایک بڑا محرك ہے۔

ان وجوہ کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے اور ساتھ ہی اس بحراقی دور کے واقعہ کا ذہن ودماغ پر جو اثر پڑا تھا، اسے دور کر کے حالات کا جائزہ بیا جائے تو معلوم ہوگا کہ کام کے سلسلہ میں پہلے جو رکاوٹیں تھیں ان میں اب بہت حد تک کمی واقع ہو گئی ہے اس لیے مانع کی حیثیت سے فرقہ والانہ تکدر کو غیر معمولی اہمیت دے لینا صحیح نہیں ہے

اور میں تو یہ کہوں گا کہ خود اس بحرا نی دوڑ میں بھی کام کی راہیں اتنی مسدود نہیں تھیں جتنی عام طور سے سمجھی جاتی ہیں۔ کیونکہ اس دوڑ میں بھی ایسے سمجھیہ انتخاصل کی گئی نہیں تھی جو ہر معقول بات سننے کے لیے ہر وقت آمادہ تھے۔

پھر اس ضمن میں ایک بات اور مقابلِ لحاظ ہے اور وہ یہ ہے کہ فرقہ وارانہ نکار کی موجودگی ہمارے لیے عمل کی حرکت ہونی چاہیے ترکہ ما یوسی اور دل شکستگی کی۔ جب تشویش ادا کا مٹانا ہی آپ کا مقصود ہے اور اسی بنا پر آپ خیر و صلاح کی دعوت لے کر اٹھتے ہیں اور آپ اپنی جگہ یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ اس مرض کا علاج درحقیقت آپ ہی کے یا اس ہے تو اس صورت میں آپ کا گھروں میں بیٹھ رہنا کسی طرح صحیح نہیں ہوگا۔ آپ کو بالکل بے خوف ہو کر گھروں سے نکلا چاہیے اور اس مرض کے اذالہ میں اپنی پوری قوت صرف کر دینی چاہیے۔ اس سلسلہ میں یہ بات بھی یاد رکھیے کہ فرقہ وارانہ نکاح اور لوگوں کے لیے رکاوٹ ہوں تو ہوں لیکن جہاں تک ہمارے طزیز کام کرنے والوں کا تعلق ہے ان کے لیے یہ بہت زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں۔ یہ بہت جلد اور آسانی سے ان کے سامنے سے ہٹ سکتی ہیں لبتر طیکہ آپ اپنے اصولوں کو شدت کے ساتھ اختیار کریں اور اپنی زندگی کو اچھی طرح ان کے مطابق ڈھالیں۔ آپ کے سامنے کوئی ایسا کام نہیں ہے جس میں آپ کی کوئی قوم پر ستانہ یا فرقہ وارانہ غرض شامل ہو، آپ ایسے اصولوں کے داعی ہیں جو پوری انسانیت کی سعادت و فلاح کا باعث ہیں۔ ایسی دعوت اور اس کے پیش کرنے والوں کی مخالفت شروع میں غلط فہمی کی بناء پر ضرور کی جاسکتی ہے لیکن غلط فہمی دُور کر دی جائے تو مخالفت کا یہ روایہ فوراً بدل سکتا ہے۔

ہمیں اس سے بھی انکار نہیں کہ تقسیم کے بعد جو حالات رومنا ہوئے ہیں ان کا

مسلمانوں کے ذہنوں پر غیر معمولی اثر ہوا ہے وہ سخت مایوسی اور ہراس کے نتکار نہیں اور یہ چیز ہماری دعوت کی طرف ان کے بڑھنے میں بڑی حد تک رکاوٹ ثابت ہو رہی ہے لیکن رپورٹوں میں جس انداز میں مسلمانوں کی مایوسی اور ہراس کا تذکرہ کیا گیا ہے اس سے مجھے شبہ ہوتا ہے کہ خدا نخواستہ ہمارے رفقاء تو مایوسی اور ہراس کا نشکار نہیں ہو رہے ہیں۔ یا پھر میں یہ سوچنا نظر ورع کر دینا ہوں کہ ہمارے رفقاء کے سامنے دعوت کے کام کی صحیح نوعیت ہے بھی کہ نہیں۔ یہی تزوہ حالات ہیں جن میں کام کی اشدم ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ آپ جو پیغام پیش کر رہے ہیں اسی سے ان کا خوف و ہراس دُور ہو سکتا ہے کیونکہ آپ ایمان باللہ اور توکل علی اللہ کی دعوت دیتے ہیں اور یہی وہ چیز ہے جو مسلمانوں کے دلوں سے خوف و ہراس کو دُور کر سکتی ہے۔ اس کے ماسوا اس کو دُور کرنے کی اور کوئی تدبیر ممکن ہی نہیں۔ پھر آپ مسلمانوں کے خوف کا تذکرہ کرتے وقت اس بات کو بھول نہ جائیے کہ ان کا یہ خوف و ہراس گذشتہ قوم پرستا نہ تحریکات کا نتیجہ ہے جن میں بد فہمتی سے خود مسلمان بھی ایک عرصہ سے مبتلا رہے ہیں اور وہ ان کے نتائج کے سامنے آجائے کے بعد اس قسم کی تحریکات سے قدر تاذد دُور رہنا چاہتے ہیں لیکن آپ جو دعوت پیش کر رہے ہیں وہ قوم پرستا نہ تحریکات اور فرقہ وارانہ نظریات سے بالکل مختلف چیز ہے اور اس کے اصول نہ صرف مسلمان کو عزیز ہو سکتے ہیں بلکہ غیر مسلم بھی ان کو سمجھ لینے کے بعد ان کی طرف بڑھنے پر مجبور ہیں کیونکہ یہ وہ اصول ہیں جن کی طلب ہر مسلم الفطرہ انسان کے اندر موجود ہے اور جو اپنے اندر ایک خاص کشش رکھتے ہیں۔ اس لیے مسلمانوں کا موجودہ خوف و ہراس اس دعوت کی طرف بڑھنے میں کوئی مانع نہیں ہو سکتا جو لوگ اس کے خلاف سوچتے ہیں میرے نزدیک وہ مسلمانوں کی نفیات سے دور رہ کر

ٹھوکر کرنے والے لوگ ہیں۔ البتہ یہ بات ضروری ہے کہ آپ کو اس سلسلہ میں انتحک
کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔ آپ کو اس بات کی پوری پوری کوشش کرنی چاہیے
کہ مسلمانوں کے ذہن میں یہ بات جم جائے کہ اسلام کے اصول قوم پرستاد نظریوں کی
طرح کسی قوم کو وجود میں نہیں لاتے بلکہ وہ ایک ایسی اصولی پارٹی تیار کرتے ہیں جو قوم پر
اور فرقہ پرستی کے جذبات سے بالاتر ہو کر محض رضاۓ الہی کے لیے دنیا میں خیر و صلاح
قام کرنے کی جدوجہد کرے اور پوری انسانیت کی فلاح کو اپنا مقصد و مآل بنائے جس
وقت آپ ان کو ان کی یہ حیثیت سمجھانے میں کامیاب ہو گئے تو آپ سمجھ لیجئے کہ آپ نے
دعوت کے سلسلہ میں ایک اہم منزل طے کر لی۔ اس کے بعد آپ کی دعوت ان کے سامنے^۱
امید و بشارت کی صورت میں نمودار ہو گی۔ ان کے پر اگندہ ذہنوں کے لیے تکین کا
باعث ہو گی، وہ خود یہ سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ یہ کوئی خوف کی چیز نہیں بلکہ اس کی طرف
ان کو بڑھانا چاہیے کیونکہ حقیقتاً یہی راہ ان کی دنیاوی نجات و سعادت کی راہ بھی ہے۔
بہرحال موانع کو موانع تسلیم کرتے ہوئے بھی میرا خیال ہے کہ اگر ہمارے رفقار
لے اپنی ذمہ داریوں کو ٹھیک ٹھیک محسوس کیا ہوتا تو کام کی پورٹ یقیناً اس سے
مختلف ہوتی جو اس وقت پیش کی گئی ہے اور اس کے تیجے میں جماعت سے وابستہ
لوگوں کا تناسب وہ نہ ہوتا جو ہر پورٹ میں اس علاقے کی کل آبادی کے مقابلوں میں
دکھلایا گیا ہے بلکہ اس سے کہیں زیادہ ہوتا۔ میں ہرگز اس خام خیال میں مبتلا نہیں ہوں کہ
ہم اپنے موجودہ محروم و دوساری دنارے کے ساتھ اس قلیل مدت میں بھارت کی اس کثیر
آبادی کو جو ترقیاً پھیتیں کروڑ افراد پر مشتمل ہے اپنا ہمنوا یادِ دعوت سے منوارف کر سکتے
تھے، میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اگر ہم نے اپنا کام سرگرمی سے اور سلیقہ کے ساتھ

انجام دیا ہوتا تو اس کے نتائج یقیناً اس سے بہتر ثابت ہوتے جتنے اس وقت تک
سامنے آسکے ہیں۔

علماء کی مخالفت

قیمین حضرات نے موافع کار کے صحن میں بعض اور بالوں کا بھی تذکرہ کیا ہے جن
میں بہت سی باتیں تو ایسی ہیں کہ مجھے ان پر اس موقع پر کچھ اٹھا رخیاں کی ضرورت
محسوس نہیں ہوتی کیونکہ ان کے بارے میں اس سے پہلے بہت کچھ کہا جا چکا ہے اور کچھ
ایسی باتیں ہیں جن پر گفتگو کا صحیح محل غاباً تجاویز کا حصہ ہو گا البتہ بعض امور ایسے ہیں
جن پر میں اس موقع پر کچھ نہ کچھ اٹھا رخیاں کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اس صحن کی پہلی چیز
علماء کی مخالفت ہے جس کا تذکرہ متعدد روپوں میں بطور ایک اہم مانع کے
کیا گیا ہے۔

اس صحن میں یہ محسوس کر کے مجھے سرت ہوتی ہے کہ عام طور سے حضرات قیمین نے
علماء کی مخالفت کا تذکرہ جو یقیناً ان کے لیے ایک رنج کی بات ہے بہت شاسترانداز
میں کیا ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ ہمارے رفقا میں محمد اللہ رفتہ رفتہ ذہبیت
مستحکم ہوتی جا رہی ہے کہ وہ مخالفین کے ذکر میں بھی حدودِ اعتدال سے متجاوزہ
ہو سکیں لیکن اسی کے ساتھ مجھے یہ دیکھ کر دکھ ہوا کہ بعض حضرات کا بدبوج و بیسانہ نہیں
رماتے جیسا ہوتا چاہیے۔ اس میں نلخی اور ناگواری کا کچھ اثر نہیاں ہو گیا ہے۔ ہمارے
رفقا کو اس میں احتیاط کرنی چاہیے۔ علماء بحیثیت عالم دین ہماری عزت و احترام کے
مستحق ہیں اور اگر ان کا کوئی رویہ قابلِ نکایت یا ان کے منصب کے مناسنی ہو بھی
تو ہمیں ہر حال میں اپنے صحیح اصولوں کی پیروی کرنی چاہیے اس بارے میں ان کا کوئی

غلط روایت ہمارے لیے اسوہ نہیں بن سکتا۔

جہاں تک علماء کی مخالفت کا ذکر ہے یہ بات یوں یاد رکھنی چاہیے کہ علماء
بیشیت جماعت ہمارے خلاف نہیں ہیں خود جماعت میں بہت سے علماء داخل ہیں
جو کسی خاص درس گاہ یا مکتب فکر و خیال سے تعلق نہیں رکھتے ہیں بلکہ مختلف مشہور
درس گاہوں اور مکاتب فکر سے چھٹ چھٹ کر آئے ہیں۔ اور ایسے علماء کی تعداد تو
بہت زیاد ہے جو علاًگی وجہ سے ہمارا ساتھ نہ دے رہے ہوں لیکن وہ ہمارے
کام کو پسندیدہ نہ گاہوں سے دیکھتے ہیں اور ان کے علاوہ جو علماء ہیں ان میں ایک
طبقہ تو ان علماء کا ہے جو کسی وجہ سے ابھی تک ہماری دعوت سے واقف ہی نہ ہو سکا
اس لیے نہ وہ ہمارے مخالف ہیں اور نہ موافق، اور دوسرا طبقہ جو واقفیت رکھتا
ہے ان میں کچھ لوگ تو ایسے ہیں جن کو ہم سے اس بنابر اخلاف ہے کہ ابھی ہماری اصل
دعوت اچھی طرح سمجھ نہیں سکے ہیں اور اس بنابر وہ کچھ غلط فہمیوں یا شکوک و شبہات
میں مبتلا ہیں اور ان کے بارے میں ہم یقین رکھتے ہیں کہ جو ہنسی ہم ان غلط فہمیوں کو دوڑو
کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ انتشار اللہ ان کی مخالفت تائید و حمایت میں بدل جائیگی
جیسا کہ انی میں سے بہنوں کے ضمن میں علاًہ ہم نے مشاہدہ کیا ہے اور کچھ لوگ ایسے
ہیں جو ہم سے چند جزئی مسائل میں اخلاف رکھتے ہیں یا وہ جماعت سے والبتر لوگوں
سے پوری طرح مسلمان نہیں ہیں اس لیے وہ ہم سے الگ تھلک ہیں لیکن یہ دونوں قسم
کے علماء اس طرح کا اخلاف نہیں رکھتے ہیں کہ وہ ہماری اصل دعوت کو غلط یا اخلاف
اسلام سمجھتے ہوں۔ پوری تحقیق کے بغیر اس طرح کا کوئی فیصلہ کر لینے کو پہلاً گروہ تقویٰ و
دیانتداری کے خلاف سمجھتا ہے اور دوسرا اپنی تحقیق کے بوجبت اس طرح کے کسی فیصلے کے

یہ کوئی جائز و جمیل نہیں پاتا۔ پس جب علماء میں اتنی قسم کے علماء موجود ہیں جو یا تو براہ راست یا با الواسطہ آپ کی دعوت کے حامی ہیں یا کم از کم اس سے کوئی اصولی اختلاف نہیں رکھتے تو یہ فرض کر لینا کہ علماء کی پوری جماعت آپ کے مقابلہ ہے یا آپ کے کام کو غلط سمجھتی ہے، کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔

ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ کچھ علماء یا علماء کا ایک خاص گروہ ایسا ضرور ہے جو داشتہ ہماری مقابلہ پر کمر بستہ ہے اور یہ کبھی شخصیتوں کی آڑ لے گر اور کبھی جزوی اختلافات کو بہانہ بنانا کرنا صل دعوت ہی کی طرف سے لوگوں کو تنفس کر دینا چاہتا ہے اگرچہ وہ صاف صاف اس دعوت کو نشانہ مقابلہ بنانے کی جرأت نہیں کرتا ہے۔ ایسے حضرات کو معدود سمجھنا چاہیے اور ان کے بارے میں ہمارا بہترین روایت یہی ہو سکتا ہے کہ ہم اپنے یہے اور ان کے لیے دعا کریں۔

ان علماء میں سے بعض لوگوں کا حال یہ ہے کہ ہم نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر یا بذریعہ خط و کتابت یہ درخواست کی کہ وہ ہماری دعوت کو قرآن و سنت کی روشنی میں جا پائے کر ہمیں مطلع کریں کہ اس میں اسلام کے خلاف کیا باتیں ہیں۔ اگر واقعی وہ دلائل سے ہمیں مطمئن کر دیں گے کہ ہم غلطی پر ہیں تو ہم یقیناً ایک محکم کے توقف و تردود کے اپنی اصلاح کر لیں گے لیکن آج تک انہوں نے اس کی زحمت گوارا نہیں فرمائی اور ہمیشہ قلت وقت یا اسی طرح کا کوئی اور عذر سپیش فرمایا لیکن اس کے باوجود ناواقف نتیجے لوگوں میں ہمارے خلاف غلط پروپیگنڈا کرنے میں کوئی سمجھک محسوس نہیں کرتے اور قلت وقت اس میں مانع نہیں ہے۔ ایسے علماء بہر بھی ہیں اور یہاں مقامی طور سے بھی موجود ہیں۔ یہ لوگ ہمارے طریقے کے کم سے کم ضروری حصہ سے بھی

دافتہ نہیں ہیں، لیکن اندر میرے میں ہمارے خلاف تیر پر تیر چلاتے ہی جا رہے ہیں۔ کچھ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے ادھراً دھر سے کچھ ناتمام باتیں دیکھ لی ہیں اور ان کو انہوں نے ہماری مخالفت کے لیے کافی سمجھ دیا ہے۔ کچھ لوگوں کا حال یہ ہے کہ انہوں نے دین کے بارے میں ایک خاص طرح کا تصور قائم کر دیا ہے جس میں جزئیات کو اس سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے جتنی کافی الواقع ان کی ہے اوس کی بناء پر جب وہ ہمیں اپنے مسلک سے کچھ ہٹا ہوا پاتے ہیں تو جیسا کہ اصولاً چاہیے تھا اس اختلاف کو وہ اس کے دائرة تک ہی محدود رکھتے اور اصل کام میں ہمارا سانحہ دیتے یا اس کی تائید کرتے وہ ایسا نہیں کرتے بلکہ اس کے بجائے انہوں نے اس جزوی اختلاف کو یہ درجہ دی دیا ہے کہ اس کی بناء پر ہمیں غلط کار اور گمراہ تمحقق اور ہمارے تمام کاموں کو کفر و ضلالت قرار دینے ہیں۔ کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جن کی مخالفت محقق اس بات کا نتیجہ ہے کہ وہ کسی خاص مذہبی یا سیاسی گروہ بندی کے شکار ہیں اور جب انہوں نے یہ محسوس کیا کہ ہماری دعوت ان حد بندیوں کو جو غلط بھی ہیں اور امت کے لیے شرعاً نیز بھی، ظهار دینے والی ہے اور اس کا مقابلہ وہ اصولی طور سے یا کھل کر نہیں کر سکتے ہیں تو انہوں نے "اسلام خطرے میں ہے" کا لغہ لگانا شروع کر دیا ہے جو اس طرح کے لوگ، اس طرح کے موقع پر ہمیشہ لگاتے آئے ہیں۔

بہر حال یہ اور اسی طرح کے بعض دوسرے اسباب و محرکات کے تحت علماء کا ایک طبقہ ہماری مخالفت پر مکربستہ ہے۔ ظاہر ہے اس طرح کے لوگوں کا علاج ہمارے بس میں نہیں ہے اس لیے میں اپنے رفقار سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ وہ ان مخالفتوں پر صبر سے کام لیں اور کام سکون و اطمینان کے ساتھ انجام دیتے رہیں۔ یہ حضرات جن

سہاروں پر مخالفتیں کر رہے ہیں اگر آپ ان کو اپنی تحریک کے موافق بنانے میں کامیاب ہو جائیں تو ان کی آواز خود بے اثر ہو کر رہ جائے گی۔ اس کے ساتھ آپ ان کی طرف سے مایوس بھی نہ ہوں اگر آپ اپنا کام طیک طور سے کرتے رہیں تو وہ دن انتشار اللہ ضرور آئے گا کہ یا تو ان کی مخالفتیں ختم ہو جائیں گی یا یہ لوگ مایوس ہو کر بیٹھ رہیں گے — **وَمَاذِلَّةُ اللَّهِ لِعَزِيزِ زَوْجِكَ أَنْقَضَانَ** تو کسی حال میں بھی نہیں ہے۔ آپ کا کام اتنا ہی ہے کہ آپ جس چیز کو حق سمجھتے ہیں اس کے بیہے جدوجہد میں کوئی کوتا ہی نہ کریں، یہی یہ بات کہ اس کا نتیجہ کیا برآمد ہوتا ہے یہ آپ کے دیکھنے کی چیز ہی نہیں ہے اس کو خدا کے حوالے کیجیے جو آپ کی نیتوں اور اعمال کو بھی دیکھ رہا ہے اور آپ کے مخالفین کی نیتوں اور اعمال کو بھی۔ اور وہ یقیناً ہر شخص کو اس کے اعمال اور نیت کے مطابق ہی بدل دے گا۔ البتہ اس ضمن میں یہ ضروری گذارش بھی کرنا چاہتا ہوں کہ علماء کی مخالفتوں میں کچھ دخل ہمارے رفقار کی بعض کوتا ہیوں اور بداحنیا طبیوں کا بھی ہے جن میں سے چند یہ ہیں جن کو میں اس لیے بیان کرنا چاہتا ہوں کہ ان کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔

رفقار کی کوتا ہیاں

بہت سے رفقاء ایسے ہیں جن کا تعلق جماعت میں داخل ہونے سے پہلے مسلمانوں کے مختلف قسم کے مذہبی یا سیاسی اداروں سے رہا ہے اور وہ انہیں سے کٹ کر جماعت میں آتے ہیں اگرچہ میں محسوس کرتا ہوں کہ جماعت میں داخل ہونے کے بعد انہوں نے جماعتی مزاج سے اپنے کو ہم آہنگ بنانے کی پوری پوری کوشش کی ہے لیکن ان میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جن میں ابھی غیر شوری طور پر ان جماعتوں سے تعلق کے

کچھ نہ کچھ اثرات موجود ہیں۔ یہ چیز غلط بھی ہے اور تحریک کے لیے ضربی۔ اس لیے اس طرح کے رفقار کو پورا اہتمام کر کے اپنے آپ کو ان اثرات سے پاک کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ جب آپ جماعتِ اسلامی میں داخل ہو چکے ہیں تو آپ کی تمام دلچسپیوں کا محور صرف جماعت کے مقاصد ہونے چاہیے، دین کے ساتھ دلتگی پیدا کیجیے۔ اسی کے لیے اپنی عصبیت خاص کیجیے۔ اس کے علاوہ جتنی چیزیں ہیں اور جن کی خاطر آپ پہلے جدوجہد کرتے رہے ہیں ان کو یک لخت چھوڑ دیجیے۔

دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ جو رفقار جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی طرف سے آئے ہیں اگرچہ ان میں بڑی خوش گوار تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں لیکن کچھ افراد کے ضمن میں میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ ابھی تک وہ اپنی قدیم آزاد روی اور آزاد حیال کو پوری طرح قابو میں نہیں لاسکے ہیں۔ انھیں ان کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ وہ اپنی ہر چیز کا جائزہ لے کر دیکھیں کہ وہ دائرہ شریعت کے اندر ہے یا نہیں۔ دنیا اسلام کا عملی تنویر دیکھنا چاہتی ہے اگر آپ نے بھی اور وہ کوئی طرح محض ذہنی و فکری اعتبار سے اسلام کی نمائندگی کی اور دنیا آپ کے عمل و کردار میں اس اسلام کی جھلک نہ دیکھ سکی جس کے آپ دعویدار ہیں تو اس سے آپ اور جماعت دونوں کو نقصان پہنچنے لگا۔ آپ اپنی آزاد روی میں اعتدال پیدا کریں تاکہ آپ کا کوئی عمل دوسروں کے لیے فتنہ کا سبب نہ بن جائے۔ بہت سے مواقع پر ہمارے رفقار دوسروں پر تنقید کرنے سے پہلے اپنے اور بھی تنقیدی نگاہ ڈالیا کریں تاکہ جس ماحول میں دعوت پہنچانا چاہتے ہیں اس میں کسی قسم کی بدگمانی پیدا نہ ہونے یا۔۔۔

اور تیسرا بات یہ ہے کہ بحیثیتِ مجموعی ہمارے رفقار کو جزئی امور و مسائل

میں پڑنے سے جس طرح اجتناب و اخراز کرنا چاہیے اس طرح نہیں کر سکتے ہیں۔ یہ چیز بھی جماعت کے کاموں میں ایک بڑی رکاوٹ ثابت ہو رہی ہے۔

ان امور کی طرف میں اپنے ہمدردوں اور متاثرین کو بھی متوجہ کرنا چاہتا ہوں کیونکہ میرے علم میں اس قسم کی باتیں آتی رہتی ہیں کہ ان کا طرز عمل، خاص طور سے علماء کے مختلف قسم کی غلط فہمیوں کا باعث ثابت ہوتا ہے، ہر چند ان کے قول و عمل کی ذمہ داری ایسی طور پر جماعت پر نہیں ڈالی جاسکتی ہے لیکن چونکہ ان کو جماعت ہی کا فرد سمجھ لیا جاتا ہے اس لیے ان کے طرز عمل کو لوگ آسانی کے ساتھ جماعت کو بدنام کرنے کے لیے استعمال کرنے لگ جاتے ہیں۔

عوام کی ناخواندگی اور رسومِ جاہلیت

موانع کے ضمن میں عوام کی ناخواندگی اور رسومِ جاہلیت کے روایج کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے لیکن ان بانوں کا ذکر مواعن کے ضمن میں مجھے ناپسند ہے اس لیے کہ یہی باتیں تو درحقیقت ہمارے کام کی محرك ہیں، اگر ان کو مانع میں شمار کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ممیں کام کا نام نہیں لینا چاہیے ہر حال ان باتوں کی طرف بیش از بیش توجہ کرنے کی ضرورت ہے، ہمارے رفقاً چونکہ ابھی تک ایسے طرق کا کے عادی رہتے ہیں جس سے کرتائی بہت جلد حاصل ہو جاتے ہیں اس لیے جماعت کے اندر آنے کے بعد بھی یہ رجحان کلی طور سے ان کے ذہنوں سے نکل نہیں سکتا ہے بھی وجہ ہے کہ وہ ایسے کاموں سے جو صبر طلب ہوتے ہیں اتنے انہماں سے دل چسپی نہیں لیتے جتنا کہ روای دواں کاموں سے لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر تعلیم بالغان کے طریقہ کار کو بھیجیے۔ اگر اس کے باسے میں جنم کر کام کیا گیا ہوتا تو ابھی تک بہت سی جماعتیں

دُور ہو جکی ہوتیں۔ تعلیم بالغان کا مسئلہ موجودہ دُور میں اتنا اہم ہے کہ اس پر رفقاء کو اپنی توجہ کا زیادہ سے زیادہ حصہ صرف کرنا چاہیے۔ اسی طرح گذشتہ مجلس شوریٰ کے موقع پر ابتدائی درس گاہوں کی جو تجویز پاس کی گئی ہے وہ بھی اپنی نوعیت کے اعتبار سے رفقاء کی زیادہ سے زیادہ توجہ کی محتاج ہے کیونکہ یہ مسئلہ اگر آج سے پہلے اہم تھا تو موجودہ سیکولر اسٹیٹ میں اس کی اہمیت اور زیادہ ہو گئی ہے۔ آج جو نصابِ تعلیم سرکاری اسکولوں میں رائج کیا جا رہا ہے وہ اپنے اثرات کے اعتبار سے سخت تباہ کن ہے اور آئندہ نسلیں جو اس زبر سے متاثر ہو کر باہر نکلیں گی وہ تمام کچھ توہہ سکتی ہیں لیکن تحریکِ اسلامی جس قسم کے ذہنی کردار کو تیار کرنا چاہتی ہے اس کی توقع کرنا موجودہ نظامِ تعلیم سے محض ایک خوفناک خوش گانی ہے اس لیے رفقاء کو آنے والے دنوں میں عوام کی جہالت کو دُور کرنے کے لیے بھی اور آنے والی نسلوں کو الحاد سے بچانے کے لیے بھی اپنی تعلیم بالغان اور ابتدائی درس گاہ کے قیام کی تجویز کو زیادہ سے زیادہ بروئے کار لانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ مسلمانوں کا آئندہ مسلمان باقی رہنا اس پر موقوف ہے کہ وہ کہاں تک اپنی مذہبی تعلیم کا بند ولست کرتے ہیں سیکولر حکومت میں حکومت سے اس بارے میں کوئی توقع نہیں کی جا سکتی۔

رسومِ جاہلیت کے صحن میں جماعت کا جو مسلم ہے وہ عام لوگوں کو معلوم ہے ہم ان کی اصلاح اس طرح نہیں کر سکتے کہ ان پر براہ راست نشرت زن ہوں۔ اس سے فتنہ پیدا ہوتے ہیں کیونکہ عوام نے ان چیزوں کو دین سمجھ کر اختیار کر رکھا ہے اور بہی ان کو بنایا بھی گیا ہے لیکن اگر آپ ان کو دین اور دین کی حقیقت سے واقف

کر سکیں اور ان کے اندر احترام شریعت کا جذبہ پیدا کر سکیں تو یہ چیزیں خود بخود درست ہو جاتیں گی۔ ہمارے رفقار کو یہی طرز عمل اختیار کرنا چاہیے۔ اگرچہ یہ ہے جرأت کا کام کیونکہ ایک عرصہ کے حجے ہوئے خیالات کو اکھاڑ پھینکنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔

دو غلط فہمیاں اور ان کا ازالہ

اس ضمن میں دو غلط فہمیاں بہت عام ہیں جن کا میں ازالہ کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ پہلی بات یہ ہے کہ ہمارے بہت سے رفقار یہ سمجھتے ہیں کہ اصولی طور سے اس وقت کو شش کرنے کی جو بہایت ان کو کی جاتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جزئی امور ہمارے نزدیک کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتے حالانکہ یہ غلط ہے، جب ہم کلی دینی اصلاح کے لیے کھڑے ہوئے ہیں تو ہمیں کلاؤ جزئی سب کو اسلام کے مطابق بنانا ہے۔ اس لیے جزئی امور سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا البتہ یہ صحیح ہے کہ ہمیں اس کے لیے طریقہ کار و ہی اختیار کرنا چاہیے۔ یعنی پہلے بنیاد کی اصلاح و درستگی اور اس کے ذریعہ جزئی اصلاح۔

دوسری غلط فہمی یہ پیدا ہو گئی ہے کہ بہت سے لوگ اپنے عمل کے لیے بھی جزئی امور کو زیادہ قابل اعتنا نہیں سمجھتے۔ یہ بات بھی غلط ہے، ان کو جزئی امور میں بھی پورا پورا احترام شریعت ملحوظ رکھنا چاہیے۔ ان کی کوشش یہ ہوئی چاہیے جو چیز بھی شریعت میں ثابت ہو اس کو تھوڑا پہنچائیں اور دوسروں کو خاص طور سے اپنے گھر والوں کو اس کے اپنالے کی دعوت دیں خواہ وہ کوئی کلی بات ہو یا جزئی۔

موانع میں وہ خاص موائع جن پر اس موقع پر میں نے اظہارِ خیال کی ضرورت محسوس کی وہ بھی تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی موائع ہیں جن کا تنگ کرہ پورٹوں میں کیا گیا ہے لیکن وقت کی کمی کی وجہ سے میں اس موقع پر ان سے تغرض نہیں کرنا چاہتا۔ تجاویز کے ضمن میں یادیات کے موقع پر انشار اللہ ان پر گفتگو کی جائے گی۔ بہرحال آپ نے اندازہ لگایا ہو گا کہ مراحتوں اور رکاوٹوں کو جتنی اہمیت دی گئی ہے وہ فی الواقع اتنی اہمیت کے مستحق نہیں ہیں۔ یہ محض ذوقی کارگی کی کاٹیج ہے کہ جو باتیں جذبہ عمل کے لیے محرک ہوتی چاہیے تھیں وہ ہمت شکن ثابت ہو رہی ہیں۔ اگر یہ مانع دور ہو جائے تو انشار اللہ یہ سارے موائع خود بخود رفع ہو جائیں گے۔

وَآخِرُ دُعَوَاتِنَا أَنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

پورٹ درس گاہ

از قیام تا ماہ جمادی الثاني نے اللہ

برائے کل ہند سالانہ اجتماع منعقدہ ۲۰ ارضا ۲۲ اپریل ۱۹۵۴ء

اپنے نظر پر تعلیمی کے مطابق ایک درس گاہ کے قیام کی ضرورت تو ہماری جماعت کو ابتداء محسوس ہو رہی تھی لیکن مختلف اسباب سے اس تجویز کو علی جامعہ پہنانے کی طرف اقدام نہ کیا جاسکا۔ تقیم ہند کے تین میں جو حالات رونما ہوئے ان کی وجہ سے ہمارے موائع میں کچھ اور اضافہ ہی ہو گیا لیکن چونکہ تعلیمی اسکیم کے جلد از جلد بروئے کار لانے کی ضرورت روز بروز بڑھتی ہماری تھی اور تقیم کے بعد کے حالات میں اس کا جلد از جلد قیام ازیں ضروری معلوم ہونے لگا اور ساختہ ہی ہمارے ایک رفیق منتشر ہدایت علی صاحب میلٹچ آبادی نے درس گاہ کے لیے اپنے ایک باعث واقع محمود گریل میلٹچ آباد کی آمد فی اور ایک عمارت کی پیش کش فرمائی ایک حدائق مالی اور مکانی دشواریوں کو آسان بنادیا اس بیت تسلیل جدید کے بعد امیر جماعت مولانا ابواللیث صاحب نے کم از کم ابتدائی درس گاہ کے قیام کا ارادہ فرمایا اور مجلس شوریٰ منعقدہ ۲۳ نومبر

۲۹ اگست ۱۹۶۸ء کے سامنے درس گاہ کا مسئلہ پیش کیا جس میں تھوڑی دیر کی بحث و گفتگو کے بعد بالاتفاق طے پایا کہ ابتدائی تعلیم کے منصوبہ کو عملی جامینہا جائے اور عارضی طور سے باغ کی موجودہ عمارت کو ضروری اور مناسب تبدیلیوں کے بعد درس گاہ اور طلباء کی اقامت گاہ کے طور پر استعمال کیا جائے۔ ساتھ ہی یہ بھی طے پایا کہ بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے محمد شفیع صاحب مونس اور افضل حسین صاحب یا ایسے ہی کسی اور شخص کی خدمات حاصل کی جائیں جو بچوں کی تعلیم و تربیت کا عملی بخوبی رکھتے ہوں اور تعلیم اطفال سے متعلق جدید معلومات اور نظریات کے مطابق تیار بھی ہوں۔

اسی اجتماع میں دو مکملیاں بھی بنادی گئیں۔ ایک دستور مکملی دوسری نصاب مکملی۔ دستور مکملی نے دستور العمل مرتب کر کے مجلس شوریٰ کے خدمت ہوتے ہوتے پیش کر دیا۔ نصاب مکملی نے ایک ماہ بعد نصاب مرتب کر کے تعلیمات سے دل چسپی رکھنے والے صاحب الرائے حضرات کے پاس مشورہ کے لیے بیج دیا اور مناسب ترمیم و اضافہ کے بعد عام معلومات کے لیے سر روزہ الانصاف الاء کا دیں ۲۰۔ رابر پر ۲۹ نکلنے کی اشاعت میں شائع کرادیا۔

قیام

باغ کی مجوزہ عمارت میں اواخر صفر ۱۹۶۸ء تک ضروری تبدیلیوں سے غائب ہو سکی۔ افضل حسین صاحب اور محمد شفیع صاحب مونس کو بھی اواخر صفر میں بلا یسا گیا۔ درس گاہ کے افتتاح کا اعلان سر روزہ الانصاف میں پہلے ہی شائع ہو چکا تھا چنانچہ اس کے مطابق یکم ربیع الاول ۱۳۶۸ھ کو اکیس طلباء سے درس گاہ کا افتتاح عمل

میں آیا۔ یہ طلباء اپنی استعداد کے مطابق درس گاہ کے چار درجات میں داخل کر لیتے گئے۔

مقصد

ابتدائی درس گاہ کے قیام کا مقصد روزاول سے بھی تھا کہ اس درس گاہ میں طلباء کی تعلیم و تربیت اس ہی پر ہو کہ علمی، عملی، ذہنی و اخلاقی نیز جسمانی غرض تمام حیثیتوں سے ان میں وہ ضروری قابلیتیں اور صفات پیدا ہو جائیں جو مہذب انسانوں اور ہماری اس تحریک کے کارکنوں میں بہرحال ناگزیر ہیں اور جو طلباء اس بندائی منزل سے آگے بڑھنے والے نہیں ہیں انھیں بنیادی تعلیم و تربیت سے اس حد تک آراستہ کر دیا جائے کہ جو ہر انسانیت اور جو ہر اسلامیت کے اعتبار سے وہ ناقص نہ رہ جائیں اور مہذب زندگی کے فعال عنصر ہونے کے لیے جو قابلیتیں ضروری ہیں وہ ان میں پیدا ہو جائیں اور گواں منزل میں طلباء کو کسی خاص پیش کے لیے تیار کرنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ پھر بھی یہ کوشش کی جائے کہ عملی و اخلاقی تربیت سے بچوں کی تمام اندر و فی صلاحیتوں، پیدائشی قابلیتوں اور فطری استعدادوں کی اس حد تک نشوونما ہو جائے اور انھیں عملًا اس حد تک تحریر اور مشاہدہ کرنے کا موقع فراہم کیا جائے کہ وہ آخر طالع سال کی تعلیم و تربیت سے فارغ ہونے کے بعد اپنے اندر یہ طاقت محسوس کرنے لگیں کہ خدا کی زمین میں ہر طرفان کے لیے کام کرنے اور اپنی ضروریات حاصل کرنے کے موقع موجود ہیں اور وہ ان سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ نیز محنت و مشقت اور سادہ زندگی کے اتنے عادی بنادئے جائیں کہ وہ ہر جسمانی کام پر بلا جھیک قادر ہو سکیں، اور ضروریاتِ زندگی کو ناگزیر پروریتاً

ہی نک محمد و سمجھنے لگیں۔
مختصر رداد

افتتاح کے بعد محسوس ہوا کہ جن طلباء کو داخل کیا گیا ہے ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت انتہائی غیر منوازن ہوئی ہے۔ چنانچہ کئی ماہ ان کی لیاقت مبارقہ کے جانچنے، ان کی فطری صلاحیتیں سمجھنے، ایک نیا ماحول پیدا کرنے اور اس میں ان کو کھپانے میں حرف ہو گئے اور ابھی ہم ٹھیک سے جماعت بندی بھی نہ کر سکتے تھے کہ رمضان المبارک کی تعطیلات کے سلسلے میں درس گاہ ایک ماہ دس دن کے لیے بند کر دی گئی۔ طلباء مکمل سے واپس نہیں آئے تھے کہ مرکز کے رامپور منتقل ہونے کا مسئلہ درپیش ہو گیا۔ جگہ کی قلت اور قیام کی دشواریوں کے پیش نظر تعطیلات میں دس دن کا اضافہ کر دیا گیا اور نیاد اخلاق بھی کچھ عرصہ کے لیے ملتوی کرنا پڑا۔ ارفی قعدہ شاندہ کو مرکز کے ساتھ درس گاہ بھی ملک آباد سے رامپور منتقل ہو گئی۔

رام پور میں ایک مقامی ذیلی درس گاہ پیشتر سے موجود تھی۔ اس کو بھی مرکزی درس گاہ میں ضم کر دیا گیا۔ پانچویں درجہ کا اضافہ کر کے کچھ نئے طلباء بھی داخل کیے گئے اور اس طرح ان کی مجموعی تعداد ۵۵ ہو گئی۔ رام پور کی مقامی درس گاہ میں شوکت علی صاحب اور عبدالوجید صاحب استادوں کی حیثیت سے کام کر رہے تھے اس لیے اب اساتذہ کی تعداد چار ہو گئی۔ طلباء کی نگرانی اور ضروریات کا ملاحظہ کرتے ہوئے دونگراں حضرات حفیظ الظفر خاں صاحب اور اسلام اللہ صاحب پرمی کا تقریبی عمل میں لایا گیا۔ جن کامشا ہر چھوٹی کے سر پستوں سے وصول کیا جاتا ہے۔ شعبان میں امتحانات کے بعد درس گاہ پھر ایک ماہ دس دن کے لیے بند کر دی گئی۔

شوال ۹۷ہم سے نئی میقات شروع ہوئی۔ قدیم طلباء میں سے تیرہ طالب علم والپس نہ آئے جن میں زیادہ تعداد ایسے طلباء کی تھی جو اپنے سر پرستوں کی معائشی مجبوریوں کے سبب درس گاہ میں اپنی تعلیم جاری نہ رکھ سکے۔ باوجود کوشش ہم ان کے لیے کچھ نہ کر سکے، بمحضراً اس میقات میں تیرہ طلباء کا جدید داخلہ کر کے ۵۵ کی تعداد پوری کرنی گئی۔ مجلس مشاورت اپریل ۱۹۵۴ء نے طے کیا تھا کہ اگلی میقات میں جماعت اول توڑ کر جماعت ششم کا اضافہ کیا جائے کیونکہ طلباء کی رہائش اور ایک نئے استاد کے تقرر کا انتظام مشکل ہے مگر عملاً ایسا نہ ہو سکا۔ جماعت ششم کا اضافہ توفیقی تدریج سے ضروری تھا۔ جماعت اول کے کچھ فیل طلباء اور جماعت دوم کے نئے داخلہ کے کمزور طلباء کے باعث امیر جماعت کے مشورہ سے جماعت اول بھی برقرار رکھی گئی اور اس جماعت کی تعلیم و تربیت کا بار نگاہ حضرات میں سے ایک کے سپرد ہوا۔ اس طرح امسال کل چھ جماعتوں ہیں جن کی تعلیم کے لیے ناظم سمیت کل چار استاذہ اور دونگران۔

طلباہ کار و رانہ پروگرام

نماز فجر سے ایک گھنٹہ قبل اٹھ جاتے ہیں۔ جو ایج ضروری سے فراغت کے بعد دامت مانجھ کر وضو کرتے ہیں جماعت سے نماز مجرا دا کر کے تلاوت کرتے ہیں۔ برس دیوں میں بلکہ ناشتا کر کے تفریح کے لیے باہر جاتے ہیں اور واپس ہو کر کھانا کھاتے ہیں۔ گرمیوں میں واپس آکر ناشتا کرتے ہیں اور کھانا کھاتے ہیں۔ ایک گروپ باری باری تفریح کے اوقات میں درس گاہ کی صفائی اور ناشتا کرانے کا انتظام کرتا ہے۔ ناشتا کے بعد درس شروع ہوتا ہے۔ بارہ بجے کھانے، نماز اور آرام کا وقفہ ملتا ہے۔ پھر سر پر کو تعلیم اور حرف کا کام ہوتا ہے۔ نماز عصر کے بعد کھیل، مغرب کے بعد کھانا، قرأت اور کبھی کبھی

انہا رخیال کی مشق ہوتی ہے۔ عشار کے بعد ایک ڈیڑھ گھنٹا آزاد مطالعہ اور آمنختہ ہونا ہے۔ سونے سے قبل دن بھر کی مصروفیات کا جائزہ لینے اور معاشرے نفس کے لیے طلباء ڈائریکٹ مرتبا کرتے ہیں پھر سوچاتے ہیں، تعطیلات میں تعلیمی سیر و سیاحت اور تفریح کے لیے طلباء باہر جاتے ہیں کبھی کبھی دیگر مدارس اور کارخانوں وغیرہ کا بھی ہدہ کرایا جاتا ہے۔ دنیا سے باخبر ہئے اور بچوں کے پروگراموں سے استفادہ کرنے کے لیے ربیعہ پروگرام بھی ہوتا ہے۔

تعلیمی کام

- ۱ درس گاہ کے اوقات :- عام طور پر صبح ۸ بلہ سے ۱۲ بجے تک اور سرپرہ کو نظرہ اور عصر کے پنج کے دو ڈھانی گھنٹے درس و تدریس اور حرفہ کا کام ہوتا ہے۔ درمیان میں کھانا، نماز اور آنام کا وقفہ دیا جاتا ہے۔ موم اور نماز نظرہ و عصر کے اوقات میں تبدیلی سے ان اوقات میں بھی جزوی تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔
- ۲ مصاہین کی تفصیل :- خالص اسلامی علوم یعنی قرآن، حدیث، فقہ، عقائد، اخلاق، معاشرت، تاریخ اسلام اور سیرہ نبی اور صحابہ و صلحاء امت کے علاوہ عربی، اردو، ہندی، انگریزی زبانوں اور دیگر معلوماتی مصاہین مثلاً تاریخ ہند، جغرافیہ عالم، سیاستی، عام سائنس، آرٹ کرافٹ وغیرہ کی بھی تعلیم دی جاتی ہے اور ان مصاہین میں ہمارے یہاں کا معیار سرکاری مدارس سے بلند ہے۔ خالص اسلامی علوم کی تعلیم و تدریس میں بھی ہم تعلیم کے جدید ترین طریقوں کو کام میں لاتے ہیں اور بچوں کی دلچسپی، عمر، ذہن کی رسائی وغیرہ کو پوری طرح محفوظ رکھتے ہیں۔ دیگر علوم کی تدریس میں بھی اسلامی روح کا رفقاء

ہوتی ہے اور ان مصہماں کے عنوانات، مباحثت اور اس باق کو اسلامی نظریات پر منطبق کر کے ذہنوں میں آتا رہنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ غرض جہاں تک ہمارے وسائل ساختہ دیتے ہیں ہم تعلیم کے جدید ترین طریقوں سے استفادہ کرنے میں دریغ نہیں کرتے۔ مختلف تعلیمی طریقوں کو سمجھنے اور ان سے استفادہ کرنے کے لیے ہم دوسرے سرکاری وغیرہ سرکاری مادل اسکولوں اور تعلیمی اداروں کا مستا ہدہ بھی کرتے ہیں۔

۳۔ **قراءت کلاس :** ماہ ربیع الاول ۹۷ھ سے درس گاہ کے طلباء کو قراءت تجوید سکھانے کا کام قاری عبد الواحد صاحب کے پرداز ہے۔ قاری صاحب موصوف اس کام کو نہایت دلچسپی اور تند ہی سے انجام دیتے ہیں۔ سوم، چہارم، پنجم و ششم کے تمام طلباء اور اول اور دوم کے منتخب طلباء قراءت سیکھتے ہیں۔

حرفے اور دستکاریاں

تعلیم و تربیت میں حروف کی اہمیت کے پیش نظر ہمنے اس کے لیے اپنے نظام الاوقات میں دو گھنٹے رکھے ہیں۔ اول و دوم میں پھٹے پرانے کپڑوں کی مرمت معمولی سینا پرفنا، بٹن مانکنا، رومال اور اناربند سینا، جوتے کی مرمت، کاغذ کے پھول اور کھلوٹے بنانا، کتابوں پر کاغذ چڑھا لینا وغیرہ رکھا ہے۔ سوم سے ششم تک مخصوص حروف اور دستکاریوں میں مہارت پیدا کرنے اور کچھ مفید و فتح بخش کام سکھانے کی طرف توجہ دی ہے۔ فن کتب سازی یعنی جلد سازی، لفاف، پیڑ، فائل وغیرہ بنانا درجہ سوم میں سکھایا جا رہا ہے۔ چہارم، پنجم، ششم کے طلباء فی الحال تین گروپ میں تقسیم کر دئے گئے ہیں۔ باغبانی گروپ، بخاری گروپ، لانڈری و سلامی گروپ

ان تمام کاموں کے ذمہ دار بھی اساتذہ ہیں۔ ان میں بتدیریک باقاعدگی آتی جا رہی ہے اور پچھے دلچسپی اور آمادگی کے ساتھ ان کو انجام دینے لگے ہیں۔

لکڑا بی کے کام میں ضروری اوزاروں کی کمی کے باعث ابھی کم بچتے ہیں۔ یکوشش کی جا رہی ہے کہ رفتہ رفتہ ضروری سامان بھی پہنچایا جائے۔ بہرحال کام شروع کر دیا گیا ہے اور طلباء مختلف قسم کی روزمرہ استعمال کی اشیاء مثلاً ریک یعنی دیوار گیر، بیٹھنے کی پیڑھیاں اور بچوں کے کھلونے، گڑیوں کی کرسیاں اور فرنچر وغیرہ بنانے لگے ہیں۔ فریط ورک سکھانے کا بھی اہتمام کریا گیا ہے، اس کی دستی مشینیں تو ہمارے پاس ہیں مگر ان سے پلانی و ڈاکے علاوہ موڑ تختے نہیں کاٹے جاسکتے اور پلانی و ڈاکھل تیاب ہے۔ اگر یہ کی مشین فراہم ہو گئی تو یہ کام انشا اللہ زیادہ نفع بخش ہو گا۔

۲۔ باعثانی

درس گاہ سے تقرباً ایک فرلانگ کے فاصلہ پر ایک احاطہ مل گیا ہے جس کا کچھ حصہ طلباء نے محنت کر کے قابل کاشت بنایا ہے اس میں فصل و موسم کے اعتبار سے مختلف سبزیوں مثلاً آلو، ٹماٹر، بینگن، بیاز، لہسن، میتھی یا لک، خوف وغیرہ اور کچھ بچوں کی کاشت ہوتی ہے۔ پانی کی کچھ عرصہ دقت رہی لیکن اب نل لگ جانے سے یہ دشواری رفع ہو گئی ہے۔ احاطہ کا بیشتر حصہ ابھی کام کا نہیں بن سکا ہے۔ اس کو ٹھیک کرنے کی کوشش ہے انشا اللہ وہ بھی کام کا ہو جائے گا۔

۳۔ لانڈٹری و سلامی

لانڈٹری کا کام اچھی طرح چل رہا تھا۔ درس گاہ کے طلباء کے کپڑے بھی گروپ دعویٰ استری کرتا اور ان کا حساب کتاب رکھتا تھا۔ مگر وقت اور جگہ نیز نگران کی دقت کے

باعت کچھ دنوں کے لیے ملتوی کر دیا گیا ہے۔ مشین نہ ہونے کی وجہ سے سلامی کام کا
باقاعدہ شروع نہ ہو سکا تھا۔ بچوں کو کٹنگ وغیرہ کاغذ کاٹ کر سکھانی سماں ہی تھی۔
اب ایک مشین کا بھی انتظام ہو گیا ہے امید ہے جلد ہی اس کام میں بھی باقاعدگی پیدا
ہو جائے گی۔

۴۔ دیگر مشاغل

انگریزی مٹھانی اور سوم بنی بنانے اور انھیں باقاعدگی سے پیک کر کے طلباء
کے ذریعہ فروخت کر کے بچوں کو خرید و فروخت کا تجربہ اور کار و بار چلانے کی مشق
بہم پہنچانے کا خیال ہے۔ مٹھانی بنانے کی ایک مشین ایک رفیق کی عنایت سے حاصل
ہو گئی ہے۔ بنوڑ کے لیے کچھ مٹھانی بنوادی گئی ہے مگر شکر کی قلت کے باعث ابھی یہ کام
منصوبہ کے مطابق نہیں ہو رہا ہے علاوہ ازیں چارپائی بننا، سائکل چلانا، تیرا کی،
حابن بنانا وغیرہ بھی ہم وقتاً فوقاً سکھاتے رہتے ہیں اور بھی بہت سے مشاغل ہمارے
پیش نظر ہیں مگر کام کی وسعت، وسائل کی محدودیت، فنی مہارت اور استاف کی
کمی کے باعث تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ اس قسم کے کاموں کا باقاعدگی کے ساتھ
سکھانا فی الحال دشوار نظر آتا ہے۔ خدا کرے ہماری یہ دشواریاں جلد رفع ہوں۔

جسمانی تربیت

درس گاہ کے وسط شہر میں واقع ہونے کے سبب ہمارے طلباء کو محلی ہوا بہت
کم نصیب ہوتی ہے نیز ہمارے پاس کھیل کے لیے کوئی کشاور میدان نہیں ہے اور نہ
ہم کھیل کے سامان کی فراہمی کا خاطر خواہ انتظام کر سکتے ہیں۔ تعلیم و تربیت میں کھیل
کی اہمیت کے پیش نظر بہر حال یہ بہت بڑی کمی ہے، تاہم اپنے وسائل کو دیکھتے ہوئے

طلباًر کی جسمانی تربیت کی بحاجت اسکاں ہم کو ششش کر رہے ہیں۔ بعد نماز فخر طلباء کو پابندی سے تفریج کے لیے شہر سے باہر لے جاتے ہیں جہاں دیڑا ڈو گھنے کھلی ہوائی انھیں آزادی سے کھلینے کا موقع ملتا ہے۔ اگرچہ دن کے پیشتر اوقات میں محمد و داور بند جگہ رہنے کے سبب طلباء کی صحبت کچھ معیاری نہیں ہے پھر بھی بفضلہ عام صحبت اچھی رہتی ہے۔

نمازِ عصر کے بعد کھیل اور T.P کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔ مطین سے ملحق مکان کا صحن ہموار کر کے والی بال اور رینگ کی دو فیلڈز میں بنادی گئی ہیں جن سے کھیل ایک حد تک منتظم ہو گیا ہے۔ کبڑی، دوڑا، کود، کرکٹ اور جگہ کو جھوٹے بچوں کی کشتی نیز موسم کو محفوظ رکھ کر تیرا کی کابند و سبت کیا جاتا ہے۔ وقتاً فوقاً "مچھلی" کے شکار اور پکنک کا بھی انتظام کرتے ہیں۔

اخلاقی تربیت

اسلام میں اخلاق کو جواہمیت حاصل ہے وہ ہم سب پر عیاں ہے۔ چنانچہ ہم اس پر تعلیم سے زیادہ زور دیتے ہیں۔ اخلاقی تربیت کے سلسلہ میں صالح معاشرہ، اساتذہ اور بڑے طلباء کا بہترین عملی نمونہ، طلباء میں اخلاقی نظر سے حساس رائے عامر، اچھا ماحول درستگاہ کی فضنا، بچوں میں ندامت کے جذبہ کی نشوونما، محاسبہ نفس اور ایسے ہم و قسم منصوبے جو طلباء کو فرصت کے اوقات میں لغو ولایتی باقتوں اور کاموں سے محفوظ رکھ سکیں ان سب کو بہت بڑا دخل ہے۔ ہم ان میں سے کسی طرف سے غافل نہیں ہیں۔ طلباء میں ندامت کا جذبہ پیدا کرنے کی حصتی الامکان کو ششش کرتے ہیں، خود اپنی طرف سے بہتر نمونہ پیش کرتے ہیں۔ نگرانی کے لیے

اساتذہ اور نگران دونوں کو ذمہ دار بنادیا گیا ہے۔ فرست کے اوقات کو مناسب کاموں پر صرف کرنے کا انتظام کیا گیا ہے۔ محسوسہ نفس کے لیے دن بھر کی مصروفیات پر روزانہ ڈائیاں لکھوائے ہیں۔ درس گاہ کی ففنا ہوا اور مناسب رکھنے کے لیے طلباء کے اجتماعات خصوصی کرتے ہیں، حاضری کے بعد ضروری ہدایات دی جاتی ہیں اور اچھی عادتوں کی تشویق اور بُری عادتوں سے احتراز کے لیے طلباء کو مستقل اخلاقی درس دیتے ہیں۔ ایک دوسرے پر ہمدردانہ تنقید کا موقع دیتے ہیں اور سولات کر کے نیز بچوں کے کردار کا جائزہ لے کر اپنی مسامعی کے نتائج جلپختہ رہتے ہیں۔ علاوه ازیں کھیل کوڈ، اقامتی زندگی کے مختلف مواقع اور درس کے اوقات میں اخلاقی اصولوں کی پابندی اور عملی تربیت پر خاص زور دیتے ہیں تاکہ طلباء کے ذہن نشین ہو جائے کہ اخلاقی اصول محض زبانی تعلیم دینے اور بیاد کرنے کے لیے نہیں ہوتے بلکہ روزانہ کی عملی زندگی میں برتنے جانے کے لیے ہوتے ہیں۔

تعاون، ہمدردی، خدمت صفائی، پاکیزگی وغیرہ کے لیے طلباء پر انفرادی و اجتماعی ذمہ داریاں ڈالی گئی ہیں۔ اپنے معاشرہ کی اصلاح کے لیے طلباء کا خصوصی اجتماع ہوتا ہے جن میں وہ اپنی معاشرتی و اجتماعی زندگی کو اخلاقی اصولوں پر ڈھالنے کے اور کمزوریوں کو دور کرنے کے منصوبے سوچتے ہیں ان کی جمیعت بھی ہے جو ایک دوسرے کاموں پر ٹوکتی اور بھلے کاموں پر ابھارتی ہے۔

صحبت و صفائی

بیمار طلباء کی دیکھ بھال، تیمار داری اور دفعات علاج کے لیے نگران حضرات میں سے ایک صاحب ذمہ دار بنادئے گئے ہیں جو ان کی صحبت کا جائزہ بھی لیتے رہتے

ہیں۔ اوپنچی جماعت کے طلباء روزراز اور پنچی جماعت کے ایک دن ناگزدے کر غسل کرتے ہیں۔ جمعہ کو درس گاہ کی عام صفائی کے بعد طلباء غسل کرتے ہیں۔ طلباء کی وقتی اور فوری طبی امداد کے لیے درس گاہ میں ہومیو بینیک اور ایلو بینیک ادویہ موجود رہتی ہیں تاہم ہفتہ میں ایک بار کے لیے ایک مشہور مقامی طبیب کی خدمات اعزازی طور پر حاصل کی گئی ہیں۔ آپ جب تشریف لاتے ہیں تو طلباء کو حفظانِ صحت کے اصول بھی بتاتے ہیں اور دلچسپ انداز سے خطاب بھی کرتے ہیں۔ بیمار طلباء کے علاج کے سلسلہ میں ہمارے شفیق اور خوش مزارح حکیم صاحب کی خدمات تو بفضلہ سہہ وقت حاصل رہتی ہیں بوقت ضرورت ڈاکٹری علاج کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ غذاسادہ اور وقت پر دی جاتی ہے اس میں بھی صحت کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔

عملی تربیت

وستنکاریوں اور حرفوں کے علاوہ زندگی کے دوسرا ہے پہلوؤں سے عملًا واقف ہونے کا بھی انتظام کیا جاتا ہے۔ جسمانی محنت کا عادی بنانے اور ہر کام پر بے جھوک قادر ہونے کے لیے بچوں کے گروپ بنادیے گئے ہیں۔ ہر گروپ باری باری ہفتہ میں ایک دن اقامتی زندگی کے تمام کاموں کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ کمروں اور احاطہ کی صفائی، بچوں کے ناستہ اور کھانے کا انتظام، نالیوں کی صفائی، یتیماں داری، درس گاہ اور سامانوں کی معمولی مرمت، سفیدی کرنا، چارپائی بننا وغیرہ طلباء کو سکھایا جاتا ہے۔ طلباء کی قوتوں کو مضبوط اور نفع بخش کاموں میں لگانے سے جہاں درس گاہ کے نظم و ترتیب میں ہم آہنگی پیدا ہو گئی ہے وہیں خود

ان میں اپنے ماحول کو صاف سترہ رکھنے اور ہر کام پر بے جھگ ک قادر ہوتے کی صلاحیت بھی پیدا ہو رہی ہے۔ ان کے اس طرح گروپ بنادینے سے طلباء کے کاموں کا جائزہ لیتے اور ان کی علمی، اخلاقی اور عملی ارتقاب پر نظر رکھنے میں یک گونہ سہولت پیدا ہو گئی ہے ورنہ ظاہر ہے کہ اس قدر کم استاذ کے ہوتے ہوئے ایک ادارہ کو باقاعدہ چلانا ہمارے لیے از لس دشوار ہو جاتا۔ بیش از ایس یہ کہ طلباء کو مختلف کاموں کا ذمہ دار بنادینے سے ان میں شوق کا رکرداری، جذبہ اعتمادی اور احساسِ ذمہ داری پیدا ہوتا ہے۔ عمومی ذمہ داریوں کے علاوہ بعض طلباء پر خصوصی ذمہ داریاں بھی ڈالی گئی ہیں مثلاً چھوٹے بچوں کو نماز پڑھوانا، بستر لگوانا، سامانوں کی دیکھ بھال، سیر و تفریج کے لیے لے جانا، عام صفائی وغیرہ جسے بیچ نہایت تندی سے انجام دیتے ہیں۔

اطھارِ خیال کی مشق

تحریری و زبانی اطھارِ خیال کی مشق کے لیے ہفتہ میں چار پیریڈ درس کے اوقات میں رکھے گئے ہیں اور مغرب وعشاء کے درمیان بھی اس کا موقع دیا جاتا ہے۔ خود طلباء کے اجتماعات ہوتے ہیں جن میں اکھیں تقریر کرنے کا موقع دیا جاتا ہے۔

دارالمطالعہ

ایک استاد کی زینگرانی بچوں کا دارالمطالعہ قائم کیا گیا ہے جس میں الحنا، فردوس، زندگی، وغیرہ رسائل آتے ہیں جن سے طلباء استفادہ کرتے ہیں۔

بچوں کے قلمی رسائل و اخبارات

بچوں کے حلقوں ادب کا بھی اجتماع و قتاب فونقتاً موتا ہے جس سے اکھیں ...

افسانہ، درامہ، مقالہ وغیرہ لکھنے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں بعض بچوں کے کام قابل تحسین ہیں۔ طلباء کے دو قلمی رسائلے تحفہ اور صبح نونکلتے ہیں۔ ایک بچہ ہفتہ وار جمعہ جمیع ایک دو ورقی اخبار نکالتا ہے جس کی پُر طرف اور سنسنی خیز گرم گرم چیزوں پر بچوں کی دلچسپی کا باعث بنتی ہے۔ الحدائق میں بچوں کی نظمیں وغیرہ بھی شایع ہوتی ہیں۔

کام کا جائزہ

اسائزہ سے ڈائریاں لکھوائی جاتی ہیں اور ہفتہ وار انقدری ملاقاتوں میں ان کے کاموں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ مناسب مشورے اور ضروری ہدایات دی جاتی ہیں طلباء کے ششمہا ہی اور سالانہ امتحانات ہوتے ہیں جن میں علمی کام کے علاوہ عملی، اخلاقی، ذہنی و جسمانی نشووار تقاریر کا بھی جائزہ لیا جاتا ہے اور اس کی پرپورٹ سرپرستوں کو بیجع دی جاتی ہے۔

لامیسریری

طلباء کی درجہ دار لامبریری قائم کی گئی ہے۔ مختلف مضامین کی تقریباً تیس نیس کتابیں منتخب کردی گئی ہیں جن کے مطابع کا طلباء میں شوق پیدا کرایا جاتا ہے۔ کتابوں اور طلباء کے ناموں کی فہرست درجہ میں آؤیزاں رہتی ہے جس میں بچے اپنی پڑھی ہوئی کتاب کے سامنے نشان کر کے تاریخ اختتام لکھ دیتے ہیں اور اختتام کے ایک ہفتہ کے اندر اس پر سوالات کر کے مطالعے سے استفادہ کا جائزہ لینے کی ہدایت کر دی گئی ہے۔

عجمائیب خانہ

درس گاہ کا اپنا ایک جھوٹا عجائب خانہ بھی ہے جو تعلیمی ضروریات کے پیش
نظر ناگزیر ہے اس میں پڑانے اور مختلف ممالک کے سکتے، تلکت، طبقات الارض
پر متعلق پتھروں کے نمونے، سمندر کے بعض بنايات و حیوانات وغیرہ فراہم کی گئی ہیں۔
تعلیمی سامانوں کی تیاری و فراہمی

مختلف مضمایں سے متعلق توضیحی و تشریحی چار لوٹن، نقشوں اور دیگر تعلیمی
سامانوں کی فراہمی و تیاری بھی درس گاہ کے کاموں کا ایک اہم جزو ہے ہم اس طرف
توجه دے رہے ہیں۔ انشاء اللہ آہستہ آہستہ یہ کام بھی طیک ہو جائے گا۔ فی الحال
کچھ نقش، چارٹ، مادل تیار ہو گئے ہیں۔ کچھ خرید کر فراہم کیے گئے ہیں جو ہیں تو
ناکافی مگر بچوں کے لیے منید ہیں۔

درسی کتب

تعلیم و تربیت کے بارے میں ہمارا جو نظر رہا ہے اس کے لحاظ سے مرد جہ
درسی کتب ہمارے لیے مفید نہیں ہو سکتیں اس لیے ابتدائی سے یہ مقصد ہمارے
پیش نظر رہا ہے کہ اپنے نصاب کے مطابق درسی کتابیں ہم خود تیار کریں۔ میلخ آباد
ہی کے قیام میں ہم نے رمضان کی تعطیلات میں جماعت کے ایسے رفقاء کو مرکز طلب
کیا جو درسیات کی تیاری میں ہماری مدد کر سکتے تھے مگر ایک ماہ کے قیام کے باوجود
کچھ زیادہ کام نہ ہو سکا۔ گزشتہ سال صرف چند کتابیں شائع ہو سکی تھیں۔ امسال
 مجلسی شوریٰ منعقدہ جنوری ماہ نے طے کیا کہ ناظم درس گاہ کو کچھ عرصہ فارغ
کر کے درسی کتب اور نصاب مکمل کرایا جائے۔ چنانچہ اس کے پیش نظر تقویاً ایک ماہ

کے لیے ناظمِ درس گاہ کو فارغ کیا گیا اور اب گذشتہ مطبوعات کو بھی تظریثانی اور کافی ترمیم و اضافہ کے بعد تیز مزید کتب مرتب کر کے پورا سط شائع کیا گیا ہے۔ یہ سٹ مندرجہ ذیل کتب پر مشتمل ہے۔

(۱) قاعدہ شعر و سنتیلیق (۲) ہماری کتاب پہلا حصہ (۳) ہماری کتاب دوسرا حصہ (۴) ہماری کتاب تیسرا حصہ (۵) ہماری کتاب چوتھا حصہ (۶) ہماری کتاب پانچواں حصہ (۷) ہماری کتاب چھٹا حصہ۔

اردو کے اس سٹ کے ساتھ ساتھ سرسری مطالعہ کے لیے تاریخی، اخلاقی کہانیوں کا بھی ایک سلسلہ شائع کیا گیا ہے جو ذیل کی کتب پر مشتمل ہے:-

(۱) اخلاقی کہانیاں حصہ اول (۲) اخلاقی کہانیاں حصہ دوم (۳) اخلاقی کہانیاں حصہ سوم (۴) اخلاقی کہانیاں حصہ چہارم۔ آسان کہانیاں ہندی کے سٹ میں بھی ہماری پوچھی پر اکھ حصہ اول و حصہ دوم اور حصہ سوم تیار ہیں۔ چہارم بھی زیر طبع ہے۔ نصاب بھی جماعتِ ششم تک مکمل کر کے کتابی صورت میں شائع کیا گیا ہے۔

آئندہ منصوبے

۱۔ آئندہ شوال سے جماعتِ هفتہم کا اضافہ ہو گا۔ اس کے لیے ایک مزید استادی تقری عمل میں آئے گی۔ مطبع سے محقق عمارت میں ضروری ترمیم و اضافہ ہو گا تاکہ رہائش اور تعلیم و تربیت کا مسئلہ ایک حد تک حل ہو سکے۔

۲۔ دستکاریوں اور عملی کاموں میں سے انگریزی مٹھائی بنانا، سلامی، موم تی بنانا اور لکڑی و فریب ورک کے کام کو بہتر بنانے کا انتظام کیا جائے گا۔ فی الواقع باعثانی کتب سازی اور معمولی پیمانے پر سلامی اور لکڑی وغیرہ کا کام بھی انجام پا رہا ہے،

لانڈری کا انتظام بھی کیا گیا تھا مگر چند مجبوریوں کی بناء پر گذشتہ ماہ سے کچھ ذوال
کے لیے ملتوی کر دیا گیا ہے۔

۳۔ فیلڈ کا مسئلہ اب تک حل نہیں ہو سکا ہے۔ یہ ایک بہت بڑی کمی ہے۔
پی ٹی اور منظم نیز ازداد کھیل کا معمولی انتظام کر دیا گیا ہے جو بہر حال ناقص اور
ضرورت کے پیش نظر بہت کم ہے۔ افضل حسین ۲۵ مارچ ۱۹۷۸ء
یہ نشست ۱۱ بجکر ۵ مئٹ پر ختم ہو گئی۔

نشست چہارم

اس نشست میں مولانا حامد علی صاحب نے تحریکِ اسلامی اور اس کے
مقتضیات کے عنوان پر حسب ذیل تقریر فرمائی :-
تحریکِ اسلامی اور اس کے مقتضیات
خطبہ مسنونہ کے بعد

یہ اللہ کا بہت بڑا فضل ہے کہ ہم نے با مقصد زندگی گزارنے کا فیصلہ کیا ہے
جیکہ اس دنیا میں بے شمار انسان ایسے ہیں کہ جن کی زندگی کا کوئی شوری مقصد
نہیں ہے۔ اور اس سے بڑا فضل یہ ہے کہ ہم نے جس چیز کو مقصدِ حیات کے طور
پر اپنایا ہے وہ کوئی معمولی اور حقیر چیز نہیں دنیا کی سب سے اہم، سب سے ارجمند
سے مقدرس چیز ہے، بلکہ حقیقت میں انسانی زندگی کا وہی ایک صحیح مقصد ہے اور
اس سے نوع انسانی کی دنیوی و آخری فلاح والستہ ہے۔ یہ مقصد ہے افامتِ دین
یعنی اللہ کے دین کو فائدہ کرنا۔ ہم نے اقامتِ دین کو مقصدِ حیات کے طور پر اپنایا ہے

اور اس وقت ملک کے دُور دراز گوشوں سے ہم یہاں یہی جائزہ لینے کے لیے جمع ہوئے ہیں کہ ہم نے اس مقصد کے تقاضوں کو کس حد تک پورا کیا ہے اور اس راہ میں ہم کو کتنا اور کس طرح آگے بڑھنا ہے۔

”اقامتِ دین“ کہنے میں دولفاظ ہیں لیکن ان کا مفہوم اتنا وسیع اور یہ گیر ہے کہ اس کی پہنائیوں میں ایک طرف انسان کی پوری انفرادی و اجتماعی زندگی آجائی ہے۔ دوسری طرف تمام عالم انسانی پر اس کا دائرہ محيط ہوتا ہے۔ درحقیقت یہ دنیا کا سب سے دشوار و نازک ترکام ہے۔ یہ بات میں اس لیے نہیں کہہ رہا ہوں کہ دشواریوں کا احساس آپ کو پسپا لی اختیار کرنے کی طرف مائل کر دے، یہ نظر اہر بات ہے کہ صحیح مقصد کو چھوڑ کر آپ غلط مقصد کو آسانیوں کی خاطر اختیار نہیں کر سکتے۔ مقصد کی وسعت، دشواری اور نزاکت کا اس لیے ذکر کر رہا ہوں تاکہ آپ کو اس کی گران ذمہ داریوں کا بخوبی احساس ہو جائے اور پھر اسی کے مطابق آپ اپنی توجہات اور مسامعی کو مقصد کے لیے زیادہ مرجوز کر دیں۔

اقامتِ دین کے سلسلہ میں سب سے اہم اور مقدم کام یہ ہے کہ آپ دین کو اپنی زندگیوں میں قائم کریں۔ اس سلسلے کا سب سے کٹھن کام بھی یہی ہے، اسلام کی حمایت میں مقالات لکھنا، تقریریں اور تنقیدیں کرنا آسان ہے لیکن دین کو اپنی زندگی میں جاری و ساری کرنا بہت دشوار اور کہیں مشکل، مگر دنیا میں اللہ کا دین قائم فہی لوگ کر سکتے ہیں جو اپنی زندگیوں میں اسے قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ دین کو قائم کرنے کا کام کوئی نیا کام نہیں ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام اسی مقصد کے لیے تشریف لاتے رہے ہیں۔ اوسان کے مقدس ساتھیوں نے اسی کو مقصدِ حیات بنایا تھا۔

ان بگزیدہ انسانوں کی سیرتوں کے مطابع سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کی جدوجہد کے سلسلے میں ان کا پہلا کام یہی ہوتا تھا کہ سب سے پہلے وہ اس دین کی تعلیمات کو اپنی زندگیوں میں اس طرح جذب کرتے تھے کہ وہ خود اس کا بہترین نمونہ بن جاتے تھے۔ وہ تمام حرکات و سکنات میں اللہ کے احکام کی کامل پیروی کرتے اور اللہ کی بندگی کا جو کام بھی کرتے انتہائی حسن و حربی اور ذوق و شوق سے کرتے اور اس سلسلے میں اپنے نفس کو کسی قسم کی ڈھیل دینا گوا رہ کرتے اور اس طرح کی ڈھیل کو اپنے لیے سب سے زیادہ ہلاکت کا باعث خیال کرتے۔ حق پرست اور نامہاد مصلحین کے طرزِ اصلاح میں ایک بنیادی فرق یہ بھی ہے۔

اس سلسلے کا پہلا کام یہ ہے کہ آپ اللہ کے حضور اپنی جواب دہی کا تصور کر کے مسلسل احتساب کرتے رہیں کہ آپ دین کی کس حد تک پیروی کر رہے ہیں۔ اس احتساب کے بغیر آپ کو صحیح اندازہ نہ ہو سکے گا۔ انسان کا واقعہ بسا اوقات اسے دھوکے میں رکھتا ہے اور دوسروں پر تنقید کرنے اور ان تک دعوت پہنچانے میں انسان بہت دفع اپنی ذمہ داریوں کو فراموش کر دیتا ہے اس لیے مذوفی ہے کہ آپ آخرت کی ہونا کیوں کو پوری طرح یاد کر کے اپنا کڑا احتساب کرتے رہیں اور مسلسل اپنے اور نظر بھیں، اسی طرح آپ دین کو قائم کر سکیں گے اور اسی طرح آپ یوم الحساب سے پہلے خود اپنا حساب کر کے اپنے آپ کو اس روز کی نہادنوں اور تلخ کامیوں سے بچا سکیں گے۔

اس سلسلہ کی دوسری چیز اقامتِ صلوٰۃ ہے۔ کتاب و سنت کے مطابع سے یہ بات آپ پر اچھی طرح روشن ہو گئی کہ اقامتِ صلوٰۃ دین کا بنیادی اور اہم ترین علم

ہے۔ ایمان کے بعد پورے دین کی عمارت اس پر قائم ہے اور اللہ کی کامل بندگی اور حق پر صبر و استقامت کے لیے اس سے بہتر کوئی نہیں اس لیے جیتاںک آپ غماز قائم نہ کریں گے زبانی زندگی میں دین قائم کر سکتے ہیں زندگی میں دین کو غالب کر سکتے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہم سب غماز پڑھتے ہیں لیکن اقامتِ صلوٰۃ کے معنی صرف غماز پڑھنے کے نہیں ہیں۔ اقامتِ صلوٰۃ کے معنی ہیں غماز پا بندی سے صحیح وقت پر، جماعت سے پڑھنا اور سب سے بڑی بات یہ کہ خشوع اور عاجزی سے پڑھنا، فہم و شعور کے ساتھ پڑھنا، اس تصور کو بیدار رکھتے ہوئے ادا کرنا کہ اللہ تعالیٰ ہماری تمام حرکات و سکنات دیکھ رہا ہے، اس احساس کے ساتھ ادا کرنا کہ ہم اللہ سے عہد کر رہے ہیں اور اس عہد کو ہمیں غماز سے فارغ ہو کر پورا کرنا ہے اور اللہ کو اس کا جواب دینا ہے، اس شعور کے ساتھ قیام و رکوع و سجود کرنا کہ ہم اللہ کے آگے انتہائی عاجزی کر رہے ہیں اور اسی عاجزی کا ثبوت ہمیں اپنی پوری زندگی میں دینا ہے۔ یہ اور اس طرح کے تمام ظاہری و باطنی آداب و نشرانط کے ساتھ غماز ادا کرنا اقامتِ صلوٰۃ ہے اور اس طرح غماز ادا کرنے میں ہم جتنے کامیاب ہوتے جائیں گے اسی قدر ہم دین کو قائم کرنے میں کامیابی حاصل کرتے جائیں گے۔ دین پر مجھنے کے لیے انسان کا اپنا عزم (صبر) اور غماز دو بنیادی چیزیں ہیں جن کی طرف کتاب و سنت میں بار بار رہنمائی کی گئی ہے۔

آپ اپنے مقصد کو شہادتِ حق کے الفاظ سے کبھی تعبیر کرتے ہیں اور خود قرآن پاک نے شہادتِ حق کو امتِ مسلمہ کا مقصد زندگی قرار دیا ہے۔ یہ دو لفظ اپنے اندر بے پناہ و سعنیں رکھتے ہیں۔ ان کی وسعتوں کو مجھنے اور ان کا حق ادا

کرنے کی کوشش کیجیے۔ شہادت حق کا مفہوم اس کے ہوا کیا ہے کہ آپ اپنے پورے وجود سے حق کی گواہی دیں۔ آپ کی پوری زندگی اسلام کا نمونہ ہو، اگر کوئی شخص یہ معلوم کرنا چاہے کہ زندگی کے مختلف شعبوں میں اسلام کیا احکام دیتا ہے اور انسان کو کس ساتھ میں ڈھاننا چاہتا ہے تو اس چیز کو وہ آپ کے اقوال سے، اعمال اور آپ کی حرکات و سکنات سے معلوم کرے، آپ جہاں کہیں ہوں جس حال میں ہوں اور جو کچھ بھی کر رہے یا سوچ رہے ہوں وہ احکام خداوندی کے عین مطابق اور اسوہ رسول کی صحیح پیرودی پر مبنی ہو۔ دوسرے الفاظ میں آپ میں سے ہر شخص اسلام کا چلتا پھرتا مجسم ہو۔ پھر آپ کے ذہن میں اسلام کا کوئی محدود تصور نہیں ہے۔ آپ اسلام کو ایک ایسا دین سمجھتے ہیں جو بلا استثناء انسان کی پوری زندگی کو محیط ہے اور آپ اس پورے نظام زندگی کو قائم کرنا اور اس کی شہادت دینا چاہتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ آپ عقائد، عبادات، اخلاق، معاملات، تعلقات اور معاشرت و سیاست غرض تمام امور میں اپنی زندگی سے اسلام کا صحیح نمونہ پیش کریں اور لوگوں سے اللہ کی کامل اطاعت میں داخل ہونے کا مطالبہ کرنے کے ساتھ ساتھ خود اس مطالبہ کو پورا کرنے کی ہر طرح پیغم جد و جہد کریں۔ اس جدوجہد کے بغیر آپ کی دعوت بے اثر اور مفعکہ چیز ہو کر رہ جائے گی اور آپ کے قول و عمل کا تضاد آپ کو کہیں کا نہ رکھے گا۔ اس مہم میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے ناگزیر ہے کہ آپ کو اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کا زیادہ سے زیادہ علم ہو اور آپ یہ جانتے ہوں کہ مختلف معاملات و مسائل میں اسلامی احکام کیا ہیں اور کیا چیز اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کس درجہ میں مطلوب و

محبوب ہے — ظاہر ہے کہ اس علم کے بغیر کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ آپ اللہ کے دین کی صحیح گواہی دے سکیں۔ اس کے لیے اس سے بھی زیادہ ضروری چیز یہ ہے کہ اللہ کی رضا اور آخرت کی کامیابی حقیقتاً آپ کی پوری زندگی کے مقصد اصلی بن جائیں یہی دو چیزیں جو حقیقت کے اعتبار سے ایک ہی ہیں۔ ہر وقت آپ کے سامنے ہوں، جو کام جو بات یا جوارادہ بھی کریں اسی لیے کریں کہ آپ کا مالک واقف آپ سے راضی ہو۔ اور آپ اس کے اجر و انعامات کے مستحق بن سکیں۔ یہ جذبہ جتنا زیادہ آپ پر طاری ہوتا جائے گا اور جس قدر آپ لپٹنے کا موں میں اس کا شعور اور التزام کر سکیں گے اسی قدر آپ دین کی صحیح گواہی کے لیے تیار ہو سکیں گے اور اسی قدر آپ کی تمام زندگی بندگی میں اور آپ کے جملہ اعمال و اقوال "عمل صالح" میں تبدیل ہوتے جائیں گے۔ عمل صالح ہر اس کام کو کہتے ہیں جو اللہ کی رضا کی خاطر کیا گیا ہو اور جو احکام خداوندی اور اسوہ رسول کے مطابق ہو۔ اگر یہ دونوں باتیں موجود ہیں تو آپ کے وہ کام بھی جن کو عام طور پر دنیوی کام سمجھا جاتا ہے نیکی قرار پایاں گے اور ان سب پر آپ اجر کے مستحق ہوں گے۔ لیکن اگر یہ دونوں نہ ہوں گی تو بڑی سے بڑی نیکی بھی بندگی نہیں ہے اور اس پر کسی اجر کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

آپ لپٹنے اس کام کو تحریک اسلامی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہ لفظ اگرچہ نیا ہے مگر اپنے مفہوم کے لحاظ سے پرانا ہے۔ ضرورت ہے کہ آپ تاریخ کے مقتنيات کو اچھی طرح جان لیں اور ان کے پورا کرنے کی مُصان میں لگ جائیں۔ تحریک خود اپنے لفظ ہی کی رو سے حرکت اور جدوجہد کا تقاضا کرتی ہے۔

جب تک چند افراد کسی مسلک کو ذاتی طور سے اختیار کیے رہتے ہیں اور اس کے لیے کسی خاص سرگرمی کا مظاہرہ نہیں کرتے، اسے مسلک کہا جاتا ہے اور جب اسے سامنے رکھ کر سمجھی و عمل کا ایک مربوط و منظم مسلسلہ شروع کر دیا جاتا ہے تو ہم اسے تحریک کہتے ہیں۔ اسلام کو ایک تحریک کے طور پر اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے لیے پیغم اور شدید جدوجہد کی جائے ورنہ تحریک کے بجائے اسے "جامعہ مسلک" کہنا زیادہ موزوں ہوگا تو کیا آپ اس کے لیے تیار ہیں کہ اس تحریک کو جس کے لیے آپ نے اپنا سب کچھ لگا دیئے کا فیصلہ کیا ہے جامعہ مسلک بن جانے دیں، اگر آپ تحریک کو اس طرح کے کسی خطہ ناک انجام سے دوچار نہیں کرنا چاہتے تو تحریک کو تحریک کی طرح چلاتا ہوگا اور سراپا حرکت اور محسم عمل بنانا ہوگا۔ ورنہ یہ سارا کام محض دماغی عیاشی یا الفاظی فلسفہ بن کر رہ جائے گا۔

آپ جس دنیا میں اپنی تحریک کو سر بلند کرنا چاہتے ہیں اس میں بے شمار دوسری تحریکیں چل رہی ہیں اور ہر تحریک کو شاہ ہے کہ اور وہ بازی لے جائے اور ساری دنیا پر وہی چھا جائے۔ ان تحریکیوں کے علم بردار جو کچھ کرو رہے ہیں وہ آپ کے سامنے ہے جس سرگرمی سے وہ ایک ایک شخص تک اپنی بات پہنچاتے ہیں جس وہن کے ساتھ وہ اپنے مقصد کو حاصل کرنے میں لگے رہتے ہیں جس شوق اور ولومہ کے ساتھ وہ اپنے نصب العین کے لیے اپنی زندگیوں اور اپنے جان و مال کی بازی لگاتے ہیں جس انہماں ویکیسوئی کے ساتھ وہ اپنی تحریک کو آگے بڑھانے کے لیے اپنی ذہنی، ملکی اور قومی صلاحیتوں کو مسلسل خرچ کرتے رہتے ہیں اور جس صبر و ثابت قدی کا وہ ہر ہر قدم پر مظاہرہ کرتے ہیں اس سب سے کون شخص بے خبر ہے؟ تو کیا آپ

ان اوصاف میں ان سے اگے بڑھے بغیر کامیاب ہو سکتے ہیں؟ یقیناً نہیں، تو سوچیے کہ آپ کو کیا کچھ کرنا ہے اور آپ کیا کچھ کر رہے ہیں۔ اس لحاظ سے اگر آپ پناہاں نہ لیں گے تو آپ کو محسوس ہو گا کہ آپ اتنے زیادہ تیجھے ہیں کہ اپنی موجودہ سی و عمل سے کسی طرح بازی جینے کا نصوحہ نہیں کر سکتے۔ تو کیا آپ اس پر قائم و خوش ہیں؟ الگ نہیں تو اٹھیے، اپنی تن آسانیوں اور راحت طلبیوں کو تبرید کیجئے، اپنے ذمیوں مشاغل کو مخفر کیجیے، فضولیات سے اپنے افقات کو پاک کیجیے اور پوری سرگرمی و انہماں کے ساتھ دعوت و تبلیغ کے کام میں لگ جائیے۔ گھر کے اندر، گھر کے باہر، محلہ اور بستی میں اور ملک کے اطراف و جوانب میں جہاں کہیں موقع ملے، اپنی آواز پہنچائیے، پہنچاتے رہیے، دلائل و شواہد کے ساتھ علمی و فکری تائیدات کے ساتھ اپنی دعوت پیش کیجیے اور رکھتا رہیں کرتے رہیے، یہاں تک کہ یہ کام آپ کی زندگی کا ضمیر نہیں، سب سے بڑا اور سب سے اہم مشغلم بن جائے جس میں آپ کا زیادہ سے زیادہ وقت اور قوت صرف ہو۔ بڑھیے اور بڑھ کر اس راہ کی ہر شکل کا خندہ پیشانی سے استقبال کیجیے۔ مخالفتیں ہوں، بدگانیاں ہوں، سیاسی و معاشری پریشانیاں ہوں، کچھ بھی ہو آپ اس راہ میں برابر آگے بڑھتے چلے جائیے جسے آپ راہ راست سمجھتے ہیں اور جس پر چلنے میں آپ اپنی، اپنی قوم کی، اپنے ملک کی اور تمام دنیا کی فلاح کا یقین رکھتے ہیں، آپ کو اس مقصد کے لیے ہر طرح کا ایشارہ کرنا ہو گا۔ وقت کا ایشارہ دولت کا ایشارہ، مخادرات کا ایشارہ، راحت و آرام کا ایشارہ، توقعات اور شاندار مستقبل کا ایشارہ اور آپ اس ایشارہ میں جس قدر آگے ہوں گے اسی قدر تحریک کے لیے میند ہوں گے اور اتنا ہی آپ اس کا حلق ادا کر سکیں گے۔

تحریک کا دوسرا لازمی جزو اجتماعیت ہے، تحریک کہتے ہی اجتماعی جدوجہد کو ہیں اور کسی تحریک کی کامیابی و ناکامی میں جتنا داخل جدوجہد کی بیشی و کمی کوئی اجتماعیت کے استحکام و صنعت کا مقام اس سے کم نہیں۔ یوں بھی یہ دور پچھلے تمام ادوار کے مقابلہ میں بہت زیادہ اجتماعی ہے اس میں ہر نظام اور تحریک کا اجتماعی پہلو بہت اچھا ہوا ہے۔ اج ہر باطل انتہائی منظم ہے، ہر شر اجتماعی قوت رکھتا ہے۔ ہر قضاۃ تنظیم کے ساتھ سامنے آتا ہے، اس لیے اگر آپ باطل کو مغلوب کرنا چاہتے ہیں اگر آپ شروضداد سے دنیا کو پاک کرنا چاہتے ہیں اور خیر و صلاح سے عالم انسانی کو معمور دیکھنا چاہتے ہیں تو یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب آپ حق کے علمبیار اور خیر و صلاح کے داعی ہونے کے ساتھ ساتھ انفرادیت کو حجوڑ کر اجتماعیت اختیار کر لیں اور اجتماعی استحکام، اطاعت امر اور ڈسپلن میں اہل باطل سے سبقت لے جائیں۔

یہ ایک واضح دروش حقيقة ہے اور خود اسلام بھی اس حقيقة کی طرف رہنمائی کرتا ہے، وہ انتشار و تشتت کی زندگی کو جاہلیت کی زندگی بتاتا ہے، وہ اہل حق کے لیے اجتماعی زندگی کو لازمی قرار دیتا ہے وہ انھیں ہدایت کرتا ہے کہ وہ ہر طرح کے نظر قدر انتشار سے بچیں۔ وہ الجماعت سے انحراف کرنے والے کو جہنمی قرار دیتا ہے اور اہل حق کی جماعت میں پھوٹ ڈالنے والے کی سزا قلل تجویز کرتا ہے، وہ اس بات کا ہرگز روادار نہیں ہے کہ حق پرستوں میں ذاتی، خاندانی، نسلی اور طبقاتی عصیتیں کھیلیں اور امتِ مسلمہ کا شیرازہ منتشر کر دیں۔ وہ ہر روز پانچ وقت نماز میں ایک امام کی کامل اطاعت اور اس کے اقتدار میں کندھے سے کندھا ملا کر اللہ کی بندگی کی مشن کرتا ہے تاکہ اہل ایمان اپنی زندگی میں اس اجتماعیت کے عادی

بن سکیں، وہ ان تمام عادات و اطوار، اقوال و اعمال اور جنبدات و خیالات کو پروان چڑھاتا ہے اور ان کی تاکید و تلقین کرتا ہے جو ایک انسان کو دوسرا سے انسان سے حب و نسبت نہیں، ان میں محبت پیدا کرتے اور انہیں ایک امت بناتے ہیں اور ان تمام بالتوں اور کاموں اور قلبی رجحانات سے سختی کے ساتھ روکتا ہے جو تعلقات کو بگھاڑتے اور ناصاقی کا سی حد تک بھی باعث بننے ہیں۔ پھر وہ صراحت کرتا ہے کہ حق باطل کی کشمکش میں اطاعت امر بھی فیصلہ کن مقام رکھتا ہے اور اگر اس کے تقاضے پورے نہ کیے گئے تو اب حق پر ہونے کے باوجود اہل باطل کے ہاتھوں مات کھا سکتے ہیں۔

پھر جیسا کہ عرض کیا جا چکا اجتماعیت بھیر کی طرح جمع ہونے کا نام نہیں ہے۔ اجتماعیت، نظم، ڈسپلن اور املاعات امر کا نام ہے، ان اوصاف کے بغیر اجتماعیت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا اور اسلام کی اجتماعیت تو اور بھی بلند ہے، دنیا کے دوسرے نظام خارجی اصلاح چاہتے ہیں اس لیے وہ دلوں کی اجتماعیت کے بجائے خارجی اجتماعیت پر قناعت کر لیتے ہیں۔ پھر وہ زندگی کے کسی ایک گوشہ کو اپنی توجہات کا مرکز بناتے ہیں۔ اس لیے وہ مخصوص اوقات اور مخصوص کاموں میں اجتماعیت کے مظاہرے کو کافی سمجھتے ہیں اور اس کے بعد انسان کو آزاد چھوڑ دیتے ہیں۔ اسلام ناظہر و باطن دونوں کی اصلاح چاہتا ہے اس لیے وہ ظاہری اجتماعیت سے پہلے ضروری سمجھتا ہے کہ دلوں میں ہم آہنگی والفت پیدا ہو، ہر مومن دوسرے مومن سے محبت کرے، اس کا خیرخواہ ہو اور اس کے لیے وہی چاہے جو اپنے بے چاہتا ہو۔ پھر وہ چاہتا ہے کہ ہر مومن نظم کی پابندی دل و جان سے کرے۔ قلب کی ابہتائی گھرائیوں سے اپنے

اولی الامر کا تابع فرمان ہوا اور ہر چیز سے زیادہ اللہ و رسول اور اہل ایمان کے نظامِ اجتماعی کا وفادار و جان شاہر ہو۔ اور قرآن کے انفاظ میں تمام اہل ایمان ”بنیانِ مخصوص“ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ”جسید و احمد“ کے ماتندر ہو جائیں۔

پھر اسلام پوری زندگی پر محیط ہے اس لیے وہ چند اجتماعی منظاہروں پر راضی نہیں ہو سکتا، وہ مٹوس اور یہ وقتنی اجتماعی عیت چاہتا ہے، وہ ایک مومن کو دوسرے مومن سے ہر وقت مربوط دیکھنا چاہتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ کسی وقت بھی مسلم سوسائٹی اطاعت امر سے محرف نہ ہو پوری مسلم سوسائٹی وحدت میں تبدیل ہو جائے۔ یہ ہے اسلامی اجتماعی عیت۔ اور اگر آپ کو حق کی سر بلندی مطلوب ہے اور اسلام کے بنیادی تفاصیل پورے کرنا آپ کے پیش نظر ہے تو آپ کے لیے ضروری ہے سرگرمی عمل اور پیغم جد و جہد کے ساتھ ساتھ پوری طرح اس اجتماعی عیت کو بھی اختیار کریں اور رسمی اجتماعی کو خیر باد کرہے کہ حقیقی اجتماعی اوضاع کی لشون نما کی فکر میں لگ جائیں۔

تحقیک کے ان دونوں تفاضلوں کو آپ اسی وقت پورا کر سکتے ہیں کہ دینی جد و جہد اور اسلامی اجتماعی عیت کے سلسلے کے احکام آپ کے پیش نظر ہوں، اطاعت امر، نظم جماعت، حقوق العباد، اخلاق و معاملات و تعلقات کے سلسلے کے احکام کو خصوصیت سے مانتہ رکھیے اور ان پر بھلیک بھلیک عمل کیجیے کہ اسی طرح حقیقی اجتماعی عیت پیدا ہو سکتی ہے اور اس سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ آپ میں سے ہر شخص اپنی ذمہ داریوں کو بار بار یاد کرے، کتاب و سنت کا مطالعہ پورے شفقت و اہمیک اور عقیدت و محبت کے ساتھ رہنمائی وہدایت کے لیے کرے۔ اطاعت خدا و رسول میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرے۔ اللہ کی یاد اور آنحضرت کی یاد سے اپنے دلوں کو معمور کرے اور اپنی

زبان کو ذکر الہی سے ترک کئے کہ بھی چیزیں اس راہ کا حقیقی تو شہ اور ضروری سامان حفر ہیں اور ان کے بغیر اس راہ میں صحیح طور پر ایک قدم بھی نہیں اٹھایا جاسکتا۔

آخر پیس میں اپنے رفقا کو ایک خطناک حقیقت سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ آج

ترین پر اربوں انسان بنتے ہیں، ان کی زندگیاں اپ کے سامنے ہیں۔ فلم، فناد، فنر، کفر و شرک، الحاد، بربریت، بہبیت، بے جیانی، و اخلاق فروشنی اور مکروہ فریب کی گرم بازاری جیسی کچھ اس دور میں ہے غاباً کبھی نہ ہوئی ہوگی۔ اب ذرا میدانِ حشر کو تصور میں لائیے۔ سب لوگ رب العالمین کے حضور کاظمے اپنے اعمال کی جواہر ہی میں معروف ہیں، اس دوسرے انسان سپیش ہوتے ہیں، سخت ترین جرام کے منکب اور سخت ترین سزا کے مستحق، کیا یہ لوگ یہ نہ کہہ سکیں گے کہ پروردگار ہم انتہائی قصور و اسر ہیں لیکن ہم کیا کہتے ہمارے سامنے ایمان کی روشنی نہ تھی ہم صلاح و فلاح کا قانون نہ جانتے تھے۔ بھیں اخلاق و نیک عمل کی خبر نہ تھی۔ جو لوگ تیرا قانون اپنے پاس رکھتے تھے، انہوں نے ہم نک اس قانون کو نہیں پہنچایا اور تر ان کی زندگی اور ان کی سرگرمیوں سے ہم اس قانون کو جان سکے۔ وہ تو انہیں بد اعمالیوں، بد اخلاقیوں اور انہیں نظریات و افکار کا تنکار تھے جن کا ہم شکار تھے۔ پھر ہم کیسے جلتے کہ تیرا دین کیا ہے اور اس پر کیسے عمل ہوتا ہے اپ کا کیا خیال ہے؟ کیا اس کے بعد شہدار علی انساں ہونے کے لحاظ میں ملاؤں سے باز پرس نہ ہوگی؟ یہ باز پرس اگر ہوئی تو عامہ مسلمین یہ عذر ریشیں کر سکیں گے کہ بارا الہا ہمیں تیرے دین کا صحیح علم حاصل نہ تھا کہ ہم اس پر عمل کرتے اور اسے دوسروں تک پہنچاتے، ہمارے علماء اور ہمارے مذہبی و سیاسی پیشواؤں نے ہمیں اس علم سے محروم رکھا اس لیے ہم سے زیادہ ان سے باز پرس ہوئی چاہیے اور ہماری کوتا ہیوں میں جتنا ان کا

حصہ ہے اتنی سزا انھیں بھی ملنی چاہیے۔ آپ اگر یوہنی سوچتے جائیں تو یہ سلسلہ ان لوگوں پر آگزخت ہو گا جبھیں دین کے تقاضوں کا بخوبی علم تھا اور جسموں نے شکوہ یکسوئی کے ساتھ پورے دین پر عمل کرنے اس کی دعوت دینے اور اسے قائم کرنے کا عہد کیا تھا کیونکہ یہی پوری زمین کا نک تھے۔ اس اندھیری نگری میں یہی روشنی کا چراغ نئے حق کا بیش بہا سرمایہ اپنی اصل شکل میں انھیں کے پاس محفوظ تھا اور اس کی ذمہ داریاں ان پر آشکارا تھیں اور انھوں نے اس کام کے لیے اپنے آپ کو نذر کر دینے کا مضموم عزم کیا تھا۔ اب اگر اس مختصر سے گروہ نے دنیا کی ہوناک اور ہمہ گیر بگاڑ کو سامنے رکھ کر اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی ان تھک کوشش کی تھی۔ اگر اس نے حق کا پیغام پہنچانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ اگر اس نے اطاعت حق اور شہادت حق کا حق ادا کرنے کی پیغمبر جدوجہد کی تھی اور اگر اس نے وہ سب کچھ کردار اختاب جو وہ کر سکتا تھا تو وہ گروہ عند اللہ بری الذمہ اور مستحق اجر ہو گا اور دنیا اپنی کوتا ہیوں پر پچڑی جائے گی۔ لیکن اگر اس مختصر سے گروہ نے بھی شہادت حق کا حق ادا نہ کیا اور دنیا یوں ہی بھٹکی رہی تو آپ خود ہی فیصلہ کیجیے کہ کیا دنیا کی ضلالت و مگرائی کی سب سے زیادہ ذمہ داری اسی گروہ پر نہ آئے گی؟ پھر آپ سوچیے کہ کیا کسی انسانی گروہ میں بھی اس بارگراں کو اٹھاتے کی سکت ہے۔ کیا اس کی اپنی کوتا ہیاں اور لغزشیں جوابدہ ہی کے لیے کچھ کم ہیں جو اتنی وسیع دنیا نے انسانیت کے کفر و شرک، فسق وال حاد اور ظلم و فساد کی جوابدہ ہی اس کے سر آئے؟ — یقین جانیے وہ مختصر گروہ آپ ہی ہیں۔ وہ آپ ہی ہیں جبھیں اس دورِ ضلالت و جہالت میں اللہ کے فضل سے دین کے تقاضوں کا بخوبی علم ہے اور وہ آپ ہی ہیں جبھیں اللہ نے توفیق دی

ہے کہ اس کی کامل بندگی اور اس کے دین کی دعوت و اقامت کا سفر و شناز عہد
کریں تو کیا اس عہد کی ذمہ داریاں آپ کو یاد رہتی ہیں، کیا روزِ جزا کی جواب دہتی کا
یہ ہونا کل نعمت آپ کی نظر و میں بار بار آتا ہے اور کیا آپ نے ان علمی مہونا کیوں
سے پچھنے کے لیے خاطر خواہ تدا بیر اختری کر لی ہیں؟ آئیے اس "کل" کے سچا وَ سے لیجے کچ
کام تمام سروایہم لگا دیں اور دائی مُتقبل کی بخات و فلاح کے لیے اپنا سب کچھ کپا
دیں۔ کہ مہلتِ محروم ہے اور کام بہت اور ہماری زندگی کا انجام نہایت خطرناک
ہے یا انتہائی مسرتِ انگریز! وَ لَتَنْظُرُ نَفْسَنَّ مَا قَدَّمَتْ لِعَدِّ!

آپ ہیں کچھ بانیں اپنے ان دوستوں سے کہنا چاہتا ہوں جو جماعت کے رکن
نہیں ہیں اس سلسلہ میں سب سے پہلے ہمارے سامنے ہم در آتے ہیں جو تم سے پوری
طرح متفق ہیں اور ہمارا کام بھی کر رہے ہیں مگر اپنے آپ کو جماعت کے حوالے
نہیں کرتے۔ ان کا خیال ہے کہ اصل چیز کام ہے اور وہ ہو ہی رہا ہے تو جماعت میں
شامل ہونا کیا ضرور ہے۔ میں ان سے عرض کروں گا کہ اسلام اجتماعیت کا طالب ہے
اور اجتماعیت کا جو مفہوم ہے وہ اس سے پہلے عرض کیا جا چکا ہے اس لیے آپ اجتماعی
زندگی اختیار نہ کر کے اسلام کے ایک اہم مطابق کو فراہوش کر رہے ہیں اور دین کے
ایک بنیادی تناظر سے دانستہ صرفِ نظر کر رہے ہیں۔ آخر یہ حراثت آپ کس طرح
کر رہے ہیں ہے بعض ہمدرد خیال کرتے ہیں کہ ان میں کچھ خامیاں ہیں اس لیے بہتر
یہی ہے کہ وہ نظمِ جماعت سے علیحدہ رہیں۔ میں ایسے دوستوں سے عرض کروں گا کہ
اجتماعی زندگی سے فرار کے لیے یہ عذر صحیح نہیں ہے۔ خامیاں اگر بنیادی ہیں تو
انھیں فوراً دور کیجیے۔ جماعت میں داخل ہونے نہ ہونے سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

وہ تو اپ کو مسلمان ہونے کی حیثیت سے دُور کرنا ہی ہیں اور فوراً دُور کرنا ہیں کیونکہ ہم میں سے کسی کو نہیں معلوم کہ اس کی مہلت عمر کب تک ہے اور کب وہ اچانک ختم ہو جائے۔ اس لیے ان خرابیوں کو عذر بنانے کے بجائے ان کو دُور کر کے اجتماعی زندگی اختیار کیجیے اور اگر وہ جزوی خرابیاں ہیں تو وہ اجتماعی زندگی اختیار کرنے میں مانع نہیں ہیں۔ یہ دائرہ کاملین کا دائرہ نہیں ہے کہ تمام خابیوں سے پاک ہو کر انسان اس میں شامل ہو سکتا ہو، ہم میں سے ہر شخص ناقص ہے اور ہم نے یہ اجتماعیت اختیار ہی اس لیے کی ہے کہ ہم مل جل کر ایک دوسرے کی خامیاں دُور کر سکیں۔ آپ بھی اس سے فائدہ اٹھایئے۔ یہ باتیں میں صرف ان لوگوں سے عرض کر رہا ہوں جو جماعت کی ہر ہر بات سے پوری طرح منتفع ہیں، اس کے لیے کام کرنا چاہتے ہیں اور کر رہے ہیں۔ میں ان پر اجتماعی زندگی کی اہمیت واضح کر رہا ہوں، میں عام طور پر جماعت میں داخل ہونے کی دعوت نہیں دے رہا ہوں۔

پھر کچھ ایسے دوست بھی موجود ہیں کہ جو ہم سے اتفاق رکھتے ہیں لیکن یہ اتفاق زبانی حدود سے نکل کر عمل کی دنیا تک نہیں پہنچ سکا ہے۔ میں ایسے دوستوں سے پوچھتا ہوں کہ اگر کرنے کا کام بھی ہے تو پھر اس کے کرنے کا وقت کب آئے گا؟ کیا اس وقت کے علاالت آپ کو عمل پر ابھارتے کے لیے کافی نہیں ہے کیا ہر سوچی ہوئی تاریکی آپ کو دعوتِ صنیا پاشی نہیں دیتی ہے کیا مگر ابھی کا شدید تسلط آپ کے احساں ذمہ داری کو بیدار نہیں کرنا۔ ہے کیا آپ اس وقت کام کا حوصلہ فرمائیں گے جب کام کا زمانہ ختم ہو جائے گا؟ ہے کیا آپ کی حق پرستی اس وقت جوش میں آئے گی جب باطل کا تسلط مکمل ہو جائے گا؟ ہے کیا آپ اپنی اور دنیا کی اصلاح کی فکر اس وقت فرمائیں گے جب دنیا

تبہی کی نذر ہو جکی ہوگی اور اس کے ساتھ آپ بھی؟ کیا آپ کو اس کا انذیرت نہیں کہ آپ کی سہل انگاری کہیں آپ کی مہلت عمل اور مہلت عمر کو ہمیشہ کے لیے ختم نہ کرے؟ برائے خدا سوچیے کہ آپ کا یہ روایت کہاں تک آپ کے لیے صحیح ہے اور آپ ما تھے پر بالآخر دھرمے آخر کس دن کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ براہ کرم تحریک کو پھر تجھیے، اس کی ذمہ داریوں کو اچھی طرح ذہن نشین کیجیے۔ کتاب و سنت کا گرامطا لعہ کیجیے اور ان سے اسلام واپسی کے تقاضوں کو معلوم کیجیے، اور اپنے عزم و ایمان کو مستحکم کر کے دین کے اعلاء کے کام میں لگ جائیے۔

کچھ ایسے دوست بھی ہیں جو تلاشی حق میں یہاں آئے ہیں، ہم ان کے اس جذبہ کی قدر کرتے ہیں، ہم ان سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ صرف اسی اجتماع کو کافی نہ سمجھیں۔ ہمیں سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہمارے طریقہ کا بغور مطالعہ کیا جائے۔ اسے پڑھے بغیر تحریک کو عظیم سمجھنا مشکل ہے۔ میں ان سے یہ بھی عرض کروں گا کہ وہ اس معاملہ میں نیادہ مدت نہ لگائیں۔ اپنی پہلی فرصت میں اس کام سے فارغ ہوں۔ زمانہ کی رفتار بہت تیز ہے، حالات بڑی سرعت کے ساتھ بدلتے ہیں۔ پتہ نہیں کہ تک حالات کام کرنے کا موقع دیں۔ اس لیے بہتر ہے کہ آپ جلد اپنا مقام تعین کریں۔ اس مطالعہ کے بعد اگر آپ ہم سے پوری طرح متفق نہ ہو سکیں یا ہماری خامیوں کی بناء پر اعتماد نہ کر سکیں تو ہماری مخلصانہ درخواست یہ ہے کہ آپ دل شکست یا برا فروختہ ہو کر نہ بیٹھو رہیں، اپنے طور پر دین کے کام کو انجام دینے میں سرگرمی سے لگ جائیں۔ ہماری خامیوں اور غلبیوں سے آپ کی ذمہ داریاں تو کم نہیں ہو جاتیں، بلکہ پچ پوچھیے تو کچھ بڑھ ہی جاتی ہیں۔

تحریک کے مخالفین سے ہم بڑے درد کے ساتھ یہ عرض کرنے پر مجبور ہیں کہ آپ مخالفت کی بنیاد سنی سنائی باتوں پر نہ رکھیں آپ غیر جانبداران تحقیق کے بعد ہی کوئی نہ رائے قائم کریں، اس کے بغیر مخالفت کی مہم کو لے کر چلنا سخت غیر ذمہ داران حرکت ہے اور ایک مومن کے مقام سے انتہائی گری ہوئی بات ہے۔ پھر یہ بات بھی بڑی غلط ہو گی کہ آپ تحریک کی مخالفت اس لیے کریں کہ وہ آپ کی مخصوص جماعتی حد بندیوں کو قبول نہیں کر رہی ہے یا آپ کے اکابر کے پیچھے پیچھے نہیں چل رہی ہے۔ حق اس سے بلند ہے کہ اس طرح کی باتوں کی بنیاد پر اسی مخالفت کی جائے — اور اگر آپ ان سب باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے مخالفت پر مصروف ہیں تو آپ سے آخری درخواست یہ ہے کہ دین جس طرح ہمارا ہے اس طرح آپ کا بھی ہے۔ موجودہ حالات میں یہ بالخصوص بڑی نصرت کا طالب ہے۔ آپ اس سلسلے کی اپنی ذمہ داریوں کو فراموش نہ کیجیے اور ہماری مخالفت میں کبھی کبھی یہ بھی سوچ بیا کیجیے کہ کہیں آپ اپنے محظوظ دین کے کاڑ کو نقشان تو نہیں پہنچا رہے ہیں۔

آخر میں اپنے غیر مسلم دوستوں سے انتہائی خلوص کے ساتھ یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اسلام کسی خاص قوم کی میراث نہیں ہے۔ وہ اپنے جیب و دام میں ایسی ارزی وابدی صداقتیں رکھتا ہے جن کا کسی فرقہ اور کسی ملک سے کوئی مخصوص تعلق نہیں ہے۔ وہ سب کے لیے یکساں معین اور یکساں نجات بخش ہیں۔ ہم نے اپنے لٹریچر میں یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان صداقتوں سے اچھے ہم کس طرح بہرہ اندوز ہو سکتے ہیں اور کس طرح ان سے ہمارے ابھی ہوئے مسائل ملبوس سکتے ہیں۔ آپ ہماری اس دعوت کا غور و فکر کے۔ اتنے بعد العکر کریں اور اگر وہ صحیح معلوم ہو تو اس لیے

نہ مٹکر ادیں کہ مسلمان اسلام کا نام لیتے ہیں اور آپ کو ان سے شکایات ہیں آپ اگر مسلمان کی دشمنی میں ان فطری، انسانی اور ارزانی وابدی صداقتوں کا انکار کریں گے تو خود سوچیے نقسان آپ ہی کا تو ہو گا۔ اس سلسلے میں خود مسلمانوں کا انجام آپ کے لیے بڑا سبق آموز ہے، وہ اسی لیے ذات خواری اور ننا کامی سے دوچار ہو رہے ہیں کہ انھوں نے اسلام کی ذمہ داریوں کو فراہوش کر دیا اور اسلام کی دعوت کو عملًا قبول کرنے کے بجائے عام طور پر صرف اس کے نام کو کافی سمجھ دیا۔ مسلمان مخصوص حالات کی بناء پر اس وقت ملک میں کوئی اہم پارٹ ادا کرنے کے قابل نہیں ہیں، لیکن آپ حضرات کو خدا نے موقع دیا ہے کہ آپ ملک کی اصلاح اور خدمت کے لیے سب کچھ کر سکتے ہیں، اس چیز نے آپ کے کاندھوں پر ذمہ داریوں کا بہت بڑا بوجھ ڈال دیا ہے۔ آپ ان ذمہ داریوں کو اچھی طرح محسوس فرمائیں اور ملک کی بخات اور دنیا کی سیچ رہنمائی کے لیے کمربستہ ہو جائیں۔ اس سلسلے میں اگر آپ محسوس کرتے ہیں کہ ہمارا پروگرام آپ کے لیے مفید ثابت ہو سکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ آپ اس سے فائدہ نہ اٹھائیں اور ہمارے ساتھ تعاون نہ کریں۔

وَآخِرُ دُعَاٰنَا إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

مولانا کی تقریر تقریباً سوا پانچ بجے تک جاری رہی۔ اس کے بعد تجاویز اور مشوروں کا پروگرام تھا۔ اس پروگرام کو شروع کرتے ہوئے جناب امیر جماعتؒ فرمایا: محترم رفقاء! اس نشست میں مولانا حامد علی صاحب کی تقریر کے بعد اب تجاویز پر غور ہو رہا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ اس مرتبہ رفقاء نے اس طرف کافی توجہ کی ہے

جس کی وجہ سے تجاویز کافی تعداد میں موصول ہونی ہیں مگر قلتِ وقت کی وجہ سے ان سب تجاویز پر اس وقت غور نہ ہو سکے گا۔

ان تجاویز میں سے بعض کو مشورے کی صورت میں نوٹ کریا گیا ہے۔ ان پر غور اور عمل کیا جائے گا۔ بعض تجاویز کو کچھ زیادہ اہمیت حاصل ہے اور اس وقت غور و خوض کرنے کا زیادہ موقع نہیں ہے۔ اس لیے میں ان کو مناسب وقت کے لیے اٹھا رکھوں گا۔ باقی تجاویز کو میں ایک ایک کر کے پڑھنا جاؤں گا اور اس کے سلسلے میں اپنا خیال ظاہر کرتا جاؤں گا۔ وقت کی کمی کے باعث عام بحث و تجھیں کا موقع نہیں ہے۔ البتہ اگر مجازیاً کوئی اور صاحب میرے اٹھا رخیال کے بعد کچھ فرمانا چاہیں تو وہ فرماسکتے ہیں۔

اس کے بعد تجاویز اور مشورے پیش ہونے شروع ہوتے۔ ایک ایک تجویز پڑھی جاتی اور امیرِ جماعت اس کے بارے میں اپنی رائے کا اٹھا رفماتے جاتے۔ تجاویز کا یہ پروگرام ابھی چل ہی رہا تھا اور اس دوران میں کچھ تجاویز پیش ہو چکی تھیں کہ زنانہ اجتماع کی وجہ سے اس پروگرام کو ملتوی کرنا پڑتا۔ اس دوران میں جو تجاویز پیش ہو سکی تھیں ان کو ہم یہاں درج کرنے کے بجائے تجاویز کے اگلے پروگرام میں درج کریں گے ناکہ تسلسل قائم رہے۔

خواتین سے خطاب

اس اجتماع میں شرکت کے لیے باہر سے بھی خواتین ایک معتقد بر تعداد میں

آئی ہوئی تھیں اور مقامی خواتین بھی بالہموم سود و سوکی تعداد میں شریک اجتماع ہوا کرتی تھیں، ان کے پروگرام کی نواعتی یہ تھی کہ وہ عام اجتماع کی کارروائیوں میں اپنی نشست گاہ میں بیٹھ کر شرکت کرتی تھیں جو اجتماع گاہ سے بالکل ملحت تھی اور جہاں وہ اپنے کی آواز بخوبی سنتا فی دیتی تھی۔ اور جو پروگرام ان کے لیے زیادہ مفید نہیں ہوا کرتے تھے، ان کے اوقات میں ان کا الگ پروگرام ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ اس کے مطابق ان کے لیے آج ایک خصوصی پروگرام مولانا محمد ذکریا صاحب قدوسی شیعۃ التفسیر مظاہر العلوم سہارنپور کی تقریر کا رکھا گیا۔ مولانا کی تقریر حسب پروگرام ان کی خصوصی اجتماع گاہ میں شروع ہوئی تیکن تھوڑی دیر کی تقریر کے بعد یہ محسوس ہوا کہ مولانا کی آوازا لوڈ اپنے کی مدد کے بغیر تمام خواتین تک پہنچ رہی ہے اس لیے ناظم اجتماع نے امیرِ جماعت کو اس مشکل کی طرف توجہ دلاتے ہوئے خواہش کی کہ تھوڑی دیر کے لیے لا اؤڈا اپنے کر کے حوالہ کر دیا جائے۔ اس پر امیرِ جماعت نے رفقا کے مشورے سے یہ طے کیا کہ مولانا اجتماع گاہ میں تشریف لائے اس پر تقریر فرمائیں اور بجاویز کی کارروائی کیلئے کے لیے ملتوی کردی جائے تاکہ مولانا کی تقریر کو سب خواتین سن سکیں۔ نیز دوسرے لوگ بھی مستفید ہو سکیں۔ اس کے بعد مولانا اجتماع گاہ میں تشریف لائے اور اپنی تقریر کو جاری رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”ایک مسلمان عورت کے لیے ضروری ہے کہ پردوے کے سلسلے

میں جو احکام اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیے ہیں ان کا پورا خیال رکھئے۔“ اس مضمون میں آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مثال پیش فرمائی۔ آپ نے بتایا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کی محترم الہیہ اور مسلمانوں کی ماں تھیں ان کے بارے میں کوئی مسلمان کسی طرح کا بجا خیال دل میں لا بھی نہیں سکتا تھا لیکن وہ پر دے کا پورا اہتمام فرماتی تھیں آپ دین کے علم میں بہت سے مرد صحابیوں سے آگئے تھیں۔ اس وجہ سے بہت سے مرد آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور مختلف مسائل پوچھتے، لیکن آپ نہ تو سامنے آتیں اور نہ براہ راست ان کی باتوں کا جواب دیتیں۔ پر دے کے پیچے بیٹھ جاتیں اور اپنے بھائی عبد اللہ بن زبیرؓ کو واسطہ بنا تھیں۔ پوچھنے والا اپنی صاحبین کو عبد اللہ بن زبیرؓ سے بیان کرتا اور وہ حضر عائشہؓ سے عرض کرتے اور پھر حضرت عائشہؓ نے جو کچھ فرماتیں عبد اللہ بن زبیرؓ اس سے پوچھنے والے کو آگاہ فرمادیتے۔“

اس کے بعد مولانا نے پورے زور کے ساتھ فرمایا کہ :

”عورتوں کو دین کا علم زیادہ سے زیادہ حاصل کرنا چاہیے تاکہ وہ اللہ کی مرضی پر چل سکیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کر سکیں۔ اس سلسلہ میں آپ نے صحابیات عظام ازدواج مطرداً بالخصوص حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا کی مثالیں سامنے رکھیں کہ اس طرح ایک مسلمان عورت گھر کی ذمہ داریوں کو پورا کرتے ہوئے بھی دین کا زیادہ سے زیادہ علم حاصل کر سکتی ہے بلکہ اس میں میں بہت سے مردوں سے بھی سبقت لے جا سکتی ہے۔ آپ نے اس صحن میں عورتوں کو اپنی اولاد کی صحیح تربیت کی طرف بھی متوجہ کیا۔

آخر میں آپ نے مردوں کو مخاطب کرتے ہوئے ان کی ذمہ داریاں یاد دلائیں۔ آپ نے فرمایا کہ آپ پر عورتوں کا صرف روٹی کپڑا نہیں ہے بلکہ یہ بھی آپ کی ذمہ داری ہے اور ان کا آپ پر حنف ہے کہ آپ انھیں دین کا علم سکھائیں اور اگر آپ نے اس میں کونا ہی کی تو آپ کی اولاد غیر اسلامی روشنی پر آٹھے گی اور آپ سے باز پرس ہوگی۔“

عصر کے بعد اجتماع کے سلسلہ میں درسگاہ کے بچوں کی طرف سے تفسیحی پروگرام پیش کیا گیا۔ اس میں قراءت تھی، تلمیں تھیں، تقریریں تھیں، مشاعرہ تھا، ہندی، انگریزی، عربی اور اردو مکالمے تھے۔ اسلامی ڈرامے اور خاموش تقریر تھی۔

اس پروگرام کے اکثر حصتوں کو عام طور سے لوگوں نے پسند کیا اور سراہا۔

نوت : نشست پنجیم :— مولانا جبیب اللہ صاحب بہادر اور سید حامد حسین صاحب کی تقریروں کے لیے دیکھیے؛ ”امن کس طرح قائم ہو سکتا ہے؟“

۱۹۵۴ء میں اپریل ۲۲

بروزیک شنبہ

صبح کو نماز فجر کے بعد مولانا صدر الدین صاحب اصلاحی نے درس کلام پاگ دیا جو حسب ذیل ہے :-

سورہ آل عمران کی آیات (۹۷ تا ۱۰۶) کا ترجمہ پیش کرنے کے بعد ان کے خاص نکات کی تشریح کی گئی۔

حضرات! ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے وہ ساری اصولی ہدایات بیان فرمادی ہیں جن پر امت مسلمہ کی اصل ہستی موقوف ہے، وہ امت مسلمہ جس کا جز ہونے کا ہمیں شرف حاصل ہے۔ آئیے دیکھیں یہ اصولی ہدایات کیا ہیں اور پھر اس کا بھی جائزہ لیں کہ اُچ ہماری ملی زندگی کی اساس کہاں تک ان اصولوں پر قائم ہے۔

ان آیتوں میں ہمیں ملتِ اسلامیہ کی تین اصولی بنیادیں ملی ہیں، اور تین کی تینوں عجیب طریقی کی حامل ہیں :-

(۱) پہلی بنیاد جس پر اس ملت کی ہستی صورت وجود پاتی ہے، تقویٰ ہے۔ تقویٰ نام ہے اللہ جل شانہ کی ناخوشندی سے ڈرتے اور بیکثت رہتے کا۔ یہ بات ہر مسلمان جانتا ہے کہ ہمارا آقا و مولیٰ ناخوش کب ہوتا ہے۔ اس نے کچھ باتوں کے کرنے کا حکم دیا ہے ان کو اگر نہ کیجیے تو وہ ناراض ہو جاتا ہے، اسی طرح اس نے کچھ باتوں سے روکا ہے، ان کے قریب جائیجے تو اس کی ننگا ہیں غضب الود ہو جاتی ہیں۔ پس جب اس نے ارشاد فرمایا کہ ”اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کے اواام اور نواب کا

لحواظ کرو۔ معلوم ہوا کہ مومن کی زندگی آزاد اور بے قید نہیں ہے کہ جو چاہا سوچ لیا، جو جی میں آباطے کریا، جدھر رخ کیا چل پڑے، جو رویہ زندگی چاہا اختیار کریا اور جن کاموں سے مرکنا چاہا رک رہے، نہیں، مومن اگر ہے تو یہ آزادیاں ختم ہو گئیں۔ کل تک وہ صرور آزاد تھا مگر اب تو وہ خود گرفتار بن چکا ہے۔ یاد رکھیے مومن کی زندگی یعنی میری اور آپ کی زندگی غلامی سے متروع ہوتی ہے، سخت ترین بندشوں میں جکٹی ہوئی آگے کو سفر کرتی ہے اور ان ہی حدود و قیود میں ختم ہو جاتی ہے۔ ذرا اپنے کو دیکھتے چلیے کہ آپ کی زندگی کہاں تک مطابقت کھاتی ہے۔ قرآن کی اس مطلوبہ ایمانی زندگی سے۔ بہرحال یہ ایک الگ سوال ہے جس پر غور کرتے رہیے گا۔ سردست مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ امتِ مسلمہ کے ایک ایک فرد کو ایسا ہونا چاہیے۔ یہ اس کے پروردگار کا حکم ہے۔

(۲) اس کے بعد اس ملت کے وجود کے لیے قرآن جو دوسری بنیاد پیش کرتا ہے وہ اعظام بحیل اللہ ہے جس کا آپ آسان زبان میں لفظ اتحاد سے ترجمہ کر سکتے ہیں میں نے قصداً اس لفظ کے استعمال سے احتراز کیا ہے۔ اس لیے کہ اولاً تو یہ اعظام بحیل اللہ کا پورا ترجمہ نہیں ہے اور اگر تھوڑا بہت ہے بھی تو اہل جہان نے اپنے حُدُج مکروہ استعمالات سے اس لفظ کی عصمت سخت محروح کر دی ہے، اور کیا عرض کروں کہ خود اہل اسلام کے بیہان بھی اس کا حال کچھ اچھا نہیں ہے۔ آج افراد کے ہر اس اجتماع کو مبارک اتحاد کہہ دیا جاتا ہے جو کسی بھی ظلم، فسق، غارت گری اور رخوں بریزی کے لیے کیا جائے۔ حاشاک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مجرد اس طرح کے کسی اجتماع کا حکم دیا ہے۔ وہ کسی بھی اجتماع اور اتحاد کو محدود نہیں ٹھیک رکتا۔ سو اے اس اتحاد کے جو جل اللہ کے ذریعہ ہو جس میں نقطہ اشتراک قرآن ہو، جس کی غرض و غایبت دین حق کی اطاعت

حمایت ہو۔ ضرورت ہے کہ قرآن کے نام لیوا اس نکتہ کو اچھی طرح سمجھ لیں اور پانے اتحاد و اتفاق کی اس طرف نوعیت کو گرہ کر لیں اور بیاد رکھیں کہ انھیں باہم جوڑنے والی کوئی اور شے نہیں ہو سکتی۔ لاریب قومیت، وطنیت، نسلیت، رنگ اور زبان وہ روابط ہیں جو آج اقمام عالم کو متحد کر رہے ہیں، مگر ایمان کی فطرت ان میں سے کسی بھی رابطے کو تسلیم نہیں کر سکتی۔ کوئی مومن گروہ ان رابطوں کے ذرائع نہیں جوڑ سکتا اور اگر جوڑنے کی کوشش کرے گا تو اپنی فطرت سے بغاوت کرے گا، نیچجہ یہ ہو گا کہ یا تو وہ اس میں سراسزا کام رہے گا یا پھر اپنے ان امتیازات اور شخصیات کو کھودے گا جن کے بغیر امت مسلمہ امت مسلمہ نہیں۔ آج ہم مسلمانوں کے یہاں بھی اتحاد کا عوغا بپا ہے، پرانسوں اعتضام بجبل اللہ کی صدائیں سنتے میں نہیں آتیں اور اگر آتی بھی ہیں تو صحرائیں گم ہو کر رہ جاتی ہیں۔

(۳) تیسرا چیز جو ملت اسلامی کی بنیاد کی آخری اینٹ ہے، معروف کا حکم کرنا اور منکر سے روکنا ہے۔ میں اس وقت معروف اور منکر کی تشریع میں نہیں جانا چاہتا۔ مخقریوں سمجھ لیجیے کہ جس دین کے احکام کو مومن اپنے عمل کے لیے اختیار کرتا ہے۔ اس کا فرض ہے کہ اسے دوسروں تک پہنچانے اور دوسروں کو اس کا تابع بنانے کی ان تھنک کوشش کرے۔ یہ اس کا فرض عین ہے، یہ اس کے ایمان کا فطری تقاضا اور امن کی علامت ہے۔ جس طرح کہ جھوٹے مسلمان کو یعنی منافق کی نشانی یہ ہے کہ وہ بُرائی بھلانی میں امتیاز کی کوئی ضرورت نہیں محسوس کرتا بلکہ اگر وقت کا تقاضا ہو تو بجاۓ معروف کے منکر کی تبلیغ کرنا اور بجاۓ منکر سے روکنے کے معروف سے روکنا ہے، قرآن و سنت کے ذخیرے اس امر کی تشریحات

سے بھرے پڑے ہیں کہ برائیوں کو کرنا اور پروان چڑھانا تو درکنار، اس کو برداشت کرنا بھی مومن کے لیے ممکن نہیں اور اگر کوئی شخص ایسا کرنا ہے تو خدا کے نزدیک اس کا ایمان قابل قبول نہیں۔

حضرات! یہ امر بالمعروف اور نہیں عن المثلک امتِ مسلم کے وجود و تقاضے کے لیے اسی طرح ضروری ہے جس طرح کسی جراغ کے روشن رہنے کے لیے تیل کا مسلسل پڑتے رہنا ضروری ہے۔ وقت نہیں کہ اس نکتہ کی مزید تشریح کی جائے۔

حیاتِ ایمانی و ملتی کے ان تینوں جو ہر دن کا ذکر ختم کرتے ہوئے قرآن نے جوبات ارشاد فرمائی ہے اس کو خوب ابھی طرح کان لگا کر سُن لیجیے۔ وہ کہتا ہے **كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجْتُ لِلشَّاءِ إِنَّمَا كُنْتُمْ تَرْكُونَ** گروہ ہو جو لوگوں کے لیے برپا کیا گیا ہے، یہ الفاظ امتِ مسلم کو اقوامِ عالم کی صفوں سے نکال کر ایک الگ مقام پر لاکھڑا کرتے ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان نامی گروہ دنیا کے تمام گروہوں سے مختلف ہے اس کا مقصد وجود سب سے جدا گاہ رکھے گئے ہیں، جن کا مخفق تذکرہ ابھی آپ نے سننا اور جن کی بابت میں عرض کر چکا ہوں کہ "وہ عجیب طریقی کے حامل ہیں" لفظ "آخر جلت" یعنی "برپا کیا گیا ہے" پر خوب غور کیجیے۔ یہ امت کوئی "خودرو" امت نہیں ہے جس طرح کہ تمام دنیا مختلف قسم کی خودرو ملتیوں سے بھری پڑی ہے بلکہ وہ ایک خاص مقصد کے تحت دنیا میں "میعوت" کی لگی ہے جس طرح کہ نبی مسیح ہوا کرتے تھے وہ مقدمہ کیا ہے جس کے لیے یہ ملت معرض وجود میں لانی لگی ہے؟ یہ وہی مقصد ہے جس کے لیے ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم میعوت

کیے گئے تھے، ان کے دنیا سے تشریفیں لے جانے کے بعد ان کی نام بیو امت ان کی قائم مقام ہے۔ فدائیہ امت غور کرے کہ وہ اس مقصد کو کہاں تک پادر کھے ہوئے ہے۔ وہ اپنی میتوثیت کی غایت کا کہاں تک احترام کر رہی ہے، وہ اپنے نبی کی قائم مقامی کا فرض کہاں تک ادا کر رہی ہے؟
یہ سلسلہ چھ بجکر ۴۰ منٹ پر ختم ہو گیا۔

ناشتبہ سے فارغ ہونے کے بعد جمیلی نشست کی تیاری شروع ہو گئی۔

نشست ششم

۳۰۔۷۔۲۰۰۷ء تک

یہ نشست بقیہ تجاویز کے پروگرام کے لیے تھی چنانچہ کل سہر کی طرح ایک ایک تجویز پیش ہوتی رہی اور امیر جماعت اس پر اٹھا رخیال فرماتے رہے دونوں نشستوں کی تجاویز کا پروگرام درج ذیل ہے۔

(۱) تحریک کی اشاعت کے لیے مقامی طور پر اردو ہندی اخبارات جاری کیے جائیں۔
امیر جماعت بینیہیں معلوم ہو اکس مقام کے رفقار کس طرح کا اخبار جاری کرنا چاہتے ہیں، خواہش کی حد تک تو یہ چیز صحیح ہے لیکن ہمارا خیال ہے کہ ہمارے رفقار بعض اوقات اپنے ذرائع وسائل کا صحیح اندازہ کیے بغیر اس فلم کے کام شروع کر دیتے ہیں اور اس طرح ان کو بجائے فائدہ کے لفستان انٹھانا پڑتا ہے۔ لوگ اپنے طور سے اس طرح کا کام ضرور کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر وہ شروع کرنے سے پہلے اس کے بارے میں مرکز سے مشورہ کر لیا کریں تو یہ جماعت کے لیے مفید ہو گا اور خود ان کے لیے بھی۔

(۲) مقامی امراء جماعت رفقا رکی آمد فی اور عشر کا حساب طلب کریں اور اخلاقی

طور پر مدد و دل کا بھی۔

امیر جماعت:- اب بات کی دیکھ بھال تو ضرور ہوئی چاہیے کہ لوگ باقاعدہ اپنی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں یا نہیں لیکن اگر اس تجویز کا منشاء یہ معلوم کرنا ہے کہ رفقا رکی اپنے یہاں کتنا غلہ یا آمد فی ہوئی توبہ خواہ مخواہ کی پابندی ہوگی۔ اس بارے میں ہمیں اپنے رفقا پر بھروسہ کرنا چاہیے اس معاملہ میں بہت زیادہ ضابط بندی صحیح نہیں ہے اگر اس پر کسی ضابط کے تحت عمل کرانے کی کوشش کی گئی تو انفاق فی سبیل اللہ کی جو روح ہے وہ ختم ہو جائے گی۔ میرے نزدیک یہ مناسب ہے کہ امراء جماعت رفقا رکی آمد جذبہ انفاق کو ابھارتے رہیں اور اس بات کا جائزہ لینتے رہیں کہ زکوٰۃ وغیرہ کی ادائیگی کے سلسلے میں رفقا رکی طریقہ اختیار کرتے ہیں؟

اس زمانہ میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ لوگ ایسے کاموں میں جن میں پیسے کا خرچ نہیں ہے، خوب دوڑ بھاگ کرتے ہیں اور جن کاموں میں پیسے خرچ کرنے کا سوال میدا ہوتا ہے وہاں بڑے بڑے لوگوں کے تقویٰ میں کمی محسوس ہوتی ہے۔

(۳) مقامی اہل ترقیق قرآن کے درس اور عالم دینی تعلیم کا بند و سبت کریں۔
امیر جماعت:- اس مشورہ سے کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا اس لیے رفقا رکی سے اس طرف متوجہ ہیں اس سلسلہ میں یہ بات ہمیشہ رفقا رکی کے پیش نظر ہنی چاہیے کہ دین کا اصل سرچشمہ کتاب و سنت ہیں اس لیے جس قدر ان کی طرف توجہ کی جائے گی، اتنی ہی مقصد میں کامیابی ہوگی۔

(۴) لکھنؤ میں مرکز کی طرف سے تقسیمی ادارہ قائم کیا جائے جو درس و تدریس

کے ذریعہ عوام و خواص کو مستفید بھی کرے۔

امیر جماعت: لکھنؤ کی مرکزیت کے پیش نظر اس کا امکان تھا کہ جب کسی جگہ نظم جماعت میں استقلال نہ ہو تو اس کا حوصلہ نہیں کیا جاسکتا، لکھنؤ میں ہمیشہ ایک بھرا فیضی کیفیت رہتی ہے۔ کبھی رفقار کی تعداد خاصی ہو جاتی ہے اور کبھی بہت ہی کم جیسا کہ قیمت صاحب کی صبح کی روپرٹ سے آپ کو معلوم ہوا نیز یہ کہ اس کے سلسلہ میں جو اسباب و وسائل ضروری ہیں ہمیں وہاں حاصل نہیں ہیں تاہم اگر کوئی مناسب عملی تجویز ساختے آئی تو اس پر غور کیا جاسکتا ہے۔

(۵) منوز کا معافہ بنا یا جائے اس کے لیے ضروری ہے کہ جہاں رفقار کی تعداد قابل لحاظ ہو ایک کالونی بنالیں۔

امیر جماعت: رفقار کے اندر مل جل کر رہتے کا جذبہ ایک اچھا جذبہ ہے لیکن اس میں ایک طرح کاغلو پایا جاتا ہے۔ یہ جذبہ فطری حد کے اندر اور رضاۓ الہی کے تحت ہی رہنا چاہیے۔ کالونی بنانا عملًا بھی دشوار ہے اور اس میں افادیت بھی زیادہ نہیں ہے۔ تبلیغی نظر سے بہتر یہی ہے کہ رفقار متفق و منتشر مقامات پر رہیں۔

(۶) حیدر آباد کے لیے ہر وقتو قیم یا نائب قیم کا قفر عمل میں لا یا جائے۔

امیر جماعت: یہ ہماری خواہش ضرور ہے کہ رفقار کو فکرِ معاش سے آزاد کریں تاکہ وہ اطمینان کے ساتھ دین کا کام کریں اور اس سلسلہ میں ہماری اب تک کی کوششوں سے آپ حضرات واقف بھی ہوں گے لیکن ایک پہلو سے میں اس کو حظرناک بھی سمجھتا ہوں۔ کیا خدا نخواستہ اس کا معاشر یہ تو نہیں ہے کہ

رفقاہ اپنا بوجھ دوسروں پر ڈالنا چاہتے ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک کو خود اپنی ذمہ داری محسوس کرنی چاہیے۔ اگر یہ جذبہ کا رفقاء رہا تو اندیشہ ہے کہ شخصی ... ذمہ داریاں جو موائعات کے باوجود ہیں ان سے عہدہ برآ ہوتے میں غفلت ہو ناگزیر معاشی مصروفیات کو برقرار رکھتے ہوئے جو کچھ کرنا ممکن ہے عند اللہ اس سے زیادہ کے ہم ذمہ دار نہیں ہیں۔

(۷) قمین اور امراء پر ہر ماہ دورہ لازم کیا جائے۔

امیر جماعت:- عام طور پر مجھے معلوم ہے کہ قمین حضرات بزرگ دور کرتے رہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ کسی حلقہ کے قیم حسب ضرورت دورے نہ کرتے ہوں، میں ان کو اس طرف متوجہ کرتا ہوں کہ ہر ماہ کم از کم ایک دو رہ فرزد رہوں چاہیے۔ لیکن اسی کے ساتھ میں رفقاء کو بھی اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ بعض صورتیں ایسی بھی پیش آسکتی ہیں کہ جب قمین جماعت کے دوسرے کاموں کی وجہ سے دورہ کرنے سے دو تین ماہ تک معذور رہیں تو اگر کسی واقعی عذر کی بنابر ایسا ہونوان کو مخدور ہی سمجھنا چاہیے۔

(۸) جماعتی کاموں میں تقسیم کا رکا اصول شدت سے ملحوظ رکھا جائے۔

امیر جماعت:- میں سمجھتا ہوں کہ اس تجویز کا منتظر غالباً یہ ہے کہ ایک مقام پر جو رفقاء رہتے ہوں صلاحیتوں کے لحاظ سے ان میں کام تقسیم کیے جائیں۔ یہ اصول بالکل ٹھیک ہے۔ اس کے مطابق عمل نہ ہونے پر بعض رفقاء پر تو کام کا بارزیادہ پڑھاتا ہے اور بعض کی صلاحیتوں کو نشوونما کا صحیح موقع ہی نہیں ملتا ہے۔ قمین اور مقامی امرا کو اس کا پورا خیال رکھنا چاہیے۔

(۹) ذمہ دار اصحاب جن رفقا کو نامناسب بتائیں انھیں نظم سے علیحدہ کر دیا جائے۔

امیر جماعت:- یہ چیز مرکز سے تعلق رکھتی ہے۔ رفقا کا مشورہ یا جاسکتا ہے مگر ضروری نہیں ہے کہ اس پر ہمیشہ عمل ہی کیا جائے۔ اخراج کا مسئلہ بہت اہم ہے۔ کسی رفیق کو اسی حالت میں جماعت سے خارج کر سکتے ہیں۔ جب اصلاح سے بالکل ہی نا امید ہو جائیں۔ رفقا جماعت مل کر ایک جسم بننے ہیں جس سے کسی عضو کا علیحدہ کرنا اسی وقت گوارا ہوتا ہے جبکہ اس کا مرض متندی ہو جائے۔ اس لیے ہم اخراج کو آخری چارہ کا کسے طور پر ہی اختیار کرتے ہیں۔

(۱۰) امیر جماعت اور قیم جماعت دورے کیا کریں۔

امیر جماعت:- یہ تجویز مناسب ہے۔ میری خواہش رہتی ہے کہ دور کروں اور موقع پر پہنچ کر صورتِ حالات کا جائزہ لوں لیکن اس میں بعض مواعظ ہیں جو شخصی نہیں بلکہ جماعتی ہیں۔ ادھر مرکز میں قیام کی ضرورت رہتی ہے اور ادھر دروں کی۔ اگر کوئی ایسی متعین صورت سامنے آئے کہ دونوں کام... خوش اسلوبی کے ساتھ ہو سکیں تو مرکز کے قیام کے ساتھ دورے کے فائدہ بھی حاصل کیے جا سکتے ہیں۔

بنحات اللہ صاحب صدیقی:- نائب امیر کا تقرر عمل میں لا یا جائے دونوں فائدے حاصل ہو سکتے ہیں۔

امیر جماعت:- اس تجویز پر کسی دورے مناسب موقع پر غور کیا جائے گا۔

(۱۱) حلقہ طفال کے لیے مرکز کے زیر نگرانی الگ الگ شعبے قائم ہوں اور خصوصی صلاحیت رکھنے والے رفقاء کو نگران بنایا جائے۔

امیر جماعت: - طفال سے مراد اگر نابالغ بچے ہیں تو ایسے بچے ہمارے سامنے نہیں ہیں جن کے بارے میں مرکز کی جانب سے ایسے حلقہ قائم کیے جائیں حلقہ رنسوائیں کا کام بھی ابھی اس پیمانہ پر نہیں ہے کہ مرکز کی جانب سے اس کا خالص انتظام کیا جائے۔ مقامی جماعتیں اس سلسلہ میں کچھ کرتی رہتی ہیں ابھی کو اس طرف مزید توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

(۱۲) بیت المال کے مصارف کے لیے مرکز شرعی طور پر پرستیج قائم کرے۔

امیر جماعت: - فرآن مجید میں تکوہ کے جو مصارف بیان کیے گئے ہیں۔

ضروری نہیں کہ ان سب میں مساوی طور پر زکوہ صرف ہو، امام اعظم کا فتویٰ ہے کہ کسی ایک مصرف کو ترجیح دی جا سکتی ہے۔ مقامی امرا جس معرف کو زیادہ ضروری سمجھیں اس میں زیادہ خرچ کریں۔ اس چیز کو ان ہی کی صوابید پر چھوڑ دینا چاہیے۔ (۱۳) جن حلقوں میں شدتماہی اور سماہی اجتماعات نہ ہوتے ہوں وہاں مرکزاً جماعات کرائے۔

امیر جماعت: - جہاں تک ممکن ہو اس قسم کے اجتماعات ہونے چاہیں۔ ہماری یہ نواہش ہے کہ مرکز سے کوئی صاحب ضرورت یک ہوں لیکن حلقہ والوں کو چاہیے کہ اپنی ذمہ داری محسوس کریں۔ ہر موقع پر مرکز ہی پر نگاہ رکھنا مناسب نہیں ہے۔

(۱۴) ایک ہفتہ وار یا سرروزہ انگریزی اخبار کا اجراء عمل میں لایا جائے۔

امیر جماعت: - انگریزی اخبار کے اجراء کی تجویز تو مناسب ہے لیکن بعض

عملی دشواریاں سد را ہیں۔ اس سلسلے میں اگر کوئی عملی شکل سپیش کی جائے تو زیادہ مناسب ہے۔ اور پھر ضرور غور کیا جائے گا۔

(۱۵) اخبار و رسائل کا اجراء انفرادی طور پر نہ ہو، جماعتی پلاننگ کے تحت ہو۔

امیر جماعت:- رفقار اگر اپنے طور پر اخبار یا رسالہ کا لسان چاہتے ہوں تو یہیں حق نہیں کہ ان کو روک دیں۔ ہاں اگر فہرچا ہیں تو ہم انھیں مشورے کے ساتھیں۔

(۱۶) کم قیمت، محقق اور رسائل حاضرہ پر مشتمل پر کوشش ہندی، انگریزی کتابوں کی اشاعت کی جائے۔

امیر جماعت:- اس کی اہمیت کے سپیش نظر ہم برابر کوشش کر رہے ہیں اور اس سلسلے میں کچھ کام کیا جا رہا ہے۔

(۱۷) لڑکوں کے ضروری حصتوں کا ہندی اور انگریزی میں ترجمہ کیا جائے۔

امیر جماعت:- اس سلسلے میں مرکز کی جانب سے کچھ نزکی کچھ کوشش ہوتی ہی رہی ہے لیکن اس میں بعض عملی دشواریاں ہیں اس وجہ سے حصہ ضرورت کام نہیں ہو رہا ہے۔

محمد یوسف صاحب صدیقی:- ایک صاحب اس سلسلے میں مالی اعتمانت کرنے کے لیے نیا رہیں۔

امیر جماعت:- دراصل ہمارے سامنے بڑی دشواریاں مایا تھیں سے متعلق رہی ہیں ورنہ خدا کے فضل سے ہمارے پاس ایسے صاحب صلاحیت کا رکن موجود ہیں جو اس کام کو حسن و خوبی کے ساتھ انجام دے سکتے ہیں۔ اگر اس طرف سے اطمینان ہو جائے تو انشا اللہ یہ کام خاطر خواہ طور پر کیا جا سکتا ہے۔

(۱۸) حالات و ضرورت کے مطابق نیا لٹریچر تیار کیا جائے اور اس کے لیے صاحبِ صلاحیت رفقاء کو فارغ کیا جائے۔

امیرِ جماعت:- یہ تجویز بہت معقول ہے۔ ہم خود اس کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں، مجلس شوریٰ کی رواداد سے آپ کو معلوم ہوا ہو گا کہ اس سلسلہ میں عملی کارروائی شروع کر دی گئی ہے، بعض رفقاء کی جزئی خدمات حاصل کری گئی ہیں لیکن رفقا کو چاہیے کہ وہ مرکز پر بار ڈان کر مطمئن نہ ہو جائیں، قلعے، سخنے، در ہئے، جس طرح ہو سکے مدد میں دریخ ن کریں۔

(۱۹) تلگی زبان میں لٹریچر تیار کیا جائے۔

امیرِ جماعت:- اس کام کے لیے حیدر آباد میں تلگی دارالاشاعت قائم ہے۔ محمد یونس صاحب اس کے ذمہ دار ہیں۔ اس سلسلہ میں کچھ کام ہو رہا ہے۔

(۲۰) ملکی زبان میں دعوت کے ساتھ سیرت پر ایک مختصر کتاب شائع کی جائے۔

امیرِ جماعت:- نہیں معلوم کہ ملکی زبان سے مجوز کی مراد کیا ہے۔ ہماری کوشش یہ ہے کہ ملک کی ہر زبان میں لٹریچر کی اشاعت ہو۔ ہمارے نزدیک ہندی میں سب سے زیادہ ضرورت نوجہہ کلام پاک گئی ہے۔ سیرت پر فی الحال کسی کتاب کا شائع کرنا مشکل تھا۔ اس پلے سیرت پر مولانا سلیمان شاہ منصور پوری کی کتاب جو ہندی میں ہے مکتبہ میں رکھی گئی ہے۔

(۲۱) ضروری امور کے متعلق سوالات قائم کر کے جوابات دئے جائیں اور ان کو کتابی شکل میں مرتب کیا جائے۔

امیرِ جماعت:- ہم یہ ضرور چاہتے ہیں کہ رفقاء کی ذہنی تربیت ہو مگر سوالات

وجوابات ترتیب دے کر لوگوں کو تیار کرنا فطری طریقہ نہیں ہے۔ لوگوں کے ذہن کو اس طرح تیار کرنا چاہیے کہ وہ کسی مضمون کی روح کو سمجھنے کی کوشش کریں اور سوال و جواب کے ذریعے یہ ممکن نہیں ہے۔ طریقہ کے مطابق کے نتیجے کے طور پر یا کسی ضرورت کے پیش آئے پر جو سوالات فی الواقع ذہن میں اٹھتے ہیں یا کچھ شہادت جو پیدا ہوتے ہیں ان کے جوابات کی واقعی صورت ہوتی ہے چنانچہ ضروری استفسارات کے ہم برابر جوابات دیتے ہیں۔ جن میں سے بعض "زندگی" میں بھی شائع ہوتے رہتے ہیں۔

(۲۲) "زندگی" کے اشارات بکھانی شائع کیے جائیں۔

امیر جماعت:- اس پر غور کیا جائے گا اور اگر مناسب سمجھا گیا تو اس کا اہتمام کیا جائے گا۔

(۲۳) ہندی تہجیہ جماعت کی روح سے واقف اور اس سے قلبی لگاؤ رکھنے والوں ہی سے کرنا چاہیے۔

امیر جماعت:- تجویز کی حیثیت سے اس پر بحث ایک علمی بحث ہو جائے گی۔ اس سلسلہ میں ہم نے اب جو انتظام کیا ہے وہ مجلسِشوریٰ کی کارروائی سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اور وہ بھی اسی قسم کا۔

(۲۴) طریقہ میں اشعار سے بچا جائے اور اشعار کے ذریعہ کی ترجیحانی کو روکا جائے۔ حق کی خدمت ہر جائز ذریعہ سے کی جاسکتی ہے اور اشعار کا تحوالہ جائز نہیں ہے البتہ ایعنی اور مبتدل اشعار سے اجتناب کی ضرورت ہے۔

(۲۵) ہر غیر کتاب قائدین، حکمران حضرت اور اسکوں کے ہیڈ مدرسین کو صحیح جائے۔

امیر جماعت:- یہ کام اگر مقامی جماعتیں کریں تو بہتر ہو گا کیونکہ مقامی رفقاء
بآسانی معلوم کر سکتے ہیں کہ کس کو کب، کونسی کتاب دینا مناسب ہو گا یہ کتنے بھی حسب موقع
ایسا کرتا ہے لیکن آپ کوہاڑ کی روپرٹ میں معلوم ہوا ہو گا کہ مولانا محمد شفیع داؤدی
نے اپنے انتقال کے وقت اپنے دوستوں (جن میں قائدین بھی تھے) اور اعزاز کو بطور صفت
دعوت پیش کی تھی اور ان کے پاس کتابیں بھیجنے کو کہا تھا۔ کتابیں بھی گئیں، جوابات
حوالہ افزائی تثابت ہوئے لیکن قائدین کی جانب سے جو جواب آیا وہ یہ نخا کر کتابیں
مل گئیں ان کو دیکھ لیا جائے گا۔ مولانا کو سلام عرض کر دیں۔

(۲۶) گجراتی زبان میں کتابیں شائع کی جائیں اور ایک اخبار بھی نکالا جائے۔
امیر جماعت:- گجراتی زبان میں لڑپر کی منتقلی کا سلسلہ شروع ہی سے ہمارے
سامنے رہا ہے چنانچہ گجراتی دارالاشرافت کا قیام عمل میں بھی اجھا تھا اور اس کے تحت کچھ
کتابوں کے ترجمے بھی شائع کیے جا چکے ہیں لیکن بد قسمتی سے ہمارے جو رفیق اس کام کے
اچارج تھے وہ مختلف مواعن اور مجبوروں کے تحت اب اس کام کو انجام دینے کے
قابل نہیں ہیں اور نہ سر دست ہمیں دوسرا کوئی ایسا رفیق مل سکا ہے جو اس کام کو
انجام دے سکے۔ اس لیے یہ کام فی الحال تقریباً معطل ہے لیکن کوشش جاری ہے
ممکن ہے آئندہ اس سلسلہ میں کچھ کام کیا جاسکے۔ گجراتی اخبار کا سلسلہ سر دست ہمارے
سامنے نہیں ہے کیونکہ اس کے صدوری اسنفلاتا سے ہم قادر ہیں۔ البتہ اگر کچھ رفقاء
ابے طور سے کوئی اخبار نکالنا چاہیں تو اس سلسلہ میں اپنی تجویز پیش کریں، اس پر غور
کرنے کے بعد ہر کوئی طرف سے اس کی اجازت دی جائے گی۔

(۲۷) کل ہند اجتماع کے موقع پر ممتاز علماء اور لیڈروں کو نشست کی خصوصی

دعوت دی جایا کرے۔ اس تجویز پر امیر جماعت نے علماء سے فرمی تعلق رکھنے والے دوسرے رفقا کو انہمار خیال کا کافی موقع یا چاہنا پڑا۔ اس سلسلہ میں مولانا صبغۃ اللہ صاحب بختیاری، مجید الدین صاحب الیونی، محب اللہ صاحب تدوی، حافظ عبدالتواب صاحب مولانا ضیا السنبی العباسی صاحب اور مولوی عبد القدر الاعظم صاحب عباسی نے اپنے تجویزات کی روشنی میں اظہار خیال کیا، اس کے بعد امیر جماعت نے فرمایا:-

امیر جماعت بـ مولوی عبد القدر صاحب نے تھیک کہا ہے کہ علماء کا مقام داعی کا تھا نہ یہ کہ خود ان کی خدمت میں بھی دعوت پیش کرنے کی فرمودت پیش آئے۔ بہرحال ہم حسب موقع دعوت دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس سال بچاں ساظھ حضرات علماء کی خدمت میں خصوصی دعوت نامے بھیج گئے ان میں سے دو قریب حضرات تشریف
اللہ ہیں اور اجتماع میں تشریک ہیں یعنی نئے محدث لکھ بھیجی بعض کی طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا، نہیں معلوم کہ انہوں نے اس پرسکوت اختیار فرمایا یا ہمارے خطوط ہی ان کو نہیں ملے، ہماری خواہش بھی ہے کہ وہ اس کام میں دلچسپی لیں، اس لیے ہم ان کو خصوصی دعوت دیتے ہیں۔

(۲۸) سالانہ اجتماعات کل ہند ہونے کے بجائے حلقة وار ہوں۔

امیر جماعت:- سالانہ اجتماعات کل ہند ہوں یا حلقة واری شکل ہی میں کریں جایا کریں یہ مسئلہ شوری کے موقع پر زیر غور آئے گا لیکن میں اس سلسلہ میں رفقا کی سرسری رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں تاکہ غور کرتے وقت آسانی ہو۔

اس کے بعد اس سلسلہ میں مولانا جلیل احسن صاحب ندوی، محمد عزیز صاحب الآبادی، حکیم محمد نعالد صاحب، مولوی محمد صدیق صاحب گوکھپوری، حافظ امام الدین صنا

رام نگری، پیران کلمہ صاحب، محی الدین صاحب یا یونی محمد ادریس شبلی صاحب
محمد بدر الاسلام صاحب مظفر پور بہار نے اپنے خیالات کا انٹھا رفیما یا۔

اس کے بعد امیر مخترم نے فرمایا کہ فیصلہ کے وقت ان مشوروں کو سامنے رکھا جائے گا۔

(۲۹) مسلمان بچوں کی ابتدائی تعلیم سے زیادہ دلچسپی لی جائے۔

امیر جماعت:- ہمارے نزدیک اس مسئلہ کی بڑی اہمیت ہے اس لیے
اس طرف کافی توجہ کی جا رہی ہے اس کے لیے شوریٰ کی رواداد ملاحظہ کی جائے۔

(۳۰) مرکزی درس گاہ کے بنوئے پر درس گاہیں اور مکاتب قائم ہوں۔

امیر جماعت:- اس سلسلہ میں شوریٰ کی رواداد ملاحظہ کی جائے۔

(۳۱) لڑکیوں کے لیے درس گاہ قائم کی جائے۔

امیر جماعت:- اس کی اہمیت اور ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

لیکن اس میں بعض مواد حائل ہیں اور بوجوہ یہ کام اور کاموں کی بہ نسبت زیادہ مشکل
ہے۔ رفتار خود اس طرف توجہ کریں۔

(۳۲) مکاتب کے لیے نصاب شناخت کیا جائے۔

امیر جماعت:- درس گاہ کی طرف سے اس کا اپنا نصاب شناخت ہو گیا

ہے۔ نیز ان مکاتب کے لیے نصاب بنایا گیا ہے جو ہمارے منظر اور بلکہ نصاب کو اپنائ سکتے ہیں۔

(۳۳) مکاتب کے لیے اساتذہ کی ٹریننگ کا انتظام کیا جائے۔

امیر جماعت:- اس مسئلہ پر غور کیا جا رہا ہے مرکزی روپورٹ میں اس کا ذکر اچکا ہے۔

(۳۴) امداد اور قمیں کو جلد تربیت گاہ میں بلا یا جائے۔

امیر جماعت:- جلد ہی اس کا اہتمام کیا جائے گا۔

(۳۵) تربیت گاہ کا پروگرام شائع کر دیا جائے۔

امیر جماعت :- ابھی وہ پروگرام تیز تجربہ ہے۔ درستہ ہمارا ارادہ پہلے ہی سے ہے کہ اس کو شائع کیا جائے۔

انور علی خاں صاحب سوز:- اس پروگرام کا ایک پہلو تو محتاج تجربہ ہے لیکن بعض چیزوں ایسی بھی ہیں جن کے لیے کسی تجربہ اور انتظار کی ضرورت نہیں ہے۔ مثلاً منتخب احادیث، قرآن کے حصص وغیرہ۔ مقامی اجتماعات میں بھی ان چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے۔

امیر جماعت:- تربیت گاہ کے پروگرام کو پورے گرام کی حیثیت سے بیش نظر رکھنا چاہیے، مقامی ضرورتوں کو ایک الگ پیغامبٹ کے ذریعہ پورا کرنا مفید ہو سکتا ہے لیکن اصلی فائدہ کل ہی کو اپنائنے سے ہوگا۔ تربیتی پروگرام کے اجزاء کو شائع کرنا اتنا مفید نہ ہوگا۔

(۳۶) رفقار کی بنیادی اور ابتدائی تربیت کے لیے ایک نصاب تیار کیا جائے جس کو یاد کرنا اور دہراتا سب کے لیے ضروری ہو۔

امیر جماعت:- کوئی نصاب جو ہر جگہ کے لیے اور ہر استعداد کے رفقار کے لیے موجود ہونہیں بنا یا جاسکتا ہے کام جماعتوں کے اپنے طور سے کرنے کا ہے۔ اس کے لیے تربیت کا نصاب ایک حد تک معاون ہے۔ آسان طریقہ بھی جوشائی ہوا ہے یا ہوگا اس سلسلہ میں مفید ہو سکتا ہے۔

(۳۷) رفقار کی معاشی بدحالی دعور کرنے کے لیے کوئی اسکیم عمل میں لائی جائے اس کے لیے ایک معاشی کمیٹی بنادی جائے۔

امیر جماعت:- اس کی صورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس سلسلہ میں ایک معاشی کمیٹی بنادی گئی ہے۔

اس کے بعد امیر جماعت نے شاہ صنیا رالمق صالح صاحب کو جواں معاشی کمیٹی کے داعی ہیں دعاشی کمیٹی کی روپورٹ پیش کرنے کے لیے فرمایا چنانچہ روپورٹ پیش کی گئی۔ امیر جماعت نے اس روپورٹ کے بعد تجارتی اور کار و باری صلاحیتیں رکھنے والے رفقاء کو انہماں خیال کا موقع دیا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں رسیداحسن صاحب کا پیور نے اپنے تحریبات پیش کیے۔

اس کے بعد امیر جماعت نے رفقاء جماعت سے فرمایا کہ وہ معاشیات کے سلسلے کے اپنے نام مشورہ رفقاء معاشی کمیٹی کو دے دیں۔ (۳۸) ہمدردوں کو خطاب عام کی اجازت دی جائے۔

امیر جماعت:- خطاب کا اختصار صلاحیت اور قدرت پر ہے یہ نہ ہوتا کان کو بھی اس سے اپنے آپ کو روکنا چاہیے۔ انہی بے اعتدالیوں کے باعث میں اجازات عام کے حق میں نہیں ہوں۔

اگر خطاب عام مناسب طور سے نہ ہو تو اس سے طرح طرح کے قتنے پیدا ہو جائیں۔ میں قیمین و امراء کو توجہ دلانا ہوں کہ وہ ان لوگوں کی طرف دھیان دیں جن کی تقریر سے کسی قسم کی غلط فہمی پھیلنے کا نہ ہشہ ہو۔

(۳۹) تعلیمی اداروں میں اسٹڈی سرکل قائم کیے جائیں۔

امیر جماعت:- رفقاء کے لیے یہ اچھا مشورہ ہے دعوت کے نقطہ نظر سے یہ مغینہ طریقہ ہے حسب موقع اس طرف توجہ کی ضرورت ہے۔

(ب) طلبہ کی ایک علیحدہ جمیعتہ بنائی جائے۔

اس پر امیر جماعت نے دوسرے رفقاء کے خیالات معلوم کیے مختلف پہلو سامنے آئے بالآخر یہ فرمایا کہ اس سلسلہ کی تمام تجویزیں محمد عزیز صاحب ارآبادی کو دے دی جائیں اور دوسرے وقت میں ان پر غور کر لیا جائے چنانچہ اس سلسلہ میں تجویز کا پروگرام ختم ہونے پر وقفہ رام میں خاص اس تجویز پر غور کرنے کے لیے ایک مختصر نشست محمد شعیع صاحب تونس کی زیر نگرانی ہوئی۔ اس نشست میں طلباء میں دعویٰ کام کے نفوذ کے خصوصی اہتمام کے مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر غور و فکر کیا گیا۔

پہلے محمد شعیع صاحب نے زیر غور مسئلہ کی وضاحت کی۔ اس کے بعد محی الدین ایوبی صاحب نے ایک مختصر تقریر میں اس کام کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔

ایندا را اس مسئلہ کے سلسلے میں دو تجویز سامنے آئیں۔ ایک یہ کہ طلباء کی علیحدہ تنظیم کے ذریعہ یہ کام کیا جائے۔ دوسری یہ کہ موجودہ جماعتی نظم کے تحت ہی قمیں حلقہ کو اس کام کی طرف خصوصی توجہ دلائی جائے۔

اس کے بعد تباہ لخیال ہوتا رہا۔ مختلف حضرات نے اطمینان کیا اور بالآخر دونوں تجویز کے بہتر عناصر کو چھپ کرنے سے حسب ذیل تجویز سامنے آئی اور منتفق طور پر پاس ہو گئی۔

”طلباء میں دعویٰ کام کے آگے بڑھانے کی طرف خصوصی توجہ کے لیے مرکز کی جانب سے ایک نظام مقرر کیا جائے جو یہ کام قمیں حلقہ جات کے واسطے سے کرے البتہ جہاں حالات کا مطابق ہو وہاں اس کام کی نگرانی کے لیے علیحدہ نظم مقرر کیے جائیں۔“

جو قیم حلقة کی زیر نگرانی کام کریں گے۔»
 (۲۴) گھنسیاں داس صاحب، گنگوہ

جماعتِ اسلامی کی بہت سی آئیڈی بالوجی (نظریات) جو اکثر اخبارات میں شائع ہوتی رہی ہیں ان میں سے اکثر جماعتِ اسلامی کے علاوہ دیگر جماعتوں کے افراد بھی اچھا سمجھتے ہیں۔ اگر وہ ان کو اپنے اخبارات میں شائع کرتا چاہیں تو اس کی کام صورت ہو گی۔ آیا ان خیالات کو باسلک اسی صورت میں شائع کیا جا سکتا ہے یا پانے انداز تحریر کے شائع کیا جا سکتا ہے۔ دونوں ہم توں میں کیا شرائط ہوں گی براہ مہربانی تفصیل کیا تھی بتائی جائیں۔ تجویز تحریری شکل میں پیش کی گئی تھی۔ صاحب تجویز نے زبانی طور پر جو کچھ اس کی وضاحت میں فرمایا اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:-

جماعتِ اسلامی کے اکثر خیالات جو اس کے طریقہ اور اخبارات و رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں دوسرے لوگ بھی پسند کرنے ہیں اور چاہتے ہیں کہ لینے اجلات میں اس قسم کے خیالات کی اشاعت کریں۔ اب مجھے یہ بات دریافت کرنی ہے کہ کیا دوسرے لوگوں کو ان خیالات کی اشاعت کی اجازت ہے اور اگر اجازت ہے تو کیا ان کے اصل انفاظ اور حوالہ جات کا لمحاظ رکھنا ضروری ہو گا یا اس کا لمحاظ سمجھ بغیر بھی ان کی اشاعت کی جا سکتی ہے۔

امیر جماعت:- ہمارے طریقہ میں جن نظریات کو پیش کیا گیا ہے وہ کچھ ہمارے لیے ہی خاص نہیں ہیں بلکہ درحقیقت ان کا تعلق پوری انسانیت سے ہے اس لیے جو شخص یا جو جماعت چاہے ان کی اشاعت کر سکتی ہے۔ ہماری طرف سے ان کے لیے کوئی شرائط نہیں ہیں، البتہ اس کا اخلاقی فرض ہو گا کہ اسلام یا جماعت اسلامی

کا حوالہ دینے کی صورت میں ان خیالات کو جوں کا توں پیش کرے، ان میں کسی قسم کی کوئی کلی یا جزوی تبدیلی نہ ہونے پائے۔ کہیں انسان نہ ہو کہ ہمارا مفہوم تو کچھ ہوا در بیان کرنے کے بعد وہ اور کچھ ہو جائے۔ لیکن اگر کسی وجہ سے اس کا خیال نہ رکھا جائے تو ان باتوں کو اسلام یا جماعتِ اسلامی دونوں میں سے کسی کی طرف منسوب نہ کیا جائے۔

تجاویز کا پروگرام ختم ہو گیا۔ اس کے بعد عام حاضرین کو ۵ امنٹ کا وقت آرام کے لیے دیا گیا۔

آرام کا وقت گذر جانے کے بعد رفقارِ خصوصی ملاقات کا پروگرام رہا۔ اس میں امیرِ جماعت اور قیمِ جماعت نے اپنی جماعت سے اور شاہ ضیا الرحمن صاحب مولانا صدر الدین صاحب، مولانا حامد علی صاحب اور محمد شیعیح صاحب تولی نے محمد روان و متاثرین سے انفرادی ملاقاتیں کیں۔ یہ نشست بارہ بجے ختم ہو گئی۔

نشست هفتم (بعد عازم ظہر)

اس نشست میں بھی رفقار و متاثرین نے خصوصی ملاقات کا پروگرام رہا۔ ملاقاتوں کا سلسلہ ۵ بجکر ۵ امنٹ تک جاری رہا۔ اس کے بعد یہ نشست ختم ہو گئی۔

نشست هشتم

(۳۰۔۳۱ سے ۱۲ بجے تک)

یہ دوسرا جماعتِ عامِ نخا جس میں کل شب کی طرح ہر مکتب خیال و فکر کے لوگوں

نے نشر کرت کی۔ اس اجلاس میں پہلے مولانا قادر وی صاحب مرحوم نے رسالت کی ضرورت پر تقریر فرمائی۔

مولانا راز کریا صاحب قدوسی مرحوم کی تقریر

خطبۃ مسنون کے بعد: — صاحبو! اس وقت مجھے جو کچھ عرض کرتا ہے اس کا تعلق ان دو تقریروں سے ہے جو کل آپ نے سنی ہیں۔ ان تقریروں میں یہ بات پوری وضاحت سے بیان کی گئی تھی کہ دنیا میں اس وقت فساد ہے اور کوئی ملک اور کسی ملک کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جو اس ہمہ گیر فساد سے خالی ہو۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ فساد دُور کیوں نہیں ہوتا اور دُور ہو تو کس طرح ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک انسان پر انسان کا حکم چلتا رہے گا، جب تک انسان اپنے لیے خود قانون بنانا رہے گا اور دنیا میں فساد ہی مختار رہے گا۔ اگر یہ مان ریاحا ہے کہ انسان قانون بنانے کا حق رکھتا ہے تو فوراً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کون انسان اگر کچھ خاص انسان یہ حق رکھتے ہیں تو اس کی وجہ معلوم ہوئی چاہیے اور انگر سب انسان قانون بنانے کا حق رکھتے ہیں اور انھیں قانون بنانا چاہیے تو یہ ممکن نہیں ہے دوسرा سوال یہ الجھتنا ہے کہ انسان کے پاس وہ کیا ذرائع و وسائل ہیں جن سے وہ قانون بنائے سکتا۔ اگر عقل سے تو آپ کو اس کا محدود اور ناقص ہوتا خود معلوم ہے چھوٹے چھوٹے معاملات میں بھی بڑے بڑے عقول کی عقلیں کس طرح ٹکٹوکریں کھاتی ہیں یہ آپ آئے دن دیکھتے رہتے ہیں۔ کیا اس عقل سے انسانی زندگی کے نام گو شوں کے لیے اور سب انسانوں کے تمام مسائل کو حل کرنے کے لیے کوئی صحیح قانون بنانا ممکن ہے؟ تو کیا تجربہ سے؟ لیکن کس کے تجربہ سے؟ ہر ایک مختلف قسم کے تجربے رکھتا

ہے اور ان سے بالکل جدا گا نہ نتائج اخذ کرنا ہے۔ پھر انسان خواہشات کا بندہ ہے، وہ تغصیبات اور طرفداری و جانب داری کا شکار ہے جس گروہ جس قوم، جس طبقہ اور جس ملک کے لوگوں کے ہاتھ میں قانون سازی کا اختیار آئے گا وہ دوسروں کو نظر انداز کر دیں گے۔ زنگی زنگی کی حیات کرے گا اور فرنگی فرنگی کی۔ جیسا کہ آپ ہر چیز اطرف دیکھ رہے ہیں اور بڑے بڑے مہذب اور عقلاً روزگار بھی کچھ کر رہے ہیں۔ انسان کا توحال یہ ہے کہ خالص علمی مبتلووں میں بھی وہ توازن کو برقرار رہنیں رکھ پاتا اور افکار و نظریات میں بھی اپنی خواہشات و جذبات اور... جانبدارانہ میلانات کو داخل کر دیتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جو نظر یہ اچھے صحیح مانا جاتا ہے کل وہی غلط قرار پا جاتا ہے۔ جب افکار و نظریات و تحقیقات و اکتشافات میں انسان کی جذبات پرستی کا یہ حال ہے تو قانون کے معاملہ میں توهہ اور بھی جذبات و خواہشات کا پاس کرے گا کیونکہ قانون کا تعلق انسان کی زندگی، اس کے علمی مسائل، اس کے مستقبل اور اس کے مفادات سے انتہائی گہرا ہونا ہے بلکہ قانون بنایا ہے، اپنی امور کے لیے جاتا ہے۔ چنانچہ یہی کچھ ہو رہا ہے اور اس کا نتیجہ وہ عالمگیر فساد ہے جس سے عالم انسانیت چھٹا ٹھا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر انسان صحیح قانون نہیں بناسکتا تو پھر انسان کو صحیح قانون کہاں سے ملے۔ اس پر غور کرنے سے پہلے اس پر غور کیجیے کہ انسان کی تمام ضروریات کہاں سے پوری ہوتی ہیں۔ آپ ذرا بتائیں کہ یہ دودھ، یہ چل، یہ تنکاریاں، یہ غلے اور میوے کس نے پیدا کیے، ماں کے سینے میں دودھ کس نے اتنا را اور ماں باپ کے دل میں محبت کس نے پیدا کی۔ سورج کی روشنی، ہوا، پانی، زمین اور دوسری تمام ضروریات

کاس نے بندوں سبست کیا۔ کانوں میں سوتا چاہتے ہی، لوہا، گوتہ اور دوسروی معدنیت کس نے پیدا کیں۔ اس کا جواب اس کے سوا اور کیا ہے کہ خدا نے بھرا گریہ واقعہ ہے کہ مہربان خدا نے انسانی جسم کی ہر ضرورت کو پورا کیا ہے تو کیا اس نے انسان کی روح اور اس کی انسانیت کے لیے کوئی انتظام نہیں کیا۔ اس نے انسان کی ہر چیزیں بڑی ضرورت کو پورا کیا اور اس کے لیے اتنے وسیع و عریض کارخانے جیت کو وجود بخشنا اور چلایا تو کیا اس نے انسان کی اس سب سے بڑی ضرورت — قانونِ زندگی — کو نظر انداز کر دیا؟ یہ بات عقل میں نہیں آتی، اور نہ خدا کی ربویت، حکمت اور رحمت سے اس کا کوئی جوڑ ہے۔ جب ہماری ہر ضرورت کو الجھوٹ سے چھپوٹی ضرورت کو خدا ہی پورا کر سکتا ہے اور کرتا ہے تو اس سب سے بڑی ضرورت کو بھی وہی پورا کر سکتا ہے اور اس کو پورا کرنا چاہیے کیونکہ اس کے علاوہ اس کی تخلیل کسی کے نہیں میں نہیں ہے۔ جب آپ سے پوچھا جاتا ہے کہ انسان کے لیے سب سامان کس نے پیدا کیے تو آپ خدا کا نام لینتے ہیں لیکن جب آپ سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ انسان کی اس سب سے بڑی ضرورت کو کس نے پورا کیا اور کون پورا کرے تو آپ ایسے غیرے کا نام لے دیتے ہیں۔ ارے صاحب آپ یہ تو سوچیں کہ اگر موڑ کو ریل کے انجن کو اور دوسروی میشینوں کو کوئی آناری چلا لے گا جو ان کے کل ریزوں سے اچھی طرح واقف نہ ہو تو ان کو بگاڑ کرنے رکھ دے گا۔ بھر جو لوگ انسان کی فطرت کو نہ جانتے ہوں اس کی زندگی کے مقصد سے بے خبر ہوں۔ انسانی زندگی کے کل پرزوں کی ماہریہ واقعیت نہ رکھتے ہوں۔ کائنات کے نظام کی انہیں خبر نہ ہوؤ وہ اگر قانون بنائیں گے تو کیا انسانی زندگی کو بگاڑ کرنے رکھ دیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ

انسان کے لیے خدا ہی صحیح قانون بناسکتا ہے جو اس کا خالق ہے جس نے اس کی فطرت بنائی ہے جس نے یہ کائنات پیدا کی ہے اور جو انسانی فطرت، انسانی زندگی اور کائنات کے تمام رازوں کا کامل علم رکھتا ہے۔

تو کیا خدا نے ہمارے لیے قانون بنایا ہے؟ اس کا جواب اثبات اور قطبی اتنا میں ہے۔ خدا نے تعالیٰ نے انسان کو اپنے آفرینش ہی سے قانون دیا۔ جو برگزیدہ بندے یہ قانون لائے ہیں انھیں کو انبیاء علیہم السلام کہا جاتا ہے۔

رسی یہ بات کہمیں یہ کیسے یقین ہو کہ برلوگ اللہ کے رسول ہیں تو اس کا معلوم کرنا بھی کچھ مشکل نہیں اور اب نیا تکام کے بارے میں تو میں اس وقت کچھ عرض نہیں کرتا۔ البتہ اللہ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں بلا خوف تردید یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ ان کی پوری زندگی کا تفضیلی ریکارڈ تاریخ میں موجود ہے۔ اس کا آپ مطالعہ کریں، آپ یہ ماننے پر مجبور ہوں گے کہ اس جیسی صادق، ایمن، خدا تریس اور کامل ہستی انسانی تاریخ میں کوئی دوسری موجود نہیں ہے۔ ایسی راستباز اور خدا تریس ہستی اگر پورے وثوق اور صراحت کے ساتھ اپنے کو اللہ کا رسول بتاتی ہے تو آخر کس بنیاد پر ہم اس کے اس دعویٰ کو رد کر دیں جبکہ جو دین اور جو طریقہ زندگی اس نے پیش کیا ہے وہ ہماری عقل اور ہمارے دل کو اپیل کرنے والا، ہمارے تمام الجھے ہوئے مسائل حل کرنے والا اور تمام انسانوں کی فلاح و بہبود کا صاف بھی ہو اور اس میں وہ ہمگیری، وہ ربط، وہ جماعت، وہ گہرائی اور وہ حکمت ملتی ہو جو اس دین کے دین الہی ہونے کا خود بین شوت ہو جبکہ خود اس رسول پاک کی زندگی کا ہر گوشہ کامل انسانیت کے بہترین نمونے کی خیشت

سے سلمنے آ رہا ہوا اور جب کہ اس دین کو پوری طرح قبول کرنے والے صحابہ
رضی اللہ عنہم کی زندگیاں انسانیت کا اعلیٰ نمونہ ہوں اور جب کہ اس دین کے قائم
وف غالب ہونے پر وہ زریں، وہ روشن، وہ انسانیت پرور اور وہ عدل گستردار
دنیا میں آیا ہو جو حیثیمِ فلک نے کبھی نہ دیکھا اور جس کو نہماں انسانیت نے سراہا اور
نمودہ کا درور سمجھا۔ کوئی وجہ نہیں کہ اس کے بعد بھی ہم اس دین کو واللہ کا دین نہ
مانیں۔ اس کے لانے والے کو اللہ کا رسول قرار نہ دیں اور اپنی فلاخ و بہبود کی
خاطر اس دین کو نہ اپنائیں۔ اگر ہم اللہ کے قانون کی پیروی کریں گے تو اپنا دنیا و
آخرت کا فائدہ کریں گے اور نہ پیروی کریں گے تو اپنی دنیا و آخرت بتاہ کریں گے۔
مگر آج حال یہ ہے کہ جو لوگ اس دین کو مانتے ہیں اور قرآن کو اللہ کی کتب
سمجھتے ہیں وہ قرآن سے صرف تقویزِ گندوں کا کام لیتے ہیں اور اس سے جن بھوت
بیماری و عیزہ کو بھگانے کی خدمت لیتے ہیں۔ نہ تو اس پر عمل کرتے ہیں نہ اس سے
مسائل زندگی کو حل کرنے میں مدد لیتے ہیں نہ اس کی دعوت کو دنیا کے سامنے پیش
کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ مختلف وادیوں میں بھٹکتے پھر رہے ہیں۔ ذلت و خواری سے
دوچار ہیں، کبھی کالے کا دامن پکڑتے ہیں کبھی گورے کا۔ گھر میں خزانہ بھرا پڑا ہے
مگر اپنے مسائل کو حل کرنے کے لیے کبھی امریکے کے آگے با تھوڑی پھیلاتے ہیں اور کبھی
روس سے دستگیری کے طالب ہوتے ہیں۔ اللہ کا بھیجا ہوا نظامِ زندگی گھر میں
 موجود ہے مگر وہ دوسرا نظاموں اور تحریکوں کے بیچھے دیوانہ وار دوڑ رہے
ہیں۔ ان کا جواہ اپنے کندھے پر اٹھا رہے ہیں۔ دنیا جمہوریت واشتراکیت، قوم پرستی
وطن پرستی اور لا دینیت کے ہاتھوں بتاہ و بر باد ہو رہی ہے اس بتاہی سے بچانے

کا نسخہ اپنے پاس رکھتے ہیں، مگر دوسروں کو تو کیا بچاتے خود بھی اسی سیلاپ تباہی میں بھے چلے جا سہے ہیں اور صحیح نظام زندگی کی طرف جانے کے بجائے ان غلط اور مہلک نظام ہمارے جیات کی طرف لوگوں کو بلا رہے ہیں۔ کس قدر اندھیر ہے! اللہ کے پیغمبھر ہوتے ہدایت کے خزانے پر اثر دہابنے بیٹھے ہیں، نہ خود فائدہ اٹھانے ہیں نہ دوسروں کو فائدہ اٹھانے دیتے ہیں۔

اپ کہیں گے ہم نے کب عین مسلموں کو روکا ہے کہ وہ اسلام سے مستفید نہ ہوں یہ صحیح ہے کہ ہم نے زبان سے نہیں روکا ہے، لیکن ہمارا عمل اور ہماری تمام عملی سرگرمیاں تو اخیں اس راہ سے روک رہی ہیں، وہ دیکھتے ہیں کہ قرآن کا مانتے والا جھوٹ بولتا ہے، رشوت لیتا ہے، ہر طرح کی بد اخلاقی اور ہر قسم کے بے اصولے پن کا اتنا کتاب کرتا ہے۔ پھر کیوں اس کا دل قرآن کے آگے جھکے اور کیوں اس کی رائے اسلام کے باسے میں بہتر ہو۔ اگر مسلمان اپنے قول و عمل سے دین کی شہادت پیش کرنے تو دنیا اپنی سر کی آنکھوں سے چلتے پھرتے اسلام کو دیکھتی، دیکھنے پر مجبور ہوتی اور اس سے اثر قبول کرتی لیکن جب وہ مسلمانوں کے ان غلط نمونوں کو دیکھتی ہے اور دن رات مشاہدہ کرتی ہے کہ مسلمان اسلامی تحریک کو چلانے کے بجائے دنیا کی دوسری غلط اور باطل نظریات کے علم بردار بننے ہوئے ہیں تو کس طرح ان کا ذہن اسلام کا مطالعہ کرنے کی طرف مائل ہو اور کس طرح ان کے دل میں اسلام کے تعلق کوئی اچھا مگان پیدا ہو۔

یہ مسلمانوں سے کہتا ہوں کہ جب ولی میں فساد ہوا تو تم روئے، جب مشرقی پنجاب میں فساد ہوا تو تم روئے، جب لوٹے ہوئے برتن اور سامان پکے تو تمہیں

رفنا آیا۔ اور اس لیے رونا آیا کہ میرے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
ہے کہ اگر ایک مسلمان کے کانٹا لگے تو دوسرا مسلمان کے دل میں چیک ہوئی چالیے،
یہ ایک فطری بات تھی، لیکن میں ان سے پوچھتا ہوں کہ کسی کو اس پر تھبی رونا آیا
کہ اللہ کا قانون ہر جگہ پاماں ہو رہا ہے، بازار سے، کچھری سے، اسپلیوں اور کولنسلوں
سے مدرسون سے، گھروں سے، صورتوں سے اور بساوں تک سے اللہ کا دین دفعل
ہے، ہر جگہ البیس کا تسلط ہے، کیا اس کا درد بھی مسلمان کے دل میں پیدا ہوا، قرآن
گھر سے، بام و در سے، دکان سے، غرض ہر جگہ سے بے دخل کر دیا گیا ہے لیکن مسلمان
ہے کہ مرنے کی نیند سورہ ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: **بَدَءَ الْإِسْلَامُ**
غَرِيبًا وَ سَيِّعَوْدُ كَمَا بَدَأَ فَطُوبِي لِلْغَرَبَاءِ (اسلام اجنبیت اور غربت
کی حالت میں ظاہر ہوا اور جس طرح وہ ظاہر ہوا تھا اس طرح وہ پھر اجنبی غریب
ہو جائے گا، تو ان لوگوں کو خوش خبری ہو جو اس زمانے میں اسلام کے باعث
اجنبی و غریب ہوں گے) آج وہی دور ہے تو کیا ہم رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم
کی اس خوش خبری کا مستحق بننا نہیں چاہتے۔

صاحبو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی ہے۔ آج اسلام ہر جگہ سے بے دخل
ہے اور اسلام کے مطابق سانش یعناد شوار ہے، اب دنیا کی ہدایت اور دین خدا کو قائم کرنے
کا کام کس کے ذمہ ہے؟ یقیناً یہ تمہارا ہی فریضہ ہے۔ الٹھوال اللہ کے دین کو پھیلاو اور
اپنی پوری زندگی اور اپنے فعل و عمل سے دنیا کے اندر حق کی شہادت پیش کرو۔
غیر مسلم بھائیوں سے مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ مسلمانوں نے اس دین کی ناقدری
کی ہے اور اس وجہ سے وہ مٹوکریں کھا رہے ہیں تو چھپوڑوان کو اور خود دیکھو کہ یہ دین

کیسا ہے، قرآن خود تمہارے ملک میں موجود ہے تم اس کا مطالعہ کر سکتے ہو۔ پنڈت نہ ہوتے کہا تھا: ”میں تو یجا ہتا ہوں کہ کوئی ایسا حل مل جائے کہ ہندوستان کو ٹکر تصیب ہو جائے۔“ قرآن کو پڑھ کر تم محسوس کرو گے کہ پنڈت نہ و اور ہر ہندوستانی جس چیز کو دل سے چاہتا ہے وہ اس کے اندر موجود ہے۔ یہ بھنا کہ یہ مسلمانوں ہی کی پیڑھے صحیح نہیں ہے، یہ مسلمانوں کی جاگیر نہیں ہے، کیا ہے بارش، سورج، چاند، ہوا صرف مسلمانوں کے لیے ہیں؟ کیا غلہ پیدا اور لاکھوں نعمتیں صرف مسلمانوں کے لیے ہیں؟ نہیں! اور یقیناً نہیں، اسی طرح خدا کا نازل کیا ہوا قرآن اور خدا کا بھروسہ اسی قانون سب انسانوں کے لیے نعمت ہے اور سب انسان اس سے فائدہ اٹھانے کا یکسا حق رکھتے ہیں۔ اس لیے اس سے بھاگنے کی ضرورت نہیں غور کیجیے اور فیصلہ کیجیے کہ یہ اللہ کا آخری دین ہے یا نہیں اور اس سے انسانوں کے تمام مسائل حل ہوتے ہیں یا نہیں۔

اپ سوال کر سکتے ہیں کہ جس اسلام کی تعریف کی جا رہی ہے وہ کہیں قائم ہے؟ میں عرص کروں گا کہ وہ کہیں بھی قائم و نافذ نہیں ہے اور یہ ہم مسلمانوں کی فرضی شناسی پر کا تیج ہے مگر یہ ہوائی یا نیس ہیں اور نہ اسلام نظریہ ہی نظریہ ہے، اس کی مستقل تاریخ ہے۔ ذرا پچھیے کی طرف تظاہا کر دیجیئے، اللہ کے قانون کی بہاریں دنیا کے اندر آچکی ہیں۔ خلافتِ راشدہ کے ذریں دُور کوون نہیں جانتا اور کون اسی کے پتھریں دُوڑھونے کا معرف نہیں اس دُور کی کیا خاص خصوصیت تھی۔ بس یہ تو کہ اسلام کا قانون اپنی کامل شکل میں اپنے اصل مسلسلے کے ساتھ نافذ تھا۔ اپنے تاریخ میں اس دُور کی تفضیل پڑھیں۔ امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا زمانہ خلافت ہے۔ اپنے کی زرہ گم ہو گئی تھی دیکھا کہ ایک یہودی کے ہاتھ میں ہے، اس نے کہاً میری ہے۔ اس غلط بیانی کے

با وجود خلیفہ وقت کو یہ حراثت نہیں ہوتی کہ ڈر احمد کا کیریا ایک تھیٹر مار کر زردہ اس سے حصیں لیں۔ اس کے بجائے وہ قاضی (رج) کے یہاں اپنے معاملہ کوے گئے قاضی نے دونوں سے یکساں سلوک کیا اور یہ نہ دیکھا کہ کون خلیفہ وقت ہے اور کون دشمن اسلام۔ قاضی نے خلیفہ سے کہا کہ آپ مدعا ہیں گواہ لائیئے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گواہی کے لیے اپنے غلام قبیر اور اپنے بیٹے حسن کو پیش کیا۔ قاضی نے کہا: غلام کی گواہی تو قبول ہے مگر بیٹے کی باپ کے حق میں گواہی قانوناً اور اصولاً قبول نہیں کی جاسکتی۔ کوئی دوسری گواہ لائیئے ورنہ میں کارروائی آگے چلاتا ہوں۔ خلیفہ نے کہا: اور تو کوئی گواہ میرے پاس نہیں ہے قاضی نے یہودی سے کہا کرم قسم گھاؤ کر زرہ میری ہے، اس نے قسم کھالی۔ قاضی نے یہودی کے حق میں فحیلہ کر دیا۔ آپ نے غور کیا، دعویٰ کس کا رد کیا گیا۔ خلیفہ وقت کا، امیر المؤمنین کا وقت کے سب سے بڑے صحابی کا، رسول پاک کے چاندِ بھائی اور داماد کا، اور گواہی کس کی رد کی گئی؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کی، خلیفہ وقت کے بیٹے کی، ان کی جن کے بارے میں حضور کا ارشاد ہے کہ وہ جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔ اور فیصلہ کس کے حق میں ہوا، اسلام کے سب سے کرم دشمن یہودی کے حق میں۔ کیوں ہوا؟ اس لیے کہ اصول اور فالون کا یہی تقاضا تھا۔ یہودی نے جاس بے لگ انفات کو دیکھا تو بساختہ اپنے آپ کو اسلام کے قدموں میں ڈال دیا۔

یہاں طرح کے بے شمار واقعات یہ دنیا اپنی انکھوں سے دیکھ چکی ہے اور تاریخ کے صفات نے پوری اختیاط سے انھیں محفوظ کر لیا ہے۔ کیا آپ نہیں چاہتے کہ اج پھر وہی دور آئے۔ کم از کم آپ کے ہندوستان میں آئے۔ یہ دور صرف خدا سے ڈرنے والوں'

اس کے احکام پر پوری شدت سے چلنے والوں ہی کے ہاتھوں پھر وجود میں آسکتا ہے اور اسی وقت وجود میں آسکتا ہے جب انسان کے خود ساخت قوانین کے بجائے اللہ کا قانون دنیا میں نافذ ہو۔ آپیئے، ہم سب مل کر اللہ کے قانون کو تلاش کریں، اس کی پیروی کریں اور سوسائٹی کے پورے ڈھانچے کی تعمیر خدا تعالیٰ قانون کی بنیادوں پر کرنے کے لیے ایک ایسا ہمگیر انقلاب ملک میں برپا کریں جس سے ہمارا ملک واقعی جنت نشان بن جائے، ہر طرف امن و امان، الفاف، انسانیت، اخلاق، بھائی بھارہ، محبت اور خدا نزدیکی کا دکور دورہ ہو۔ جماعتِ اسلامی اسی کام کے لیے امکنی ہے اور آپ کو اسی بات کی دعوت دیتی ہے۔

امیر جماعتِ اسلامی ہند کا مقام

مولانا ذکریار صاحب کی تقریر کے بعد مولانا ابواللیث ندوی اصلاحی امیر جماعتِ اسلامی ہند کا ایک مقالہ پڑھ کر مسنایا گیا۔ مقالہ پڑھنے جانے سے پہلے موصو ر نے اپنی ایک محقق زبانی تقریر میں حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

کل سے اس وقت تک آپ ہمارے مختلف رفقاء کی زبانی تین تقریریں سن چکے ہیں جن میں سے دو تقریروں میں موجودہ مقابلہ نظریات پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ اخراج کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ وہ کس طرح دنیا اور بالخصوص ہندوستان کے موجودہ مسائل کے حل کرنے میں ناکام ہیں اور تیسرا تقریر میں کچھ اخفار کے ساتھ اس بات کی طرف اشارے کیے گئے ہیں کہ ان کے حل کی صحیح صورت کیا ہو سکتی ہے۔ اب اس صحن کی صرف آخری تقریر باقی رہ گئی ہے، جس میں یہ وضاحت کی جائے گی کہ جماعتِ اسلامی جس کی دعوت پر آپ اس وقت یہاں تشریف لے آئے ہیں، کیا چاہتی ہے اور جو کچھ چاہتی ہے

اس کو وہ کس طرح حاصل کرنا چاہتی ہے؟ یہ تقریر میرے فرائض منصبی کے لحاظ سے مجھے کرنی تھی اور میں چند دن پہلے تک یہی خیال کر رہا تھا کہ اس سوال کے ضمن میں مجھے جو کچھ عرض کرتا ہے اسے میں زبانی عرض کروں گا، لیکن مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ ہمارے خیالات کے سلسلہ میں ہم پر بڑا ظلم کیا جا رہا ہے۔ بہت سے لوگ ہماری باتوں کو غلط سلط کر کے بیان کرتے ہیں بلکہ ہنایت غلط اور بے بنیاد باتیں ہماری طرف منسوب کر دی جائیا کرتی ہیں، اور آج کل تخصصو صیت کے ساتھ یہ کام وسیع پیمانہ پر ہو رہا ہے۔ اس لیے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جماعت کے مقصد اور اس کے طریق کار کے بارے میں میں جو کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں اسے تحریری شکل میں بیان کروں گا تاکہ وہ باتیں مثیل طور سے ادا ہوں اور مثیل طور سے سمجھی جائیں اس خیال کے مطابق میں نے اپنی باتیں قلمبند کر لی ہیں اور وہی تحریر اس وقت اپ کے سامنے پڑھ کر سنائی جائے گی۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہماری اس احتیاط کے باوجود جو لوگ غلط فہمیاں بھیلانے کا ارادہ ہی کرچکے ہیں وہ اس کے بعد بھی اس سے باز ہنسیں اسکتے، لیکن ظاہر ہے اس احتیاط کے علاوہ ہمارے پاس ایسے لوگوں کو ان کی اس حرکت سے باز رکھنے کی کوئی اور تدبیر نہیں ہے۔— میری گزارش یہ بھی ہے کہ یہ تحریر کسی قدر طولی ہو گئی ہے اس لیے اس کو ذرا سکون کے ساتھ آخر تک سماعت فرمائیں۔ اس میں ان تمام ضروری پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے جن کا جائز اجماعت کی دعوت سمجھنے کے لیے ضروری ہے۔ اس کے بعد ایک ریفیق اسٹیچ پر تشریف لے لائے اور بلند آواز سے انہوں نے تقریباً پڑھنی شروع کی۔

لہ یہ تقریر جماعت اسلامی اس کا مقصد اور طریقہ کارخانی کتابچے میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۹۵۱ء۔ اپریل ۲۳

درس قرآن پاک

نمازِ فجر کے بعد حسبِ معمول مولانا صدر الدین اصلاحی صاحب نے قرآن مجید کا درس دیا۔ آج درس سورہ مائدہ کی آیات (۷ تا ۱۰) سے متعلق تھا۔ آیتوں کے ترجمہ کے بعد ان کے مطالب کی حسب ذیل شرح بیان کی گئی۔

حضرت سامعین! یہ آیات کریمہ ہماری ایمانی فلاح اور ملیٰ زندگی کے باب میں قولِ فیصل کا حکم رکھتی ہیں، ان کو دراصل الشیخ جل شانہ کا وصیت نامہ سمجھنا چاہیے جو اس نے اپنے سارے احکام و فرائیں منادیں کے بعد حرفِ آخر کے طور پر پیر و ان قرآن کے کافنوں میں ڈال دیا ہے۔ اس وصیت نامہ میں امت مسلمہ کی ہستی کے امم ترین حقائق مذکور ہیں۔ اسے سمجھا دیا گیا ہے کہ قرآن کے اوراق ہاتھ میں لینے کے بعد وہ کن گرانیاں فرائض کی ذمہ دار بن جیکی ہے؟ اور اب اس کا الشرب العالمین کی ننگا ہوں میں کیا مقام ہے؟ اگر اس نے اپنے فرض کو نہ پہچانا تو اس غداری کی اسے کیا سزا مل سکتی ہے؟ کار و بارِ حیات میں اس کی امنیازی شان کیا ہوئی چاہیے؟ اور اگر خدا تجوہ استہ اس امت میں اپنے فرائض زندگی سے گریز اختیار کرنے کی وبا پھیل جائے تو اس وقت بھی ایک پتے مومن کا رویہ کیا ہونا چاہیے؟ پھر ان ساری امم حقیقتوں کو سبود اور نصاریٰ کی تاریخِ عبرت کے ائینہ میں بھی دکھا دیا گیا ہے۔ میں ان کی تھوڑی سی تفضیل عرض کرتا ہوں۔

فرمایا جاتا ہے کہ مسلمانو! اس قرآن کو اچھی طرح جان پہچان لو۔ یاد رکھو کہ فطرت ان پر میرے احکام کی بابندی لازم تو تھی ہی، کیونکہ میں ہی نہارا خاقان، مالک

اور پروردگار ہوں۔ مگر اب تو اس قرآن کی پیروی کا اور اس کی علمبرداری کا افراد کر کے تم نے اس فرمان برداری کو اپنے اوپر لازم سے لازم تر کر لیا ہے۔ یہ قرآن میرے اور تمہارے درمیان قرار پانے والے معاہدہ کی وہ دستاویز ہے جس کے مطابق ہی ایت تم سے معاملہ ہوگا۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ مگر یہ بھی سن لو کہ یہ دستاویزِ معاہدہ بالکل ایک نئی فتنہ کی دستاویز ہے جس کی حیثیت اگر تم سوچو تو، رحمتوں اور مصیبتوں کے انبار کی نہیں بلکہ نعمتوں کے خزانے کی سی ہے۔ خیردار اجنبی اس سے تمہارے دلوں میں بکیسی گی اور تنگی پیدا ہو جیسا کہ دشمن عقل اہل کتاب کے دلوں میں پیدا ہوئی اور زبانوں سے اس کا انہصار بھی ہوا۔ یہ اس معنی میں صرور ایک عہد نامہ ہی ہے۔ کہ تمہارے متعلق جو فضیل بھی کل کیا جائے گا اسی کے مطابق کیا جائے گا کیونکہ عقل کا، حکمت کا، اور عدل کا یہی تقاضا ہے، مگر فی نفسہ یہ کتاب وہ بیش بہانہت ہے جس سے بڑی نعمت اس آسمان کے نیچے کوئی آستانی نہیں گئی۔

اس معاہدہ کی پابندی تھیں کس طرح کرنی ہے؟ اس کا جواب ملباہی ہے اور مختصر بھی۔ ملباہی جواب تو وہ ہے جو قرآن کی ایک موجودہ صورتوں میں سمایا ہوا صاحبِ قرآن کے افعال و اقوال میں پھیلایا ہوا ہے اور مختصر جواب یہ ہے کہ ”اللہ کے لیے فقط کے قوام اور شاہد بنو“ یہ ”قطط“ کیا چجز ہے؟ سیدھی بات یہ ہے کہ قسط اور عدل وہ دین اور شریعت ہے جس کا نام اسلام ہے۔ ”قوام“ کا مطلب ہے اس ضابطہ عدل (دین) پر مصیبو طی سے ہم جانا، اور ”شاہد“ بننے کا معاہدہ ہے کہ اس کی سچائی اور فلاج بختنی کی باقی دنیا کے رو بروگواہی پیش کی جائے، قول سے بھی اور عمل سے بھی۔

حضرات! یہ آیت ”قطط“ سورہ نساری میں بھی آئی ہے جس کے الفاظ اس

(مامدہ والی) آیت سے کسی قدر مختلف ہیں، قرآن کی آیتیں ایک دوسرے کی تحریج و تفصیل بیان کرنے والی ہوتی ہیں۔ پس اگر آپ اس آیت کو نصار والی آیت کی روشنی میں دیکھیں تو وہ مفہوم آپ کے سامنے بالکل واضح ہو کر آجائے گا جو عرض کر رہا ہو۔ عرض دینِ حق کی ذاتی پیروی کا اور دوسروں تک اس کی تبلیغ و شہادت کا دو گونہ فرض اس آیت سے ثابت ہوتا ہے۔

حضرات! اس خالص حق وعدل کی پیروی اور علمبرداری کتنے بے لگ طبقے سے ہوں چاہیے؟ اس کی وضاحت سورہ نصار والی آیت کے یہ افاظ کرتے ہیں کہ **وَلَوْ عَلَى أَنفُسِكُمْ أَهْلَقُ الْدَّيْنَ وَالْأَقْرَبُونَ** یعنی حق کا دامن ہرگز رکھ جوڑو خواہ اس حق پرستی کی زربطاہر تھاری اپنی ہی ذات پر اور اپنے والدین واقر باہی پر کیوں نہ پڑتی ہو۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا کے دانشوروں کا مشورہ خواہ کچھ ہو، ذات اور خاندان، نسل اور برادری، قوم اور ملت، ملک اور وطن کے اندر حصے تقاضے جو کچھ بھی کہیں، تمہیں ہر آواز کے لیے اپنے کان بھرے کر لینے چاہیں اور کرنا وہی چاہیے جو حق ہو، عدل ہو، فرمودہ قرآن ہو، حکم خدا ہو، ارشاد رسول ہو۔ بلاشبہ دنیا کے نام نہاد عقلمند اسے حاقدت کہیں گے اور کیا عجیب کہ تھا را دل بھی کتنے موقع پر ظاہری حالات کے طوفانی جھونکوں سے ہل جائے۔ مگر یاد رکھو یہی فیصلہ کا وقت ہو گا، اور یہیں تھا ری وعدہ و فانی جانیجی جائے گی۔ پھر اس کا بھی یقین کرو کہ تم سے اس بے لگ حق پرستی کا مطابصرت اسی لیے نہیں کیا جاتا کہ یہی حکم خدا ہے، اس لیے بھی کیا جاتا ہے کہ فی الواقع اس میں تھا ری بھی بخلافی ہے اور اس کی بھی جس کے خلاف تھا ری یہ گواہی بظاہر پڑ رہی ہو، ننگ نظری اور کم نگاہی سے کام نہ لو، دُور تک سوچو، آخر تم اپنی

ذات یا اینے خاندان یا اپنی قوم یا اپنے وطن کے خلاف گواہی دینے اور حق کہنے سے کیوں دل گرفتہ ہوتے ہو؟ اسی لیے ناکہ تمہارا مکان ہے اس طرح اس پر چوٹ پڑ جائیگی اور اس کا مقادیر تباہ ہو جائے گا۔ پروفوسوس! تم نے یہ نہیں سوچا کہ جس کو تم چوٹ کھانے سے بچانا چاہتے ہو مجھ سے بڑھ کر اس کا واقعی خیرخواہ کوئی نہیں (إِنَّ كَانَ عَيْنَيَا أَدْفَقِيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ أَوْلَى بِشَهِيْمًا) کیا مجھ سے بڑھ کر تم اس کے خیرخواہ ہو؟ کار سازی میرے ہاتھ میں ہے یا تمہارے ہے پس اس بھی شہادت کا تیجہ صرف یہی نہیں کہ تم اپنے عہد بندگی میں پچھے ثابت ہو گے، بلکہ جس کے خلاف تمہاری یہ شہادت پڑے گی اس کا بھی حقیقی مفاد اسی طرح محفوظ ہو گا تم اسے اللہ کے اور اس کے قانون کے حوالہ کر کے دراصل اسے فائدہ پہنچاوے گے، اگرچہ وقتی طور پر بطاہ نفقان ہوتا نظر آئے گا مگر یہ سطح بینی میں نفقان ہے، حقیقت میں نہیں۔ اس لیے اگر تم واقعی معنوں میں اپنی ذات کے یا اپنے اعزاد اقربا کے یا اپنے ملک و قوم کے خیرخواہ ہو تو باطل میں اس کی ہمنوائی اور جانب داری نہ کرو بلکہ مخالفت کرو اور اسے حق کے سپرد کردو۔

حضرات! اس شہادتِ حق کی ایک عملی مثال بھی سن لیجیے جو قرآن حکیم نے اسی سورہ میں اگے چل کر بیش فرمائی ہے۔ یہ مثال ہے بنی اسرائیل کے دواویں العزم ... شہیدانِ حق کی۔ جب حکیم خدا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو فلسطین پر حملہ کرنے کا حکم دیا تو ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور وہ چلا گئے "إِنَّ فِيْهَا قَوْمًا مَاجِبَارِينَ" اس بستی میں بڑے زبردست لوگ رہتے ہیں "فَادْهَبْ" "أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا لَهُنَا قَاعِدُونَ" موسیٰ قم اور تمہارا خدا دلوں جا و لڑو، ہم تو ہمیں بیٹھے رہیں گے جس وقت اللہ اور رسول کے حکموں کی

یوں علایینہ خلاف ورزی ہو رہی تھی اور قسط و عدل سے صریح انحراف کیا جا رہا تھا
 تو اسی قوم کے اندر سے دو خدا کے بندے اُنٹھے جن کا نام تورات میں یوشع اور کتاب
 آتا ہے۔ انہوں نے قوم کے سامنے حربت ایمانی سے بھری ہوئی تقریب کی اور اس
 کی بے یقینی کے خلاف اجتیاج کرتے ہوئے اسے حکم خداوندی کی پیروی پر اجھا۔
 انہوں نے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی کہ حالات کیا ہیں؟ یہ نہیں سوچا کہ قوم کا
 سوادِ عظیم کیا چاہتا ہے؟ ان کے سامنے صرف خدا کا حکم تھا، رسول کا ارشاد تھا
 "رقسط" کی پیروی تھی اور حق کی گواہی تھی۔ قوم نے اگرچہ ان کی باتوں کو بھی ٹھکرایا
 تھا کہ ان کو پیغمبروں سے مار گار کر لے لاک کر دینے کی سوچنے لگی مگر وہ برابر اپنے موقف
 پر ہی جھے رہے۔

حضرات! پھر آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ مستقبل کا فیصلہ کیا رہا ہے مستقبل
 کا فیصلہ یہ رہا کہ آخر کار وہ وقت آیا جب انہی حضرات یوشع کی سرگردانی میں فلسطین
 فتح ہوا اور ان کے سر پر بنی اسرائیل کی سیادت کا تاج رکھا گیا۔ جی ہاں انہی یوشع
 کے سر پر جن کی باتوں کو کل ٹھکرایا گیا تھا اور پوری قوم جن کو نا انجام شناس اس قرار
 دے چکی تھی اور ان کو مع چند گنے چنے بندگانِ حق کے تہذا چھوڑ کر اللہ ہو گئی تھی۔
 یہ تھا فیضِ حق کی استقامت بھری شہادت کا۔ اللہ تعالیٰ نے ایغائے عہد، ابتداء
 حق اور شہادت قسط کی یہ مثال بھی ہمارے سامنے رکھ دی ہے اور ساتھ ہی یہ دو نصیحتی
 کے نقشِ عہد کی داستانیں بھی سنادی ہیں اور پھر دونوں روشنوں کے تینج بھی مسنادی
 ہیں۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ ان دونوں میں سے ایک کا اپنے لیے انتخاب کر لیں۔
 وَ أَخْرُدْ عَوَانًا نَّاصِيَةً لِّلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

نشست نہم

۸ ہر بجے سے ہر بجے تک

ناشتوں وغیرہ سے فراغت کے بعد اجتماع کی نویں نشست شروع ہوئی۔
یہ نشست اس اجتماع کی آخری یا قاعدہ نشست تھی۔ اس میں امیر جماعت نے رفقاً
کو بہادیت دینے کے لیے اپنی اختتامی تقریب ارشاد فرمائی جو درج ذیل ہے :-
امیر جماعت کی اختتامی تقریب

حمد و شکر کے بعد :

محترم رفقاً و حاضرین !

یہ ہمارے اجتماع کی آخری باقاعدہ نشست ہے اس کے بعد حلقة را دب
اور حلقة معاشریات وغیرہ کے کچھ ذیلی اجتماعات اور ہوں گے اس طرح سے جو نئی بُتی
دوچار دن کے لیے یہاں بس گئی تھی وہ اجر طبقاتے گی اور لوگ اپنے اپنے گروں کو
والپس چلے جائیں گے۔ یوں تو میں عام حالات میں بھی ایسے اکثر کاموں میں اللہ کے
خاص فضل کو محسوس کرنا رہا ہوں لیکن خاص اس اجتماع کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے
جس طرح اپنے فضل و کرم سے نوازا ہے جب میں اس کا تصور کرتا ہوں تو میرا دل
شکر و امنان کے جذبہ سے لبریز ہو جاتا ہے اس اجتماع کا اعلان ہوتے ہی مقامی
طور پر مخالفتوں کا ایک طوفان امنڈ پڑا تھا۔ مختلف لوگ مختلف اغراض کے تحت
ہماری مخالفت پر ٹھیک گئے، ہم پر بے بنیاد الزامات لگائے گئے، ہمارے رفقاً کو
طرح کی الجھنوں اور پریشانیوں میں مبتلا کرنے کی کوشش کی گئی اور بعض

اشخاص نے تو ایسے ایسے طریقے اختیار کیے کہ اگر وہ خود ان پر سکون کے ساتھ غور کریں گے تو انھیں شرم آئے گی لیکن اللہ کا بہزار بہزار شکر ہے کہ یہ ساری مخالفانہ سرگرمیاں ہمارے اجتماع پر اثر انداز نہ ہو سکیں بلکہ بعض پہلوؤں سے ہمارے یہے عقیدہ ثابت ہوئیں، ان کی وجہ سے بہت سے نئے لوگ ہمارے بارے میں معلومات حاصل کرنے اور ہماری بائیس سننے کی طرف متوجہ ہوئے اور بہت سے لوگوں کو مخالفین کے نازیبا مخالفانہ طریقے اختیار کرنے کی بنابری ہمارے ساتھ ہمدردی پیدا ہوئی اور انہوں نے از خودان کے تدارک کی کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی کوششوں کو مشکور فرمائے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کا جو خصوصی فضل و کرم اس موقع پر ظاہر ہوا ہے اور جس کی بنابریم اس قدر سکون و اطمینان کے ساتھ اپنی سب کارروائیاں کر سکے ہیں وہ بہت ہی اہم اور عجیب ہے جس پر انھیں خصتوں کے ساتھ اس کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اللہ کے فضل و کرم کو ذہن میں رکھتے ہوئے ہمیں دیکھنا چاہیے کہ ہم نے اس اجتماع کے موقع پر شکر گذاری کا حق کہاں تک ادا کیا ہے۔

میں نے اپنی افتتاحی تقریر میں اجتماع کے مقاصد کی توضیح کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ اس اجتماع کے تین اہم مقاصد ہیں۔ ایک یہ کہ ہم ایک دوسرے سے تعاون حاصل کریں، باہم قریب ہوں، ایک دوسرے کے حالات سے واقف ہوں۔ ظاہر ہے جو کام ہم کرنا چاہتے ہیں اس کے بغیر کہ ہی نہیں سکتے کہ ہم باہم مربوط ہوں، ہم میں باہم محبت و یگانگت ہو اور ہم ایک دوسرے کے ساتھ زیادہ سے زیادہ تعاون کریں۔ دوسرے مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے کاموں کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ ہمیں کیا کچھ

کرنا چاہیے تھا اور ہم نے کیا کچھ کیا ہے اور جو کچھ نہیں کیا ہے کیوں نہیں کیا ہے اور پھر جو موائع اور اسیاب ہمارے سامنے آئیں ان کے اذالہ کی تدبیر سوچیں اور تسلیم مقصد جوان دونوں کا حاصل ہے یہ ہے کہ اپنی دعوت سے آنے والوں کو زیادہ سے زیادہ روشناس کرانے کی کوشش کریں اور اس کے لیے کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیں۔

اب آپ اپنے کام کا جائزہ لے کر اندازہ لگائیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے جو موقع فراہم کیا تھا اس سے آپ نے کہاں تک فائدہ اٹھایا ہے اور اجتماع کے ان مقاصد کی کہاں تک تکمیل کی۔ اگر آپ نے اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے تو یہ خوشی کا مقام ہے ورنہ اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے اللہ کے فضل کی قدر رشتہ اسی میں کوتا ہی کا ثبوت پیش کیا ہے اور اس اجتماع کے لیے طرح طرح کی تکلیفیں اٹھا کر آپ کا آنا بڑی حد تک آپ کے نفہان کا موجب ثابت ہوا ہے۔ اپنے بارے میں صحیح فیصلہ تو آپ ہی کر سکتے ہیں لیکن جہاں تک میرا اندازہ ہے میراتا ثریہ ہے کہ آپ میں سے بہت سے لوگوں نے اس موقع سے پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے اور اپنا قبیلی وقت مذکورہ مقاصد ہی میں صرف کیا ہے لیکن اس کے ساتھ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بہتلوں نے اس موقع سے پورا فائدہ نہیں اٹھایا۔ مثال کے طور پر آپ پہلے ہی مقصد کو لیجئے یہ اجتماع ایک عرصہ کے بعد منفرد ہوا تھا اور یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے اس کے بعد ہمیں کب اس طرح کا کوئی موقع میرا سکتا ہے کیونکہ آئندہ اجتماع بہرحال حالات کی موافقت اور جماعت کے مصالح پر مخفر ہے۔ ایسی حالت میں اس موقع کو بہت

غینیت سمجھنا چاہیے تھا اور اپنے وقت کا ایک ایک ملجم کسی نہ کسی مفید کام میں صرف کرنا چاہیے تھا لیکن بہنوں نے، میرا احساس یہ ہے کہ — فاضل اوقات کو ایک دوسرے سے ملنے اور دعوت و تحریک کے سلسلہ میں گفتگو اور تبادلہ خیالات کے حجاج غیر ضروری کاموں میں ضایع کر دیا۔ یہ صحیح ہے کہ اجتماع کی تحکما دینے والی صورتیں ایک سخت رکاوٹ تھیں تاہم ان کو بہت زیادہ اہمیت نہیں دی جاسکتی۔ اگر قوت کی پوری قدر بیجا تی جاتی تو تعارف اور بیانی ملاقاتوں کے لیے بہر حال کچھ نہ کچھ فرست مل سکتی تھی اور کچھ اسی طرح کی باتیں اجتماع کے دو دیگر مقاصد کے سلسلہ میں بھی کہی جاسکتی ہیں۔ بہر حال اس پہلو سے ایسا جائزہ لیجئے اور جس حد تک ممکن ہو اپنی کوتا ہیوں اور غفلت کے تدارک کی فکر کیجئے۔ اگر آپ تدارک اور تلافی پر آمادہ ہوں تو اس کی راہیں اب بھی بند نہیں ہیں، یہ ضرور ہے کہ اب آئندہ سالاں اجتماع سے پہلے ملاقات اور تعارف کا اتنا بہتر موقع آپ کو میرے نہیں آسکتا جس میں ہندوستان کے تقیریاً ہر حصہ کے رفقاء میکجا جمع ہو گئے تھے۔ لیکن محمد و دیماء نہ پر اس کی تلافی بھی کسی حد تک ممکن ہے کیونکہ حلقہ وار اور ضلع وار اجتماعات ہوتے رہیں گے اور ان سے تھوڑا بہت تعارف اور ملاقات کا فائدہ حاصل کیا جا سکے گا اور جہاں تک دیگر دو مقاصد کا تعلق ہے اور خاص طور سے تیسرے مقصد کا ان کے لیے موقع تو ہر وقت اور ہر جگہ میرا سکتے ہیں۔ اس لیے اگر یہاں آپ ان کے سلسلہ میں کچھ نہیں کر سکے ہیں تو میں اسے بھی غینیت سمجھوں گا کہ آپ اپنی کوتا ہی اور غفلت کا یہ احساس لے کر یہاں سے جائیں اور یہاں سے جانے کے بعد ان کی تلافی کے موقع تلاش کریں اور پوری سرگرمی اور انہماں کے ساتھ ان سے فائدہ اٹھانے میں لگ جائیں۔

یہ ایک موقع تو بہر حال آپ کے سامنے گھٹلا ہوا ہے کہ اجتماع میں شریک ہونے والوں میں بہت سے ایسے لوگ بھی ہوں گے جو اس شرکت کے بعد بھی دعوت و تحریک کے بارے میں طرح طرح کی غلط فہمیوں میں بتلا ہوں گے۔ کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جنہوں نے شرکت کے بعد تحریک و دعوت کے بارے میں کچھ ابتدائی اشراط قبول کیے ہوں گے۔ ایسے لوگ اس قابل ہیں کہ آپ پہاں سے جانے کے بعد ایسے لوگوں سے خاص طور سے اپنا ربط قائم کریں اور ان کی غلط فہمیاں دور کرنے اور ان کے تاثرات کو گھرا کرنے کی کوشش فرمائیں۔ یہ آپ کے کام کے لیے بہت بڑا میدان ہے۔ لیکن اگر آپ تلاش کریں گے تو اس کے سوا اور بھی بہت سے میدان مل سکتے ہیں جن میں لگ نہ آپ اپنی کوتا ہی اور غفلت کی بہت کچھ تلافی فرما سکتے ہیں لیکن یہ سب کچھ دل کی لگن اور احساس پر مبنی ہے۔ اگر یہ نہیں ہے تو بہتر سے بہتر موقع بھی آپ کے لیے بیکار ہیں اور اگر کسی درجہ میں موجود ہے تو یہ اپنے لیے از خود کام کے بہت سے موقع پیدا کر لے سکتے ہیں۔ اس لگن اور احساس کے پیدا کرنے کی صورت صرف ایک ہے کہ آپ اپنے رب کے ساتھ زیادہ سے زیادہ لگاؤ پیدا کریں جب تک یہ لگاؤ پیدا نہیں ہوگا اس وقت تک کام کے ساتھ بھی لگاؤ پیدا نہیں ہوگا۔ اس غرض کے لیے سب سے منفرد چیز اللہ کا کلام ہے جو رفتار کلام پاک کو سمجھنے کے لیے عربی حاصل کر سکتے ہوں ان کو اس جانب پوری طرح متوجہ ہونا چاہیے اور جن کے لیے یہ موقع نہیں ہیں، وہ ترجمہ کی مدد سے قرآن پاک کو سمجھ کر پڑھنے کا التزام رکھیں۔ دوسری اہم چیز نماز ہے، یہ اصل ذکر ہے۔ اس کو تمیک تھیک ادا کرنے کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ دیجیے۔ اور اس کے ذریعہ اپنا محسوسہ کرتے رہیے اس طرح

اپ کو دین سے اور دینی جدوجہد سے لگاؤ ہو گا۔ اس سلسلہ کی تیسیری ضروری چیز ذکر ہے غفلت سے پچھنے کے لیے آپ کو ہر دم ذکر میں لگا رہنا چاہیے۔ ذکر سے میری مراد حضن ذکر سانی نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ آپ ہر دم اللہ کو یاد رکھیں اور ہر کام اللہ کی رضا کے لیے کریں اس طرح آپ کا ہر کام ذکر ہو گا اور غفلت آپ کے اندر راہ نہ پاسکے گی۔ بہر حال تعلق باللہ ہمارے کام کی اصل بنیاد ہے، اگر خدا نخواستہ اس میں کمی رہی تو یہ کام انجام نہیں دیا جا سکتا اور اس تعلق باللہ کی اس موقع پر تو خاص طور سے ضرورت ہے کیونکہ یہ بالکل قدرتی بات ہے کہ اجتماع کے بعد لوگوں کی توجیہات آپ کی طرف مکوڑ ہوں گی اور بہت سے لوگ آپ کی نوہ میں پڑھائیں گے کچھ لوگ آپ سے بدگانیاں کریں گے اور ہو سکتا ہے کہ بدگانیوں کے نتیجے میں آپ کے سامنے طرح طرح کی آزمائشیں پیش آئیں اور یہ اس وقت تک ہوتا رہے کا جب تک کہ آپ اور آپ کی دعوت ملک میں پوری طرح روشناس ہو جائے ان صبر آزم حالت میں تعلق باللہ کے بغیر آپ ان سے عہدہ برآ ہونے میں کسی طرح کا میاب نہیں ہو سکتے۔

تعلق باللہ کے بعد دوسرا ضروری چیز صبر ہے۔

دین کا کام ہر دوسری میں دشوار رہا ہے لیکن موجودہ حالات میں اس کام کو انجام دینا تو پہلے سے بھی دشوار ہے جو لوگ ہمارے ساتھ اس کام کو انجام دینے میں صرف ہیں نہ اپنے عنم کو کچھ زیادہ مصبوط اور راسخ کریں اور اپنی کم رہت کو کچھ زیادہ چستی سے کس لیں۔ جو بھی افتاداً اپ پر پڑے اس کے برداشت کرنے میں زیادہ سے زیادہ عنم رہت سے کام لیں اور یاد رکھیے یہ بات اللہ کے ساتھ لگاؤ کے ذریعہ

پیدا ہو سکتی ہے۔

تبیری بات جس کی طرف میں آپ کی توجہ مبذول کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اپنی مضبوطی کے ساتھ ساتھ یہ ضروری ہے کہ آپ اپنے دوسرے ہمراہیوں کے استقلال و استقامت کی زیادہ سے زیادہ کوشش کریں، ہم جس کام کو انجام دے رہے ہیں، اس کے لیے مستلزم اجتماعیت کی ضرورت ہے اور یہ اجتماعیت دوسروں کی خیرخواہی اور خیرگانی کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی۔ اگر آپ اپنے دوسرے رفقار کے ساتھ عملی تعاون نہ کریں گے اور ان کی مشکلات میں ان کا ہاتھ نہ بٹائیں تو اس اجتماعیت کا قائم رکھنا مشکل ہو جائے گا۔ اپنے ساتھیوں کی مضبوطی اور تقویت کا سبب یعنی۔ اپنے آپ کو ان کا دست و بازو نہیں جھوٹھاً اس وجہ سے بھی کچھ حالات سامنے آئے والے ہیں ان میں سے پا مردی کے ساتھ گزر جانا بجز اس فابتگی کے ممکن ہی نہیں ہے۔ تحریک تغافل و تجاهل کے مرحلہ سے گذر کر شکوہ و شہادت کے مرحلہ میں پہنچ رہی ہے۔ اس دور میں باہمی اشتراک و تعاون کے علاوہ سلامتِ فکر اور استقامت کی بھی ضرورت ہے، اپنے فکر میں بھی اصلاح کر جیے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ اس دور کے لیے جس پختگی فکر اور فکری جماعت کی ضرورت ہے۔ وہ ابھی معیار مطلوب پر موجود نہیں ہے۔ تکنی غلط باتیں ہیں جو غیر شعوری طور پر ذہن میں سرایت کیے ہوئے ہیں۔ ضروری ہے کہ آپ اپنے ایسے افکار و خیالات کا جائزہ لینے رہیں اور جو خیال و فکر بھی رہیں اور دینی جدوجہد کے مطابق نہ ہو اسے ذہن سے نکال بھینکیں پھر جو کچھ سوچیے خالص دینی لائنوں پر اللہ کی رضا کے لیے اور آخرت کی کامیابی کے لیے سوچیے۔ جو غلط باتیں ذہن میں گھس آئی ہیں یا صحیح باتوں کے ساتھ مل جعل گئی ہیں۔ ذہنی مکسوتی

اور سچنگی کے لیے ان کو چھانٹ کر الگ کر کے پھینک دینا ضروری ہے، اگر یہ نہ ہو گا تو وہ تمرات بھی سیدانہ ہوں گے جن کی ہم تنہار رکھتے ہیں۔

فلکر کی تصحیح کے ساتھ فکر و عمل میں مطابقت پیدا کرنے کی ضرورت ہے پہلی چیز کے مقابلہ میں اس کی نمایاں طور سے کمی محسوس ہوتی ہے۔ فلکر صحیح کو عمل صحیح کے قابل میں ڈھالنے کی کوشش کرتے جائیے۔ مطلب یہ ہے کہ دعوت کا جواصل مزاج ہے اس سے آپ اپنے آپ کو عملًا ہم آہنگ بنالیں۔ صحیح فلکر کے تقاضے پوری طرح سمجھ کر انہیں ادا کرنے کی جدوجہد کیجیے۔ جن کی طرف میں نے اپنی رات کی تقریب میں سرسی اشارے بھی کیے ہیں۔

میں رفقا کو اس طرف بھی متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ آپ یہ نہ سمجھیں کہ اجتماع کے بعد آپ کا کام ایک منزل پر پہنچ کر ختم ہو گیا ہے۔ کام تو دراصل اپنے شروع ہوا ہے اس اجتماع میں بہت سے نئے اصحاب شرکت کے لیے تشریف لائے ہیں۔ یہ ایک نیسا حلقة تعارف ہے کہ جو آپ کے لیے اللہ کے فضل سے پیدا ہو رہا ہے۔ اس حلقوے سے آپ کو زیادہ سے زیادہ روابط قائم کرنا چاہیں ورنہ ہو سکتا ہے کہ وقت تاثرات باقی نہ رہیں جو نتا ثرا بتدافی درجہ میں ہوتا ہے وہ زیادہ دینک قائم نہیں رہتا۔ اس تاثرات کے آگے بڑھانے اور پختہ کرانے کا یہی موقع ہے اور یہ اس وقت ہو سکے گا جبکہ آپ یہ سمجھیں کہ اس اجتماع کے بعد دراصل آپ کا اصل کام شروع ہو رہا ہے الگ آئندہ نہ کیا گیا تو اس اجتماع پر جو وقت اور مال صرف کیا گیا ہے اس کا کوئی خاص حاصل برآمد نہ ہو گا۔ اس معاملہ کا دوسرا رُنگ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر اس اجتماع کے بعد اسی پیمانہ پر کام نہ کیا گیا تو طرح کی بدگائیاں ابھریں گی اور پھیلیں گی اور جو ایک طریقے

اپ کی دعوت کے آئندہ پھیلاویں رکاوٹ ثابت ہوں گی اور دوسرا طرف ان کی وجہ سے اپنے خود بھی مختلف خطرات میں بدلنا ہو سکتے ہیں۔ خطرات سے مراد عرف عام کے خطرات ہیں ورنہ دینی جدوجہد کی راہ میں جو خطرات بھی پیش آئیں ان کو خطرات کہنا ہی صحیح نہیں ہے وہ تو موجب اجر و فلاح ہیں۔ بہرحال اپنی دعوت کو سرگرمی کے ساتھ وسیع کرنے کی کوشش کریں۔ ہمارے لیے اصل خطہ یہ ہے کہ لوگ ابھی تک ہماری دعوت سے آگاہ نہیں ہو سکے ہیں۔ اسی کے ساتھ حالات کی نزاکت کے تحت اپنے حضرات اپنے قول و عمل میں زیادہ سے زیادہ محتاط رہنے کی کوشش کریں اور اپنا پورا احتساب کرتے رہیں۔ اپنے کی ایک چھوٹی اسی غلطی بہت بڑے فتنے کا سبب بن سکتی ہے۔ یہ باتیں خصوصیت کے ساتھ اپنے رفقاء جماعت کو خطاب کر کے کہہ رہا ہوں لیکن اس کے مخاطب وہ لوگ بھی ہیں جو جماعت کے کاموں سے ہمدردی کا تعلق رکھتے ہیں۔ ممکن ہے یہ لوگ اپنے موجودہ موقف پر اس حیثیت سے مطمئن ہوں کہ وہ جماعت سے باقاعدہ تعلق نہیں رکھتے لیکن میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ عام لوگوں کی نگاہ میں وہ ہم سے الگ نہیں سمجھے جاسکتے۔ اس لیے ان کے قول و عمل کی ذمہ داری آسانی کے ساتھ جماعت کے سردار ادا دی جاتی ہے۔ بنابریں اگر ان کو جماعت اور اس کے کاموں سے لگاؤ ہے تو ان کو بھی اپنے قول و عمل میں زیادہ سے زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے، یہ ظاہر ہبات ہے کہ ہمدردوں کو اپنے رویت کے بارے میں فیصلہ کرنے کا پورا پورا اختیار ہے لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اگر وہ سمجھتے ہیں کہ جماعت اسلامی جو کام کر رہی ہے، کرنے کا کام وہی ہے اور اس کے لیے طریقہ بھی وہی مناسب ہے جو جماعت نے اختیار کیا ہے تو ایسی حالت

میں ان کا محض ہمدردی پر قناعت کرنا اور جماعت سے باقاعدہ تعلق نہ قائم کرنا کہاں تک حق بجانب ہے اور یہ موقع اختیار کر کے وہ عند اللہ اور عندالناس اپنی ذمہ داریوں سے کہاں تک عہد برآ ہو سکتے ہیں۔ اس موقع پر میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہنا چاہتا۔

ارکان اور ہمدردوں کے بعد میں کچھ باتیں ان حضرات سے بھی عرض کرنا چاہتا ہوں جو اس عرض کے لیے بہاں تشریف لائے ہیں کہ یہیں اور ہمارے کاموں کو فریب سے دیکھیں۔ ایسے حضرات کی تشریف آوری سے بڑی خوشی ہوئی ہے۔ عام طور سے مسلمانوں میں حق کی جستجو اور تلاش کا جذبہ کچھ مردہ سا ہو کرہ گیا ہے۔ کم از کم لوگ ایسے ہیں جو پست اور دافع اغراض کو چھوڑ کر بلند مقاصد کی طرف توجہ کرتے ہوں۔ یہ صورت حال بڑی تشویشناک ہے اور اس کو دیکھو دیکھو کر بعض دفعہ مجھ پر مایوسی کے جذبات طاری ہونے لگتے ہیں۔ ایسے حالات میں آپ جیسے لوگوں کا اجماع میں شرکت کے لیے تشریف لانا اور ہماری خشک اور بے مذاباتوں کو غور و فکر کے ساتھ منانا باعینت معلوم ہوتا ہے۔ ہم نے اپنی حد تک بھی کوشش کی ہے کہ ان کو ان کی تحقیق میں پوری پوری مرد پہنچائیں لیکن میں نہیں کہہ سکتا کہ ہم اس میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں یقیناً اس سلسلہ میں ہم سے کوئا ہیاں بھی ہوئی ہوں گی۔ کیونکہ غیر متوقف باتوں کے پیش آنے کی وجہ سے ہم اپنی دعوت کے تمام پہلو پوری وضاحت کے ساتھ پیش نہیں کر سکے ہیں لیکن ان حالات میں جو کچھ بھی ہم سے ممکن تھا، ہم نے حتی المقدور کوئی کوئا ہی نہیں کی ہے۔ اب یہ اللہ کے فضل اور آپ کی نوجہ اور دلچسپی پر مخمر ہے کہ ہماری یہ کوشش باعنیار است اس کہاں تک کامیاب ثابت ہو سکی ہے اور میں

اس بات کی طرف بھی اشارہ کرنا چاہتا ہوں کہ تحقیق حق کے لیے ہماری کوششوں کے علاوہ آپ کی آمادگی میلان ای امتحن اور احسان ذمہ داری کی بھی بڑی ضرورت ہے بلکہ اگر یہ نہ ہوں تو ہماری ساری کوششوں پیکار ہیں اور اگر یہ ہوں تو ہماری خیر کو شمش بھی کامیاب ہو سکتی ہے اور دوسرے ذرا لئے مثلاً لٹرچر اور رفقاء سے ملاقات وغیرہ کے ذریعہ فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ میں تو توقع کرتا ہوں کہ آپ نے جو کچھ یہاں دیکھا اور سننا ہو گا اس پر سمجھیدگی کے ساتھ غور فرمائیں گے اور اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی کوشش کریں گے، دعوت حق کو سمجھنے میں بسا اوقات کام کرنے والوں کی ذاتی کمزوریاں بھی بڑی رکاوٹ بن جاتی ہیں۔ ہمارے ارکان میں بھی بلاشبہ بہت سی کمزوریاں اور خامیاں ہیں جن کا ہمیں خود احساس ہے اور ہم ان کی اصلاح کی طرف متوجہ ہیں لیکن اس اجتماع میں ارکان کے ساتھ بہت سے ایسے لوگ بھی شریک ہیں جو جماعت کے باقاعدہ رکن نہیں بلکہ وہ ہمدرد یا متأثر یا مختار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایسے لوگ ظاہر ہے کہ کسی طرح بھی ہمارے کام کے چال پنجھے کا معیار نہیں ہو سکتے۔ نبابریں آپ ہماری دعوت کو ہماری کوتنا ہیوں سے قطع نظر کر کے سمجھنے کی کوشش کریں۔ ہم اور ہمارے رفقاء اپنی کمزوریوں میں آپ کی دعاویں کے مستحق تو ضرور ہیں لیکن ہماری کمزوریاں خود آپ کے لیے اس کام سے الگ رہنے کے لیے کوئی وجہ جواز نہیں بن سکتیں جس کو آپ اپنی تحقیق سے صحیح سمجھ رہے ہوں۔ خدا کے پاس ہر شخص اپنا آپ ذمہ دار ہے۔ کسی ایک کی غلطی دوسرے کی غلطی کے لیے وجہ جواز نہیں بن سکتی۔ میں اس موقع پر خصوصیت کے ساتھ ان غیر مسلم اصحاب کا شکر یہ ادا کرنا چاہتا ہوں جو محض ہمارے کام کو دیکھنے

کے لیے ہمارے اجتماع میں شریک ہوئے ہیں۔ خاص طور سے ان لوگوں کا جو باہر سے محض اسی عرض سے تشریفیت لائے ہیں اور شروع سے اس وقت تک برابر ہمارے اجتماعات میں شرکت فرماتے رہے ہیں۔ ہر حینہ ان کی تقدیمیت تھوڑی ہے اور یہ غالباً اس بدگمانی اور نفرت کا نتیجہ ہے جو ابھی تک ہندوؤں اور مسلمانوں میں پائی جاتی ہے اور حسین کی ذمہ داری غیر مسلموں سے تیادہ مسلمانوں کے بیٹروں اور سربر آور دہ اصحاب پر عائد ہوتی ہے۔ جن کے غلط روایت نے اس ملک کے باشندوں پر حق کے دروازہ کو بند کر دیا ہے، اور اب اس دروازہ کو گھولنے میں بڑی دقتون کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ حالانکہ اس ملک میں ایسے لوگ بڑی تعداد میں موجود ہیں جو اپنے اندر قبول حق کی صلاحیت رکھتے ہیں۔۔۔ لیکن وہ جس تعداد میں بھی شریک ہوئے ہیں میرے لیے ان کا آنا باعثِ مسرت ہے کیونکہ یہ اس بات کی علامت ہے کہ ان میں قبول حق کی صلاحیت موجود ہے اور ہم اگر ان کے سامنے سیلیقے سے اپنی دعوت رکھیں گے تو وہ اس پر غور کر سکیں گے۔ میں ان حضرات سے درخواست کروں گا کہ آپ مسلمانوں کے رویہ سے متاثر ہو کر ہماری دعوت کے بارے میں کوئی رائے قائم نہ کریں، بلکہ وسعت قلبی سے کام لیتے ہوئے ان کے رویہ سے قطع نظر ہماری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ انشاء اللہ آپ اسے اپنے لیے اور اپنے ملک کے لیے مفید پائیں گے۔ اب میں چند باتیں اجتماع کے سلسلے میں بھی کہنی چاہتا ہوں۔ یہ معلوم ہے کہ اجتماع کی تیاریوں کے لیے ہمیں وقت بہت تھوڑا ماناخا اور کچھ تذبذب پیدا کرنے والے حالات بھی آخر وقت تک لگے رہے اس لیے قدرتی بات ہے کہ

حسب منتشر انتظامات کرنے میں ہم کامیاب نہیں ہو سکے اور نظم و وقار اور... شاستری کے اعتبار سے ہمارے اجتماعات کی اب تک جو خصوصیت رہی ہے وہ پوری طرح برقرار نہیں رہ سکی تاہم ہو سکتا ہے کہ حالات کی مجبوریوں کے علاوہ کسی حد تک اس میں ہمارے رفقار کے غفلت و تساهل کو دخل رہا ہو اور جیسا کیا جاتا ہے کہ ایسا بھی ہے کیونکہ یہ کل ہند اجتماع ایک عرصہ کے بعد متوقف ہوا تھا اور ہمارے رفقار اس سلسلہ کی بہت سی یادوں کو غائب یا دنہ رکھ سکے تھے۔ بہرحال ہمارے رفقار کو اس تجربے سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہماری کوتا ہیوں سے درگذر فرمائے اور یہیں ان کی اصلاح اور تدارک کا موقع عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دُعَا نَا انَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

اس کے بعد دعا پر حسپت تمام حاضرین نے خشوع و خضوع کے سانحہ آئیں کہی۔ باقاعدہ اجتماع کے ختم کرنے کا اعلان کیا گیا۔ اجماع کے خاتمہ پر منفرد حضرات نے خواہش کی کہ بہت سے لوگ امیر جماعت سے ملاقات و گفتگو کے مشاق ہیں۔ یہیں اجتماع کی مصروفیتوں میں اس کا موقع نہیں مل سکا ہے اس لیے اگر لوگوں کو کم از کم مصافحہ کا موقع دیا جائے تو زیادہ مناسب ہو گا۔ امیر جماعت نے اس کے جواب میں کہا کہ مجھے باہر سے آنے والے رفقار سے ملنے کا خود اشتیاق ہے اور محض مصافحہ سے یہ اشتیاق رفع نہیں ہو سکتا۔ اس لیے میں موقع نکال کر لوگوں کی قیام گا ہوں پر تھوڑی تھوڑی دیر کے لیے جا کر خود ملاقات کروں گا اور ویسے بھی جو اصحاب اجتماع کے بعد قیام فرمائیں گے ان سے اطمینان سے

ملاقات ہو سکتی ہے۔ چنانچہ امیر جماعت نے مختلف قیام گاہوں پر جا کر سرسری ملاقاں تیں کیں۔

اس کے بعد ارکان کا ایک اجتماع خصوصی ہوا جس کی مختصر و مداد درج ذیل ہے۔

ارکان کا اجتماع

اس اجتماع میں پہلے امیر جماعت اسلامی ہند نے ایک مختصر تقریب فرمائی جس میں آپ نے بتایا کہ جماعت اسلامی ہند کی تشکیل جدید کن حالات میں ہوئی اور کن مجبولیوں کے تحت رفقاء کے اصرار پر آپ نے امارت کی ذمہ داری کو سنبھالا تھا۔ اور کس طرح آپ نے اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کی۔ اس کے بعد آپ نے رفت انجیز ہجہ میں ارکان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ تشکیلِ جدید کے بعد یہ ارکان کا پہلا عمومی اجتماع ہے۔ اس لیے میں اپنے رفقاء سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنے فیصلہ پر تنظر ثانی کروں اور یہ گرو بار ذمہ داری کسی اور کو پرداز کریں۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس عظیم الشان مقصد کی خدمت سے جی چرانا نہیں چاہتا اور النشار اللہ تادم زیست اس کے لیے تن من دھن سے رکا رہوں گا۔ لیکن جو ذمہ داری آپ نے میرے پرداز کی ہے وہ بہت تازک ہے اور میں اپنے اندر وہ صلاحیتیں نہیں پاتا جو اس سے یہ حسن و خوبی عہدہ برآ ہونے کے لیے ضروری ہیں اس لیے

اپنے میں سے کسی اہل تر کا انتخاب کر کے مجھے اس بارے سبکدوش فرمائیں۔ امیر جماعت کی اس مخفی تقریر کے بعد جو انتہائی رفت انگیز تھی، مختلف حلقوں کے ذمہ داروں نیز کئی دوسرے رفقا نے اپنے دلی تاثرات کا انہمار کیا۔ انھوں نے بتایا کہ وہ امیر جماعت پر کامل اعتماد رکھتے ہیں اور ان کی رہنمائی پر مطمین ہیں۔ انھوں نے اصرار کیا کہ امیر جماعت ہی اس نازک ذمہ داری کو اٹھائیں کیونکہ اس منصب کے لیے جماعت کے اندر ان سے زیادہ کوئی اہل موجود نہیں ہے۔ ارکان کے متفقہ اصرار پر امیر جماعت نے اس ذمہ داری کو پھر قبول کیا اور رفقا کے اعتماد پر اللہ کا شکر ادا کیا۔ اس کے بعد آپ نے ان سے اس نازک ذمہ داری کو پورا کرنے کے سلسلے میں کامل تعاون اور دلی دعا کی درخواست کی اور اللہ کے بخوبی سے پر دین کے لیے مسلسل جدوجہد کرتے رہنے کا عزم صیم طاہر کیا۔ اس کے بعد متعدد رفقا نے دعوت و تحریک کے سلسلہ میں کچھ استفسارات کیے جن کے جواب کے بعد یہ اجتماع دعا پر ختم ہو گیا۔

روئاد اجتماع پر سلسلہ اسلام کا سڑکی سر کل

اس سلسلہ میں مختلف اوقات میں تین نشستیں منعقد ہوئیں جن کی مخفی
روئاد حسب ذیل ہے:-

۲۰۔ رابریل ۱۹۵۸ء

ان فزادی گفتگوؤں میں مختلف سائل زیرِ گفتگو آتے رہے

اور ۲۰ اپریل کو بعد نماز مغرب ان طلباء کا اجتماع کیا گیا جو اجتماعی علوم میں ڈاگری کلاسز میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں یا بی اے کر رہے ہیں۔ سائنس کے بعض طلباء بھی شریک تھے۔ حیدر آباد، پھولپور، ٹونک، جے پور، لکھنؤ، الہ آباد، پٹیانہ، در بھنگڑ، بھاگل پور اور منظفر پور کے طلباء موجود تھے۔ مقامی طلباء بھی تھے۔

سب سے پہلے بخات اللہ صاحب نے اجتماع کا مقصد واضح کیا۔ علمی کام کی اہمیت، ذہنی انقلاب اور علمی کام کا تعلق اس کے لیے تیاریوں کی ضرورت، نظام تعلیم کی کمی، اس کی غیر موجودگی میں فکری ربط اور ایک دوسرے کے انکار کا ایک دوسرے کے سامنے آتے رہنا اور اس پر تنقید و تبصرہ اور مشورہ سے مستفید ہوتے رہنا وغیرہ ان امور پر روشنی ڈالی گئی۔ اب تک جو استاذی سرکل (معاشریات) کا بلیٹن نکل رہا ہے اس کے سلسلہ میں یہ باتیں کہی گئیں:

۱۔ شروع میں غلطی سے غیر علمی اور عام مضامین اور نظمیں وغیرہ شامل کردی گئیں جس سے اس کا مرکز توجہ ہٹ گیا۔ لہذا اب صرف فکری مضامین رکھے جائیں زکر دعویٰ۔

۲۔ چونکہ دوسرے عمرانی علوم کے طلباء بھی ہمارے ساتھ ہیں لہذا ان کو بھی سہولت پہنچانے کے لیے بلیٹن میں ان علوم کے مضامین بھی لیتے جائیں۔

۳۔ بلیٹن کا حلقة محمد و دہو۔ طالب علم رفقا اور اہل علم ہی تک پہنچایا جائے۔

تاکہ ان کے مشورے وغیرہ حاصل کیجے جاسکیں اور دوسرے لوگوں کے ذوق کے لحاظ سے غیر متعلق چیزیں نہ رکھنی پڑیں۔

عزیز صاحب الرآباد نے ان باتوں سے اتفاق کیا۔ خصوصاً اول الذکر سے۔ البتہ آپ نے یہ خیال خواہ کیا کہ عام لوگوں میں انگریزی میں دعوت پہنچاتے اور انگریزی میں طلباء سے مضامین لکھوانے کے لیے ایک انگریزی اخباری کیا جائے، اور حلقہ ادب انگریزی قائم کیا جائے۔

تچھے دیر غیر متعلق گفتگو انگریزی پرچے وغیرہ کے سلسلہ میں ہوئی رہی لیکن بالآخر یہ محسوس کیا گیا کہ اس اجتماع میں صرف اسٹڈی سرکل کے سلسلہ کی باتیں ہوں۔ رفقار نے محسوس کیا کہ اسٹڈی سرکل جس کا کام طلباء میں فکری ربط اور علمی غور و فکر کو آگے بڑھانا ہے۔ انگریزی دعویٰ اخبار یا حلقہ انگریزی سے الگ ایک مسئلہ ہے اور فی الحال اس اجتماع میں صرف مسئلہ زیر بحث پر گفتگو کریں جائے چنانچہ اس پر ہونے لگی کہ :

۱۔ بلیٹن تمام عمرانی علوم پر مشتمل ہو کہ صرف معاشیات پر۔

۲۔ کیا علمی مضامین کے علاوہ عام مضامین بھی اس میں ہوں؟

اکثر حضرات اس بات کے حق میں تھے کہ بلیٹن میں دوسرے عمرانی علوم بھی شامل ہوں۔ ایسا کہنے والوں کے دلائل یہ تھے :-

۱۔ دوسرے علوم میں غور و فکر کا کام بھی کافی اہم ہے اور ہم ان کے لیے الگ الگ بلیٹن فی الحال نہیں بنایا سکتے۔ نہ ہی ان میں اتنے زیادہ طلباء ہیں کہ وہ الگ الگ اسٹڈی سرکل قائم کر سکیں۔

-۲ بعض لوگوں کے اس خیال پر کہ اس سے بلیٹن کا جنم زیادہ ہو جائے گا۔ کہا گیا کہ طلباء کی کمی کے پیش نظر اس کی توقع نہیں کہ معاشیات کے علاوہ دوسرے مضامین میں بھی زیادہ مقامے مل سکیں گے۔ دوسرے علوم کے طلباء نے اس کی تائید کی۔

عزیر صاحب ال آباد، عبدالعزیز صاحب منظر پٹنہ، فیض صاحب جے پور، بنحات اللہ صاحب، اشفاق احمد صاحب اور دیگر حضرات کی بھی یہی رائے تھی۔

سعید صاحب ال آبادی کا یہ خیال تھا کہ یہ صرف سیاسیات و معاشیات پر مشتمل ہو۔ ایک آدھ اور صاحب بھی اس کی تائید میں تھے۔ کے۔ بن عبدالحليم صاحب جے پور کا یہ خیال تھا کہ بلیٹن ہر طرح کے انگریزی مضامین کے لیے کھلا رہے۔

سعید صاحب ال آبادی نے ایک انگریزی پرچے کے اجر پر زور دیا اور ساتھ ہی بلیٹن کے معاشیات اور دوسرے عربانی علوم پر حادی ہونے کی تائید کی۔

حامد احمد صاحب حیدر آبادی اور احمد خضر صاحب لکھنؤ کی رائے یہ تھی کہ بلیٹن سائنس کے مضامین کے لیے بھی کھلا رہے۔

اس اجتماع کی کارروائی وقت کی تنگی کے پیش نظر یہیں ختم ہو گئی۔ شرکار کی تعداد چھیس یا تیس کے قریب تھی۔ کچھ بچھے درجات کے طلباء بھی تھے۔

۱۹۵۱ء
۲۲ اپریل

تیسرا دن بعد ممتاز عصر پھر اجتماع ہوا۔ طلباء کچھ کم تھے۔ اس اجتماع نے یہ طے کیا کہ بلیٹن کے سلسلہ میں اور اسٹڈی سرکل کے سلسلہ میں لوگوں کے خیالات و تجاویز سامنے آگئے ہیں۔ اب ایک کمیٹی بنادی جائے جو ان کی روشنی میں زیر بحث مسئلہ اور دیگر جزوی مسائل کو طے کرے اور امیر جماعت کی منظوری کے بعد کام باقاعدگی سے شروع کیا جائے۔

مندرجہ ذیل کمیٹی کا لوگوں نے بالاتفاق انتخاب کیا۔

۱۔ محمد عزیر صاحب، ال آباد (معاشیات)

۲۔ عبد المعز صاحب، پٹنہ (معاشیات)

۳۔ قاضی اشFAQ احمد، رامپور (سیاسیات و تاریخ)

۴۔ محمد نجات اللہ صدیقی (معاشیات)

اسی اجتماع میں مایاں کے سلسلہ میں مختلف مقامات سے موعودہ مایاں تعاون کی ایک فہرست بنائی گئی۔

۱۹۵۱ء
۲۳ اپریل

صحیح کوکمیٹی کی ایک نشست شاہ صینا الحق صاحب کی موجودگی میں ہوئی جس میں مندرجہ ذیل امور بالاتفاق طے ہوئے۔

۱۔ ادارہ کا نام بجائے اسلامک اسٹڈی سرکل ہونے کے اسلامک ریزیڈنچ سرکل رکھا جائے تاکہ یہ ہمارے ان اسٹڈی سرکلس سے منتا ز ہو سکے جو ہم لڑپر

- اور اسلام کے مطالعہ اور اس پر مذاکرہ کے لیے عام طور پر بناتے ہیں۔
- اس کو تمام عمرانی علوم پر حاوی رکھا جائے۔
- ۳۔ اس کے ناظم شاہ صنیار الحق صاحب رہیں۔ صنیار الحق صاحب نے اس پر اظہارِ رضامندی کیا۔
- ۴۔ بلیٹن کے معاشیات کے اڈیٹر محمد عزیز صاحب اہل آبادی اور سیاست و تاریخ و عمرانیات کے اڈیٹر اشفاع قاسم صاحب را پور ہوں گے۔
- ۵۔ ال آباد سے بلیٹن کی اشاعت میں چند درجند زمتوں کے پیش نظرے کیا گیا کہ آئندہ بلیٹن سائیکلو اسٹائل مثین کے ذریعہ مرکز ہی سے شائع کیا جائے۔
- ۶۔ مایات کے لیے بلیٹن کی کوئی قیمت ت مقرب کی جائے بلکہ رضا کارانہ تعاون ہو اور اس طرح کام کیا جائے۔

طہ ہوا کہ محمد بنجات اللہ صدیقی ان تمام باتوں کو مرتب کر کے امیر جماعت کی خدمت میں پیش کریں۔

چنانچہ اس روڈ اڈ کو امیر مختار کے سامنے پیش کیا گیا اور انہوں نے کمیٹی کے فیصلوں کی تصویب کرتے ہوئے شاہ صنیار الحق صاحب کا اس حلقة کا ناظم ہونا منظور فرمایا۔ بعد میں ان کے اذن سے ایک دستور مرتب کر دیا گیا ہے جو ان کی

له محمد عزیز صاحب کے نقل مکانی کے سبب سے اس تنقیہ کے اڈیٹر محمد بنجات اللہ صاحب بنادے گیے۔

منظوری کے بعد اسلامک ریسرچ سرکل بلینٹن نمبر ۴ جلد ۲ میں شائع ہو چکا ہے۔

خواتین کی خصوصی نشستیں

اگرچہ اس اجتماع کی شرکت ارکان خواتین کے لیے بھی لازمی نہیں تھی لیکن پھر بھی تحریک اسلامی سے متعلق دل پیسی رکھنے والی خواتین کی ایک معتقدہ تعداد اجتماع میں شریک ہوئی اور انہوں نے اجتماع کی عام کارروائیوں میں شرکت کرنے کے علاوہ اپنی چند خاص نشستیں بھی منعقد کیں جن کی مخفف روایاد درج ذیل ہے —

نشست اول

۱۹۵۴ء مارچ ۲۱

پہلی نشست ۲۱ مارچ کو ہے سپر منعقد ہوئی۔ سب سے پہلے مولانا محمد زکریا صاحب قدوسی نے خواتین کو خطاب فرمایا جس کا تذکرہ گذشتہ صفحات میں نشست کی کارروائی میں آچکا ہے۔ اس کے بعد مختارہ محمود السنار صاحب مدرس جماعت اسلامی کلکتہ نے درس کلام پاک دیا۔ جس میں سورہ اعراف، رکوع اول کا ترجمہ و تفسیر بیان کیا۔ درس کے بعد سیگم اسرار العلیٰ صاحبہ (راپور) نے اجتماع سے متعلق قابل توجہ باتیں کے عنوان پر ایک تقریر فرمائی۔ آپ نے اپنی تقدیر

میں فرمایا کہ —

”اپنے اجتماع سے خاطرخواہ فائدہ حاصل کرنے کے لیے
ہم کو حصہ ذیل یاتین ملحوظ رکھنی چاہیں :-“

ا. خوش سلیقگی — اس سے میری مرادیہ ہے کہ نشدت درخوا
بات چیت، پروگرام کے مختلف اجزاء کا دیکھنا اور سنتا غرض یہ کہ
ہر ایک کام کی انجام دہی ایک قریبیہ اور عمدہ ڈھنگ سے ہونی چاہیے۔

۲۔ امانت و دیانت — اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے اجتماع
میں یہ بات محسوس و مشہود شکل میں نظر آئی چاہیے کہ ایک مسلم
سو سائی میں امانت و دیانت کا کس طرح قیام عمل میں آتا ہے۔
یہاں تک کہ اگر کسی فرد کی کوئی چیز کہیں پڑی رہ جائے تو یا تو اس
کو اٹھا کر چیزوں کے پاس پہنچا دیا جائے یا پھر وہیں پڑا رہنے دیا
جائے تا آنکہ چیزوں والا خود اس کو پا لے۔

۳۔ تنقیدی نظر — اس کا معنی ہوم یہ ہے کہ ایک بہن کو دوسری
بہن کے اخلاق، اقوال اور اعمال میں جو خوبیاں نظر آئیں ان کو
اختیار کرنے کی کوشش کی جائے اور جو باتیں قابل اعتراض اور
خلافِ شرع دکھانی دیں مشققات و ہمدردانہ طور پر ان کی اصلاح
کی طرف توجہ دلانی جائے۔

۴۔ اخوت و ہمدردی — اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک
بہن کو دوسری بہن کے آرام کا لحاظ ہوا اور اگر کسی بہن کو کسی طرح

کی تکلیف پیش آجائے تو دوسرا بہن کو بھی اس کا پورا احساس ہوا اور اس کو رفع کرنے کی ہر امکانی پر مستش کی جائے۔ ہم کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لبی چاہیے کہ جہاں انوت وہ دردی موجود ہو گی وہاں غیریت و اجنبيت کا نشان نہیں مل سکتا۔“

اس کے بعد یہم اکرم الدین صاحبہ دال آباد نے اپنی ایک تقریب میں عبادت کا مفہوم سمجھایا۔ آپ نے فرمایا کہ —

”اس لفظ میں پرستش، غلامی اور اطاعت ہستیوں مفہوم شامل ہیں۔ خدا کی عبادت کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا سرنایاً صرف اللہ کے سامنے جھکے۔ اللہ ہی کی غلامی کا حلقة اس کی گردان میں ہو اور وہ اپنی پوری زندگی میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت کرے عبادت کے اس مفہوم کو نگاہ میں رکھ کر ہم زندگیوں کا جائزہ لیں تو معلوم ہو گا کہ ہم نے خدا کے علاوہ اور بہت سی زندہ اور مردہ ہستیوں کو اپنا معبود بنارکھا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ہمارا تعلق کچھ ہے بھی تو صرف نماز اور روزہ کی حد تک رہ گیا ہے۔ اور وہ بھی ان کی ظاہری شکل تک، اور نہ روح ان عبادات میں بھی نہیں رہ گئی ہے۔ اگر ہم دنیا میں ایک مسلمان کی حیثیت سے زندہ رہنے اور اسی حیثیت سے اللہ کے حضور حاضر ہونے کی خواہش مند ہیں تو ہمیں اپنی انفرادی اور اجتماعی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں دینی چاہیے۔“

نشست دوم

۲۲ راپریل ۱۹۵۸ء۔ ۸ بجے سے ۱۱ بجے تک

سب سے پہلے محترم محمود النساء صاحبہ نے سورہ انعام کے آخری رکوع کا درس دیا۔ اس کے بعد خواتین نے اپنے اپنے مقام کی خواتین کی دعویٰ سرگرمیوں کی روپریں پیش کیں۔ اس کے بعد بیگم عابدی صاحبہ (دلہی) نے ایک تقریر فرمائی جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:-

حمد و صلوٰۃ کے بعد —

”محترم بہنو! اسلام جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، ایک دین ہے۔ زندگی کا مکمل نظام۔ وہ انسان کو پوری زندگی کے لیے واضح ہدایات دیتا ہے کہ اس کو کیا کرنا ہے کیا نہیں کرنا ہے۔ کھانا، بیٹا، بیٹھنا، اٹھنا، معاملات و تعلقات غرضی یہ کہ زندگی کے ہر گوشہ اور شعبہ کے لیے اس نے انسان کی مکمل طور پر رہنمائی کی ہے اور اسی کی رہنمائی اختیار کرنے سے انسان کی زندگی سُفْہری اور پاکیزہ بن سکتی ہے اور وہ اپنی گھنیوں کو اسی کی رہنمائی میں سُلنجا سکتا ہے۔ مگر یہ سب کچھ اسی صورت میں ممکن ہے جبکہ ایک طرف اس کو اسلام سے صحیح واقعیت بھی ہو اور اس کے برحق ہونے کا لفظ بھی۔ مگر قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ آج ہم مسلمانوں کی حالت رہنمایت ہی قابلِ رحم ہے۔ اسلام سے دلچسپی اور عقیدت تو ضرور ہے مگر

دین کے تقاضوں کا صحیح شعور نہیں۔ اس لیے سب سے بڑی ضرورت اس ہات کی ہے کہ مسلمان مردوں کی طرح عورتوں کے شعور دین کو بھی اجرا کیا جائے تاکہ ان کو ایک پابند ضابطہ زندگی اختیار کرنے کا صحیح احساس ہو اور وہ محسوس کریں کہ ان کو اپنے دین کی ذمہ داری اپنے مردوں پر دلانے کے بجائے خود سمجھنی اور انجام دینی چاہیے۔ اسی کے ساتھ ہمیں اپنی دینی تعلیم، عملی زندگی کی اصلاح، بچوں کی پرورش اور تربیت اور امور خانہ داری کی انجام دہی کی طرف بھی پوری توجہ دینے کی ضرورت ہے اور سب سے بڑھ کر جس بات کو نگاہ میں رکھنا چاہیے وہ یہ ہے کہ مردوں عورتوں کے تعاون سے ہی صحیح معاشرہ کی تعمیر ہو سکتی ہے۔ یہ بات نہ تنہ امر دکے لبس کی ہے اور نہ تنہ عورت کے لبس کی۔“

نشست سوم

۳ بجے سے ۵ بجے تک

اس نشست میں سب سے پہلے بنت چودھری رفیع الدین صاحبہ (درامپور) نے ایک تقریب کی۔ انہوں نے اپنی تقریب میں اسلامی اخلاقیات کی وضاحت کی اور خواتین کو توجہ دلانی کروہ اپنے اندر صحیح فتنم کے اخلاق کی پرورش کرنے کی گوشش کریں۔ آپ نے خواتین کو صحابیات اور دیگر مسلم خواتین کی زندگیوں کے مطالعہ کی طرف بھی توجہ دلانی۔ اس کے بعد بنت ابیار احمد صاحبہ (درامپور) نے "مسلم

خواتین کی معاشرتی ذمہ داریاں ”کے زیر عنوان ایک مقالہ پڑھا۔ سب سے آخر میں بیگم اکرم الدین صاحبہ (دار آباد) نے جماعت اسلامی کے خلاف عائد کردہ الزامات (کہ جو کسی حد تک خواتین میں اُبھرائے تھے) کی تزوید میں تقریر فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ ”خواتین میں اول تعلم کی بہت کمی ہے اور دوسرا انسوں نے جماعت اسلامی کی دعوت کو مٹیک طرح سمجھنے کی ابھی کوشش بھی نہیں کی۔ اس لیے اسماں کے ساتھ اس حلقے میں غلط فہمیاں پھیلائی جا سکتی ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کی جائے۔ اس کے بعد ہی ان کو یہ فیصلہ کرنے میں اسماں ہو گی کہ کس بات کا دین سے کیا تعلق ہے اور پھر ان کو اس طرح غلط فہمیوں میں اسماں کے ساتھ مبتلا نہیں کیا جا سکے گا۔

نشست چہارم

۲۱ اپریل ۱۹۵۶ء

خواتین کی یہ سب سےآخری نشست امیر جماعت کی اختتامی تقریر کے بعد منعقد ہوئی۔ خواتین نے تفصیلی طور پر باہمی تعارف حاصل کیا اور اجتماع کے بارے میں اپنے اپنے تاثرات کا اظہار کیا اور اس بات کا عزم کیا کہ اپنے اپنے مقام پر واپس جا کر دعوت کو سمجھنے اور دوسری بہنوں کو روشناس کرنے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کی جائے گی۔

ادارہ ادب اسلامی کا کل ہند اجتماع

ادارہ ادب اسلامی ہند کا پہلا کل ہند اجتماع ۲۷ اپریل
 ۱۹۶۸ء کو۔ ابھے دن میں شروع ہوا۔ اجتماع کی صدارت جناب
 محمد شفیع صاحب مونس، ناظم ادارہ ادب اسلامی ہند نے کی۔
 اجتماع میں آئے ہوئے اکثر حضرات اس نشست میں شریک تھے۔
 مقامی حضرات نے بھی شرکت کی۔

سب سے پہلے تلاوت قرآن پاک ہوئی۔ اس کے بعد مونس صاحب نے احادیث
 کی طرف سے پیش کیے جانے والے مقالہ کا تعارف کرتے ہوئے چند جملے کہے۔ اور...
 محمد بن جات اللہ صاحب صدیقی کو مقالہ پیش کرنے کے لیے بلا یا۔

اس مقالہ کا عنوان "اسلامی ادب کیا ہے" تھا۔ اس میں اسلامی ادبی
 نظریہ کی توضیح کرتے ہوئے دوسرے مکاتب ادب سے اس کو ممتاز کیا گیا تھا۔
 خصوصیت کے ساتھ ہندوستان کے موجودہ مکاتب فکر و ادب کو سامنے رکھ کر
 اپنا موقف واضح کیا گیا تھا۔ انہیں اسلامی ادبی تحریک کے طریق کا پر بھی کچھ روشنی
 ڈالی گئی تھی اور ملک کے تمام حساس ادبیوں سے اس مکتب فکر و ادب کا سنجیدگی
 سے مطالبہ کرنے اور اس کی دعوت پر لبیک کہنے کی اپیل کی گئی۔ یہ مقالہ پورے ایک
 گھنٹے میں پیش کیا جاسکا۔

اس کے بعد سید اصغر علی صاحب عابدی مدیر معيار نے ایک مقالہ "ہماری
 ادبی تحریک" کے عنوان سے پیش کیا۔ اس میں موجودہ ترقی پسند ادبی رجحانات:

اسلامی مکتب ادب کے مقابل کو بھی سامنے رکھا گیا تھا اور اسلامی ادب کی اصولی طور پر بھی وضاحت کی گئی تھی۔ ان چند تخلیقات کے بعد اجتماع بعد نماز ظہرتک کے لیے ملتوی ہو گیا۔

دوسری نشست شیک ۲ ہے بنے شروع ہوتی۔ اس نشست میں مندرجہ ذیل تخلیقات پیش کی گئیں۔

- | | |
|------------------------------|--|
| افسانہ | ۱۔ محمود فاروقی صاحب مدیر الانصاف۔ |
| افسانہ | ۲۔ مولانا سید احمد عروج قادری صاحب |
| افسانہ | ۳۔ اقبال نیم صاحب - میرٹھ |
| افسانہ "شیطان کے ساتھ چڑھنے" | ۴۔ نینر حسین صاحب - علی گڑھ |
| دوغزیں | ۵۔ حفیظ صاحب میرٹھ |
| غزل | ۶۔ نجم الاسلام صاحب مدیر معيار - میرٹھ |
| دو نظمیں | ۷۔ ابوالمجاہد صاحب ر آہد |
| چند رباعیات | ۸۔ انوراعظی صاحب |
| غزل | ۹۔ مولاناوارث کامل صاحب مدیر مدینہ، |
| نظم | ۱۰۔ بدرا الاسلام صاحب بدر لکھمینوی |
| نظم | ۱۱۔ سہیل زیدی صاحب - ال آباد |

اس کے بعد ان تحریروں پر تتفیید و تبصرہ کا وقت تھا۔

مولاناوارث کامل صاحب نے اظہارِ خیال فرماتے ہوئے اسلامی ادب کے تحریک اسلامی کا ایک موثر ذریعہ نفوذ ہونے کی حقیقت کو واضح کیا۔ اس کے بعد آپ

نے فرمایا کہ اسلامیت اسلامی ادب کی سب سے نمایاں حقیقت ہوئی چاہیے۔ ہمارا فکر و کردار دونوں اسلامی ہونا چاہیے۔ یہ اسلامی ادب کا اولین تفاصیل ہے۔ آپ نے تخلیقات کے ادبی محسان کی طرف مزید توجہ کی ضرورت واضح فرمائی۔

آخری موتک صاحب نے حاضرین کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ تھوڑے ہی عرصہ کی کوششوں سے ہمارے اہل قلم حضرات کی ادبی تخلیقات میں جو نمایاں ترقی محسوس ہونے لگی ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا جس قدر شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی دافع ہے کہ ادب کو صحیح معنی میں اسلامی بنانے کے لیے ابھی بہت زیادہ کاوش کی ضرورت ہے۔ اس خدمت کی خاطر خواہ انجام دہی کے لیے ہمارے فن کاروں کو اسلامی اور جاہلی دونوں نظریہ ہائے ادب کے مطالعہ کے علاوہ انسانی نفیسیات اور موجودہ سماج کا گہر امطالع کرنا ہو گاتا کہ وہ ایک طرف جاہلی طرزِ زندگی پر مناسب تنقید کر کے اس کی ایک یک خرابی کو اچھی طرح واضح کر سکیں اور دوسری طرف اسلامی طریقِ زندگی اور اس کے فیض و برکات سے موسائی کو آسانی سے روشناس اور متأثر کیا جاسکے۔

ایک اسلامی ادیب لکھتے وقت سب سے زیادہ جس چیز کو ملحوظ رکھتا ہے وہ اس کی تحریر کی مقصدیت ہوتی ہے کیونکہ ادب کی خدمت بجائے خود اس کا مقصد نہیں ہوتی بلکہ وہ ادب کو اپنے پیش نظر مقصد کی خدمت اور اس کے حصول کے لیے بطور ایک ذریعہ کے اختیار کرتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی بجاے خود حقیقت ہے کہ حسن بیان کے بغیر کلام میں مطلوبہ تاثیر پیدا نہیں ہو سکتی ہے۔ اس لیے ہمارے لیے حسب اہمیت ادب کے دونوں ہی پہلوؤں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

اس کے بعد آپ نے حاضرین کا شکریہ ادا کیا اور یہ نشست بھی
برخاست ہو گئی۔

ادارہ ادب اسلامی کی مشاورتی نشست

ادارہ ادب سے متعلق دستوری امور پر عenor و فکر کیا گیا اور اس کام کے لیے دوبارہ مجلس مشاورت منعقد کی گئی۔ ان دونوں نشستوں میں مختلف حضرات کو اظہارِ خیال کا موقع دیا گیا۔ مونس صاحب جو مجلس کی صدارت کر رہے تھے، مختلف نقاط نظر کو ایک دوسرے سے قریب لانے کی کوشش کرتے رہے تاکہ مجلس کی منعقدہ دستوری شکل تک پہنچ سکے۔ لیکن وقت کم تھا، لہذا جب مختلف رجحانات پوری طرح سامنے آگئے تو ان کی تائید کرنے والوں پر مشتمل ایک سب کی طبقی بنادی گئی جس کے ارکان حسب ذیل ہیں :

۱۔ سید اصغر علی صاحب عابدی

۲۔ محمود فاروقی صاحب

۳۔ محمد بحات اللہ صاحب صدیقی

ان حضرات نے علیحدہ نشستوں میں ان امور پر پھر عنور کیا اور بالآخر ان تینوں نے اپنی اپنی تجویز تحریری شکل میں مرتب کر کے ناظم ادارہ کے حوالہ کر دیں تاکہ وہ ان کو امیرِ جماعت کے سامنے رکھ دیں اور وہ اس سلسلہ

میں کوئی آخری فیصلہ کر سکیں یا

پرسیس کی غلط بیانی

اجتماع کی پوری کارروائی سامنے آچکی ہے۔ اس کے سلسلہ میں اب ہر یہ کوئی بات پیش کرنے کی نہیں ہے لیکن اجتماع کے بعد ملک کے ایک خاص طرح کے پرسیس نے اس اجتماع کے سلسلہ میں جس طرح کی غلط بیانیوں سے کام لیا، اس کا بہاں مختصرًا ذکر کیا جاتا ہے تاکہ آپ اندازہ کر سکیں کہ پرسیس اس طرح کے معاملات میں کتنا ذمہ دار واقع ہوا ہے۔

اس پرسیس کی طرف سے حسب ذیل الزامات جماعت پر لگائے گئے۔

- ۱۔ جماعت اسلامی کے کارکن تین دن برابر خفیہ ٹنگ کرتے رہے اور ان خفیہ اجلاسوں میں طے کیا گیا کہ ہندوؤں میں جو مختلف طرح کے اختلافات پیدا ہو گئے ہیں، ان سے مسلمان پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں اور ان کے اختلاف کو مزید ہوادیں۔
- ۲۔ ظاہر طور پر ہر سیاسی پارٹی سے ملے رہیں لیکن اندر اندر ان پارٹیوں کی جڑیں

لہ ان بجاویز کے سامنے آنے کے بعد امیر جماعت نے ایک دستوری نشکل طے کر دی اور ان خطوط پر ایک دستور مرتباً کرایے اس کی منظوری بھی دے دی ہے۔ اس کی کاپیاں مقامی اداروں کو روانہ کی جا چکی ہیں۔

کھوکھلی کر دیں۔

۳۔ انتخابات کے وقت مسلمان ایک ہی جماعت کے تحت حصہ لیں اور مسلمانوں کے لیے دستور ساز اسمبلی میں نشستیں مقرر کرانے کے بارے میں قراردادیں پاس کرائیں، اور حکومت سے زوردار افاظ میں اس کا مطالبہ کریں۔ پھر قیم جماعت نے ان الزامات کی تردید میں اپنا وضاحتی بیان اشاعت کے لیے بیجا تو اس کو شائع نہیں کیا۔ قیم جماعت کا یہ بیان حسب ذیل تھا جو روزنامہ آغاز را پیور (اپریل ۱۹۴۷ء) کی اشاعت میں شائع ہوا۔

قیم جماعت کا وضاحتی بیان

”جماعت اسلامی ہند کے حالیہ کل ہند اجتماع منعقدہ را پیور کے بارے میں مقامی ہندی اخبار پر کاش مور خر ۲۶ اپریل ۱۹۴۷ء میں بعض اطلاعات شائع ہوئی ہیں جو قطعی طور سے غلط اور بے بنیاد ہیں اور ان سے لوگوں کے غلط فہمی میں پڑھانے کا امکان ہے جو پہلے سے جماعت اور اس کی دعوت سے واقع نہیں ہیں اس لیے ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ چند سطور میں ان اطلاعات کی حقیقت واضح کر دی جائے۔ ایسا ہے کہ اس تردید کو شائع فرمائ کر ہمیں شکر گزاری کا موقع دیں گے۔

۱۔ اس اخبار میں الزام لگایا گیا ہے کہ جماعت اسلامی کے کارکن تین دن برا برخیہ گفتگو کرتے رہے اور ان خفیہ اجلاسوں میں طے کیا گیا کہ

ہندوؤں میں جو مختلف طرح کے اختلافات پیدا ہو گئے ہیں، ان سے مسلمان پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں اور ان کے اختلاف کو مزید ہوادیں۔

۲۔ ظاہر طور پر ہر سیاسی پارٹی سے ملے رہیں لیکن اندر اندر ان پارٹیوں کی جدیں کھو گھلی کر دیں۔

۳۔ انتخاب کے وقت مسلمان ایک ہی جماعت کے تحت حصہ لیں اور مسلمانوں کے لیے دستور ساز اسمبلی میں نشستیں مقرر کرانے کے بارے میں قراردادیں پاس کرائیں اور حکومت سے زوردار الفاظ میں اس کا مطالبہ کریں۔

ہمیں افسوس ہے کہ یہ بے بنیاد باتیں اس جماعت کی طرف منسوب کی گئی ہیں جس کے مفہود اور طریقہ کار سے مسلمانوں اور غیر مسلم حضرات کی ایک بہت بڑی تعداد واقف ہے۔ دُور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ خود اس اجتماع میں جو لوگ شریک ہوئے ہیں غالباً ان کے کافوں میں ابھی تک مولانا ابواللیث صاحب ایم جماعت کے یہ الفاظ گونج رہے ہوں گے:-

”ہمارے دین میں جس کو ہم بریا کرنا چاہتے ہیں، جھوٹ، مکروہ فریب، نظم و زیادتی وغیرہ کی مطلق تکبیاش نہیں ہے۔ اس لیے ہم جو کچھ کہتے اور کرتے ہیں، ہماری کوئی یہ راز نہیں ہے اور جو ہمارے دل میں ہے وہی ہماری زبانوں پر ہے۔ اگر ہم اس کے سوا کوئی اور

طرقی کار اختیار کریں تو اس کے معنی اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتے
کہ ہم جس چیز کو قائم کرنے کے لیے مکھڑے ہوئے ہیں اس کی خود میں
سے پہلے اپنے ہاتھوں جڑیں کاٹ دیں۔“

اس طریقی کار کے مطابق ہمارے یہ اجتماعات بھی بالکل
علانیہ ہوتے رہے ہیں۔ ہمارا کوئی اجماع بھی ایسا نہیں ہوا جس کا
لاڈا سپیکر کے ذریعہ پہلے سے اعلان نہ کر دیا گیا ہو۔ یہاں تک کہ
رفقار کی باہمی ملاقاتیں بھی کھلی چکیوں میں ہوتی رہیں اور ان میں
متعلق اور غیر متعلق ہر طرح کے لوگ بے روک ٹوک شریک ہوتے
رہے ہیں، اور واقعہ تو یہ ہے کہ ہمارا کوئی اجماع خفیہ ہو بھی نہیں
سکتا تھا۔ کیونکہ اجماع میں شریک ہونے والے اچھی طرح جانتے ہیں
کہ خفیہ پولیس کا کتنا بزرگ دست دستہ ہمارے کاموں کی نگرانی کے
لیے متین تھا۔ وہ کس طرح بسا اوقات اپنے حدود کو پامال کرتا ہوا
دوستوں کی بخشی باتوں تک میں شریک ہو جایا کرنا تھا۔ علاوه ازیں
باہر سے آنے والوں میں متعدد غیر مسلم حضرات بھی شامل رہے ہیں
اور ان کا بیٹھنا انہی رفقار کے ساتھ رہا ہے۔ ایسی حالت میں خود
قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ہم خفیہ اجتماعات جن میں مذکورہ بالا باتیں
ٹک کی جا سکیں کس طرح کر سکتے تھے۔

اد جہاں تک تفریق ڈالنے کا تعلق ہے اس کی تردید میں ہم
اپنا پورا طریقہ اور پوری گذشتہ سرگرمیاں پیش کر سکتے ہیں جو دس

اجماعت میں کبھی امیر جماعت نے جماعت کے طریق کا رکنی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ :-

”دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے سامنے توڑ پھوڑ اور تحریب وغیرہ کی قسم کا بھی کوئی کام نہیں ہے۔ کیونکہ ہم جو کچھ چاہتے ہیں اس کے لیے صحیح طریق کا رہی ہو سکتا ہے کہ سب سے پہلے انسان کے فکر و ذہن کی اصلاح کی جائے۔ انسیائے کرام نے یہی طریقہ اختیار کیا ہے اور خود رسول اللہ صلیم کا بھی اسوہ حسنہ یہی ہے۔“

اس صحن میں موجود کے ایک مضمون کا ایک مختصر اقتباس بھی یہاں نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں جو مسلمانہ ”زندگی“ کی گذشتہ اشاعت میں شائع ہوا ہے۔

”پچھے لوگ الیکشن سے علیحدگی کا یہ نفعان بتاتے ہیں کہ الیکشن نے ہمارے لیے یہ موقع فراہم کیا ہے کہ ان پارٹیوں میں گھس کر ان کو ایک دوسرے کے ساتھ دست و گریان کر سکیں۔ اس لیے یہیں اس موقع سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہیے۔ یہ دلیل ہمارے نزدیک اتنا ہی سفاقت پر مبنی ہے۔ اگر یہ چیز ممکن ہو بھی تو کسی طرح ہمارے شایانِ شان نہیں ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ دنیا کی کوئی قوم دوسری قوم کی بد بخوبی پر اپنا مستقبل تعمیر نہیں کر سکتی۔ اس کے لیے ٹھوس بنیادیں درکار ہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ ہم ہندوستان میں یہاں کی عام خوش بخوبی اور بد بخوبی سے الگ ہو کر اپنے لیے کسی خوش بخوبی کی توقع نہیں کر سکتے جو

چیزیں کی عام آبادی پر عضراً ثڑ دال سکتی ہے۔ اس کے اثرات سے ہم اپنے کو بھی محفوظ نہیں کر سکتے ہیں۔ اس لیے جو لوگ اس اندازے سوچتے ہیں وہ ملک ہی کے دشمن نہیں ہیں بلکہ خود قوم اور خود اپنے بھی دشمن ہیں بعض لوگوں کی زبانی اس طرح کی دلیلیں سن کر ہمیں مسلمانوں کی حالت پر انتہائی تلقن ہوتا ہے۔ ”(ائز زندگی صفحہ نمبر ۷، بابت ماہ اپریل، متی ۱۹۴۸ء) ان باتوں کے علاوہ الگیر بات بھی پیش نظر رکھی جائے کہ پورے ملک میں ہمارے کارکنوں کی تعداد کیا ہے تو غالباً کوئی شخص مذکورہ بالا اطلاعات پہنچنے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ہمارے ارکان کی مجموعی تعداد پورے ملک میں صرف ۲۸۹ ہے اور جن میں سے کوئی بھی کسی سیاسی جماعت میں تشریک ہے اور نہ شرکت کو صحیح سمجھتا ہے۔ اس سے اندازہ کیجیے کہ ہم اتنے اور ایسے ارکان کے ساتھ کس طرح ملک کی درجنوں مضبوط سیاسی پارٹیوں میں پھوٹ ڈالنے کا حوصلہ کر سکتے ہیں؟ کیا یہ انتہائی تمسخر آمیز بات نہیں ہے؟

ارکین اور نشستوں کے سلسلے میں جو باقی کمی ہیں، ان پر وہ شخص یقین کر سکتا ہے جو ہماری جماعت سے سربری واقفیت بھی نہ رکھتا ہو۔ یا جس کے ذہن میں اس کی گنجائش ہی نہ ہو کہ وہ کسی جات کا مقصد ایکشن کے مساوا تصور کر سکے۔ درجنہ ایکشن اور نشستوں کے بارے میں جماعت کا موقف ہروا فف حال کو اچھی طرح معلوم ہے۔ ہماری دعوت کا ایک جز ہی ایکشن اور سیاسی پارٹیوں سے

علیحدگی ہے اور کوئی ایک مثال بھی اس کے خلاف نہ صرف ہمارے
ارکان بلکہ ہمدردوں کے صحن میں بھی نہیں پیش کی جا سکتی۔ خود
ماہنامہ "زندگی" میں بھی گزشتہ کمی ماہ سے الیکشن کے بارے میں
امیر جماعت کا ایک مضمون شائع ہوا رہا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ
مسلمانوں کو آئندہ الیکشن سے علیحدہ رہنا چاہیے۔ ان باتوں کی
موجودگی میں اپنے خود فیصلہ فرمائیں کہ مذکورہ بالا اطلاعات کہاں تک
صحیح ہو سکتی ہیں۔ آخر میں چند فضروں میں اسلام کی تبلیغ کے بارے
میں بھی عرض کرنا چاہتا ہوں جس کو خیر میں زیادہ اہمیت دی گئی
ہے جس اسلام کو ہم مانتے اور پیش کرتے ہیں وہ مسلمانوں کے لیے
محضوں نہیں ہے بلکہ چند عالمگیر صداقتوں کا نام ہے جن کی تبلیغ ہمارے
عقیدہ کے مطابق ہر قوم اور ہر دور میں اللہ کے فرستادوں نے کی
ہے اور اس کی تبلیغ کا ہرگز یہ منتشر نہیں ہے کہ ہم مسلمان نامی قوم کی
حکومت کے خواہش مند ہیں۔ اسلام اور مسلمان قوم دو الگ الگ چیزیں
ہیں اور ان پر اسی حیثیت سے غور کرنا چاہیے۔

قیم جماعت اسلامی ہند را میور

— یہ الزامات جو مذکورہ بالا اخبارات نے لگائے تھے، اس قدر بے بنیاد

تھے کہ ان تمام مسلمانوں اور غیر مسلموں کو انھیں پڑھ کر سخت تنجیب اور افسوس ہوا
جو اس اجتماع میں شریک تھے۔ چنانچہ ایک شریک اجتماع غیر مسلم دوست جناب گھنٹیاں
داس گنگوہی نے بھی ان بے بنیاد الزامات کو پڑھ کر ایک تردیدی بیان دونوں

اخباروں کو اشاعت کے لیے بھیجا۔ مگر یہ اخبار (غاباً خلاف مصلحت تجویز کر) اس کی اشاعت کی بھی جرأت نہ کر سکے۔

اس کے بعد قیم جماعت نے اپنے مارسلہ کے ساتھ جناب گھنستیام داس صاحب کے بیان کا اردو ترجمہ اردو اخبارات کو بھیجا جو بنگلہ دیگر اخبارات کے روزنامہ "ناظم" رامپور کی، ارمی ۱۹۵۱ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔ گھنستیام صاحب کا مارسلہ درج ذیل ہے :-

گھنستیام داس صاحب کا مارسلہ

"جناب ایڈیٹر صاحب سودلیش، تسلیمات۔

آپ کا روزنامہ سودلیش مورخہ ۷ اپریل کو دوسرا نمبر میری نظر سے گذرا۔ میری حیرت و افسوس کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے جماعتِ اسلامی کے کل ہند اجتماع کے بارے میں جو ۲۰، ۲۱ اور ۲۲ نمبر تاریخوں میں ساپور میں ہوتا تھا۔ اس کا بیان پڑھا کیونکہ کسی وجہ سے میں بھی انھیں تاریخوں میں رامپور تھا اور اجتماع کی تقریباً تمام نشستوں میں شامل ہوتا رہا۔ آپ کے اخبار کا بیان اور میں نے وہاں جو کچھ دیکھا اور سنا، دونوں ایک دوسرے کی بالکل ضد ہیں۔

جماعتِ اسلامی کے سیاسی نقطہ نظر کا جہاں تک تعلق ہے اور میں نے اجتماع کی کارروائیوں میں جو تصحیح اور تضویضاً

جناب جیب اللہ صاحب کی تقریر سے جو دوسرے دن رات کے وقت ہوئی تھی، یہ بات پوری طرح صاف ہو گئی تھی کہ موجودہ سیکولر اسٹیٹ جس کو وہ لادینی حکومت کہتے ہیں، میں نہیں میں حصہ لینے کا سوال پیدا ہوتا ہے اور نہ مسلمانوں کے مفاد کو اس طرز حکومت میں محفوظ کرانے کا سوال ہی پیدا ہوتا ہے کیونکہ ان کا خیال یہ ہے کہ جو دستور خدا تعالیٰ دستور سے مختلف ہے وہ انسانیت کے لیے غلط ہی نہیں بلکہ مضر بھی ہے۔ اس لیے کسی بھی ایسے دستور کے سلسلے میں جماعت کو کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

رہا ہندو مسلمانوں کے تعلقات کے بارے میں توجہ اتنی کافی نظر بھی کیجھ چرا نہیں ہے۔ جماعت کا خیال ہے کہ تمام انسان ایک باوا کی اولاد ہیں مگر امتداد زمانہ کے سبب نوع انسانی قومیں اور گروہوں میں تقسیم ہو گئی ہے لیکن پھر بھی آپس میں پہت سی ایسی مشترک قدریں موجود ہیں جن پر ہم ساتھ ساتھ کام کر سکتے ہیں جن پر اٹھ بیٹھ سکتے ہیں۔ نیز اٹھ ہو سکتے ہیں اور جن چیزوں میں بھی اختلاف رائے ہے ان پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی گوشش کر سکتے ہیں۔ باقی میری سمجھ میں وہاں پر کوئی تخفیہ یا اس سے ملتی جلتی کارروائی نہیں ہوئی۔ تمام کارروائیاں ٹھنڈے اجلاس میں لا اور ڈا سپیکر کے ذریعہ ہوئی ہیں۔

میں نے اسے اپنا فرض تصحیح نہ ہوتے کہ کسی غلط اور مگر اکن

بات سے عوام اور حکومت میں سہموم فضان نہ پیدا ہو جائے۔ اس غلط فہمی کو جواہار کے بیان سے پیدا ہو سکتی ہے یہ لکھنے کی جرأت کی ہے۔

ناچیز گھنسنیاں سنگھ کو شک پر دھان آریہ سماج گنگوہ

صلح سہار نپور، ۱۹۵۴ء

اجتماع کے بارے میں اس طرح کے شکوک و شبہات اس قدر بے بنیاد تھے کہ اس کی پوری کارروائیوں کو دیکھ کر ان لوگوں کو بھی آخر میں اپنی رائے پہلئی پڑی جو پہلے اس کی طرف سے تردید میں بتلتا تھے۔ چنانچہ مقامی روزنامہ "آغاز" نے جو بعض اندیشیوں کی بنا پر رامپور میں اجتماع کے منعقد ہونے کا خلاف تھا۔ ختم اجتماع یہ اپنے تاثرات کا انہمار ان لفظوں میں کیا ہے:-

تبصرہ آغاز

جماعت اسلامی ہند کا سالانہ اجتماع ۲۰۲۱ء اپریل کو رامپور میں ہوا۔ اس کے متعلق عام طور سے مختلف و متفاہد قیاس آرائیاں کی جا رہی تھیں لیعنی لوگ ممکن ہے اس اجتماع کے سرے سے بلا قید مقام خلاف ہوں۔ لیکن اکثر لوگ اس اجتماع کو غلط تھیں جانتے تھے مگر ان کی مصلحت اندیشیاں اس کی حامی تھیں کہ یہ اجتماع رامپور میں نہ ہو بلکہ کسی بڑے شہر میں ہو۔ اب ان مصلحت اندیشیوں کے سلسلہ میں استدلال و براہین کی ضرورت باقی نہ رہی۔ بہرحال اجتماع ہوا اور بخیر و خوبی ختم ہو گیا۔ اپنی نوعیت کے لحاظ سے نہایت شان دار

طریقے پر ہوا اور انتہائی پُر سکون و منظم ہوا جس میں مسلم اور غیر مسلم سب ہی شریک ہوئے اس اجتماع میں جو تقریبیں ہوئیں ان پر تبصرہ کے لیے وقت و گنجائش درکار ہے۔ اس لیے ہم ان پر اظہار خیال نہ کرتے ہوئے اجتماع کے سکون و تنظیم کو سراہے بغیر نہیں رہ سکتے اور اس سلسلہ میں اجتماع کے اہتمام کرنے والوں کو مستحق مبارکباد سمجھتے ہیں کہ انہوں نے کوئی ایسا موقع نہ دیا جو قابل اعتراض ہوتا یا کسی فرقہ و طبقہ کو اس سے نکایت کی گنجائش ملئی۔ ہم اس اجتماع کو نظم و ضبط کے لحاظ سے دوسری جماعتوں کے لیے مثالی اور قابل تقلید قرار دیتے ہوئے مشورہ دیں گے کہ ہر موقع پر اس کی تقلید ناگزیر تصور کی جائے۔
